

مجله علمی و ادبی

حاج آقا

مجله علمی و ادبی
مطرح شده در سال ۱۳۸۵

پیرایه‌های ادبی

پیرایه‌های ادبی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ ط
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں۔

- (۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں
- (۲) تقلید کوئی ضروری ہے اور کوئی منع
- (۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں
- (۴) تقلید کے واجب ہونے کے دلائل
- (۵) تقلید پر اعتراضات اور ان کے مکمل جوابات۔ اس لئے اس بحث کے پانچ باب کئے جاتے ہیں۔

باب اول

تقلید کے معنی اور اس کے اقسام

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں۔ قلاوہ و گردن بستن گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسای باب متابعت رسول اللہ ﷺ میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المار سے نقل کیا اور یہ عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔

التَّقْلِيدُ اتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَيْرِهِ فِيمَا سَمِعَهُ يَقُولُ
أَوْ فِعْلَهُ عَلَى رَأْيِهِ أَنَّهُ مُحِقٌّ بِلَا نَظَرَ فِي
الدَّلِيلِ۔

تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اس کو کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے۔ بغیر دلیل میں نظر کئے ہوئے۔

نیز امام غزالی کتاب المصلی جلد دوم صفحہ ۳۸۷ میں فرماتے ہیں التَّقْلِيدُ هُوَ قَبُولُ قَوْلِ بِلَا حُجَّتِهِ۔ مسلم الثبوت میں ہے التَّقْلِيدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّتِهِ۔ ترجمہ وہی جو ادھر بیان ہوا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام و آنسردین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد۔ اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات ماننا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابوحنیفہ ؒ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا۔ یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں آنسردین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے۔ جیسے طبیب لوگ علم طب میں پوٹلی سینا کی اور شاعر لوگ داغ امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی و مصرنی لوگ سیسویہ اور ظلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح ہر پیشہ وراپے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں تقلید نہیں۔ ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بوڑھی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی نمی کی ان رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں پوٹلی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے۔ اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

وَلَا تَطْعَمَنَّ مِنْ أَعْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ
وَكَانَ أَمْرُهُ فَرْطًا۔ (پارہ ۵ سورۃ التہٰ ۸۷ آیت ۲۸)

اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

وَأَن جَاهِلَكَ عَلَىٰ أَن تَشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ
لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا. (پارہ ۳ سورہ قرآن آیت ۱۵)

وَإِذَا قِيلَ لَهُم تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ
الرُّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَائُنَا
أَوَّلُوكَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا
يَهْتَدُونَ. (پارہ ۵ سورہ آیت ۱۰۴)

وَإِذَا قِيلَ لَهُم اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَنبَغُ
مَا آتَيْنَا عَلَيْهِ آبَائُنَا. (پارہ ۵ سورہ آیت ۱۰۴)

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ داداؤں کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ
ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز۔ یہی شرعی تقلید اور ائمہ دین کی اطاعت اس سے ان آیات کو
کوئی تعلق نہیں ان آیتوں سے تقلید رائے کو شرک یا حرام کہنا محض بدعتی ہے۔ اُس کا بہت خیال رہے۔

موسرہ باب

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں۔ (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحتہ قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں
اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو۔ (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آن خر سورہ ہود زیر آیت نَصِيْبُهُمْ غَيْرَ مَنْقُوضٍ میں ہیں۔ وَفِي الْآيَةِ ذَمُّ
التَّقْلِيدِ وَهُوَ قَبُولُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا ذَلِيلٍ وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْفُرُوعِ وَالْعَمَلِيَّاتِ وَلَا يَجُوزُ فِي أُصُولِ
الدِّينِ وَالْإِعْتِقَادِيَّاتِ بَلْ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ. اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ
نہ کہا جاوے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے فرمانے سے یا کہ فقہ اکبر سے بلکہ دلائل توحید و رسالت سے۔ کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ
شامی بحث تقلید المفضل مع الأفضل میں ہے۔

(عَنْ مُعْتَقِدِنَا) أَيْ عَمَّ نَعْتَقِدُهُ مِنْ غَيْرِ
الْمَسَائِلِ الْفُرْعَانِيَّةِ مِمَّا يَجِبُ إِعْتِقَادُهُ عَلَى كُلِّ
مُكَلِّفٍ بِلَا تَقْلِيدٍ لِأَحَدٍ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ أَهْلُ
السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمْ الْأَشَاعِرَةُ وَالْمَا تُرِيدُهُ

یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں شرعی مسائل کے علاوہ کہ جن کا اعتقاد
رکھنا ہر مکلف پر بغیر کسی کی تقلید کے واجب ہے وہ عقائد وہ ہی ہیں
جن پر اہلسنت و جماعت ہیں اور اہلسنت اشاعرہ اور تریبہ یہ ہیں۔

نیز تفسیر کبیر پارہ ۵ زیر آیت فاجرو حتیٰ یسمع کلام اللہ میں ہے۔ هَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ التَّقْلِيدَ غَيْرُ كَافٍ فِي الدِّينِ
وَأَنَّهُ لَا بَدَلَ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ. صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں نماز کی رکعتیں تمہیں روزے روزے
میں کھانا پینا حرام ہونا یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحتہ ہے اس لئے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں یا روزے ایک ماہ کے
اس لئے ہیں کہ فقہ اکبر میں لکھا ہے یا امام ابوحنیفہ ؒ نے فرمایا ہے بلکہ اس لئے قرآن وحدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔

جو مسائل قرآن وحدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔ مسائل کی جو ہم نے
تقسیم کر دی اور بتا دی کہ کون سے مسائل تقلید یہ ہیں اور کون سے نہیں اس کا بہت لحاظ رہے بعض موقعہ پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق
نہیں ہوتا کہ دلائل سے مسائل کو نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب بھی اس امر میں
آ گیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے احکام خبر وغیرہ میں تقلید نہ ہوگی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر بید وغیرہ۔ نیز
قیاسی مسائل میں فقہاء کا قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کیلئے ہوتا ہے۔ وہ مسائل پہلے ہی سے قول امام سے

مانے ہوئے ہوتے ہیں تو بالآخر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ دلائل سے مسائل حل نہ کرے۔

تیسرا باب

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مكلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علم لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف دو بلاغت وغیرہ میں آگہ پوری مہارت حاصل ہو احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ فہم و روحش فہم ہو دیکھو تفسیرات احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہوا وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں۔

(۱) مجتہد فی الشرع

(۲) مجتہد فی المذہب

(۳) مجتہد فی المسائل

(۴) اصحاب التخریج

(۵) اصحاب الترجیح

(۶) اصحاب التزیید (مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)

(۱) مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین
(۲) مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ اجمعین۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن کے متعلق ائمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام طحاوی اور قاضی خان، شمس الانار، سرخسی وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریف وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے ہاں ائمہ میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔
(۵) اصحاب ترجیح وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں سے کس کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہذا اولیٰ یا ہذا اصح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

(۶) اصحاب تیزرہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات ناوہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقویٰ میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں۔ وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتا دیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے۔ تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب ہیں جس درجہ کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں۔ اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سول بھی اٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف و محمد علیہما الرحمۃ حنفی ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ مخالف کیوں کرتے ہیں۔ تو یہی کہا جاوے گا کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں اس میں خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب آگیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دینا ہوا جو قول ملا اس پر فتویٰ دیا گیا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ پسلی یا محمدی یا ابن مبارک! کیونکہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے

اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہذا ان میں سے کبھی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی الذمہ اس حدیث صحیح پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا۔ بلکہ حنفی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شاہی مطلب صَحَّحُ مِنَ الْإِمَامِ إِذَا صَحَّحَ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي۔ امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب ہی یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح و ترجیح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصری تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت مشکوک ان شاء اللہ عزوجل حل کر دے گی اور بہت کام آوے گی بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے۔ لہذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ اس کے لئے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لئے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی، امام غزالی وغیرہ امام ترمذی و امام ابو داؤد وغیرہ حضورِ نبوتِ پاک۔ حضرت بایزید بسطامی، شاہ بہاء الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ کرام تھے کہ ان پر اہل اسلام جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے۔ خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں۔ یا امام ابو حنیفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہد بننے کیلئے کافی نہ ہو۔ تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا میں نے ان سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ ہکاثر سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت مجاز صریح و کنایہ ظاہر و نص کتنے ہیں۔ ان بچارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

چوتھا باب

تقلید واجب ہونے کے دلائل

اس باب میں ہم دو فصلیں لکھتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقلید کے دلائل ہیں۔ دوسری تقلید فیض کے دلائل۔

فصل اول:

تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور عمل امت اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

اٰهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (پارہ سورۃ آتہ ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور تمام مفسرین محدثین فقہاء اولیاء اللہ و ثقات قطب و ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے۔ لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدث و مفسر و ولی غیر مقلد نہ گزرا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔ پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو ملک تقلید نہ کرے۔ وہ غیر مقلد نہیں کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (سورہ بقرہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے استنباط کرنا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے۔ جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا استنباط کرانا کیونکر ضروری ہوگا۔

اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولٰٓئِھِ الْاَمْرُ

سے ہوں۔

منکم۔ (پارہ سورۃ آتہ ۵۹)

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن) رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (حدیث) امر والوں کی (فقہ و استنباط کے علماء) مگر کلہ اطیعوا و جبکہ لایا گیا۔ اللہ کے لئے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لئے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فعل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روڑی دیتا ہے کبھی ان کو ظاہری فتح دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں۔ مگر ان کو فوراً

عذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں بخلاف نبی علیہ السلام و امام مجتہد کے کہ ان کا ہر حکم ان کا ہر کام اور ان کا کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہوتا۔ تینوں چیزوں میں ان کی پیروی کی جاوے گی۔ اس فرق کی وجہ سے دو جگہ اطمینان بولا اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاوے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں فقہ کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم۔ عالم مجتہد لہذا نتیجہ ہی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوئے اگر بادشاہ اسلامی بھی مرادلو۔ جب بھی تقلید تو جاہلیت ہوئی گئی۔ عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی۔

یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ صراحۃً قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے ان کے لئے حکم ہوا اطمینان اللہ دوسرے وہ جو صراحۃً حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لئے فرمایا گیا و اطمینان الرسول تیسرے وہ جو نہ تو صراحۃً قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ جاول میں سود کی حرمت قطعی ہے۔ اس کے لئے فرمایا گیا و اولی الامر منکم تین طرح کے احکام اور تین علم۔

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔
تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو۔ وہ اہل علم سے دریافت کرے۔ وہ اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مجتہدین سے دریافت کئے جائیں۔ بعض لوگ جتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جانتا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَهُ۔
اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ عز و جل کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا
وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔
(پارہ ۱۹ سورہ ۲۵ آیت ۷۴)

اس آیت کی تفسیر میں معالم المتزیل میں ہے۔

فَنَقْتَدِي بِالْمُتَّقِينَ وَبِقَتْدِي بَنَّا الْمُتَّقُونَ۔
ہم پر ہیگز گاروں کی پیروی کریں اور پر ہیگز گار ہماری پیروی کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمامِهِمْ۔ (پارہ ۱۵ سورہ ۱۰۲ آیت ۷۱)

اس کی تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

أَوْ مُقَدِّمٍ فِي الدِّينِ قِيَمًا يُخَفِّضُ يَا شَافِعِي۔
یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاوے گا کہ اے خفی اے شافعی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جاوے گا۔ یوں کہا جاوے گا کہ: اے خفیو اے شافعیو اے مالکیو چلو اتو جس نے امام ہی نہ پکڑا اس کو کس کے ساتھ بلایا جائے گا۔ اس کے بارے میں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی امام نہیں اس کا امام شیطان ہے۔

وَإِذَا قِيلَ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ
كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ۔
ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لائے۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہی معتبر ہے جو صالحین کا سا ہو۔ تو مذہب بھی وہی ٹھیک ہے۔ جو نیک بندوں کی طرح ہو اور وہ تقلید ہے۔

دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ میں بحوالہ مسلم ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

من اتاكم وامرکم جميع علی رجل واحد
یرید ان یثقی عصاکم ویفرق جماعتکم
فاتقلوه۔

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی ہیں۔ کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع اقدام میں جائز نہیں ہے۔

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا باب وجوب طاعته الامراء فی غیر معصیتہ۔ یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب الطبیع باب الفرائض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے بارے میں فرمایا لا تسئلوا فی مادام هذا الحجر فیکم جب تک کہ یہ علامہ تم میں رہیں۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔

من تولیٰ امر المسلمین شیئاً فاستعمل
علیہم رجلاً ویعلم ان فیہم من هو اولی
بذلک و اعلم منه بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ
فقد خان اللہ ورسولہ وجماعۃ المسلمین۔
مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اول میں ہے۔

من مات ولیس فی عنقبہ بیعةٌ مّت میتة
جاهلیة۔

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤنی زمانہ وہابی کس سلطان کی بیعت میں ہیں۔ یہ تو چند آیات واحادیث تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر قناعت کی گئی۔ اب امت کا عمل دیکھو۔ توجع تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری امت مرحومہ اس ہی تقلید کی عامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیین لہ
الہدٰی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نورہ
ماتولٰی و نصلہ جہنم وساعت مصیراً۔

اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر مکمل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راستہ چلے ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔ اور کیا یہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے اور مقلد ہی ہوئے آج بھی عرب و عجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہو وہ اجماع کا منکر ہوا اگر اجماع کا اعتبار نہ کرو تو خلاف صدیقی و فاروقی کس طرح ثابت کر دو گے تو اجماع لغت سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ اسی طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت وكونوا مع الصادقین ہے کہ ابوبکر صدیق ؓ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مہاجرین کو صادقین کہا اولئک ہم الصّدِیقون پھر فرمایا وكونوا مع الصّدِیقین بچوں کے ساتھ رہو۔ لہذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو ایسے ہی ہیں غیر مقلدوں سے کہتا ہوں کہ بچوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو۔

عقلی دلائل:

دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد۔ سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہا زیادہ مشکل ہے۔ اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف

ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے۔ تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں۔ حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب عورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ نماز کے امام دو نہیں۔ بادشاہ اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب اداب السفر میں ہے۔

جبکہ تم نے آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۔

إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ.

پانچواں باب

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

مسئلہ تقلید پر مخالفین کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک وجاہات طعنہ اور تمسخران کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین دھوکا کھا لیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:

سوال (۱): اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟

جواب: صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ ائمہ دین امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہ وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیروی کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے:

أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بِأَيِّهِمْ أَتَّخِذْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ.

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔ تم لازم پکڑو میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو۔

عَلَيْكُمْ بَسْنَتِي وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ.

یہ سوال تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کہے ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کے امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ اس سے یہی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ کرام تمام کے امام ہیں۔ ان کا کون مسلمان امام ہوتا؟

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریائے دوہو۔ مکہ میں کی آواز پر وہی نماز پڑھے گا جو امام سے دوہو لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صہ اول کے مقتدیوں کو مکہ میں کی ضرورت نہیں صحابہ کرام صہ اول کے مقتدی ہیں۔ وہ بلا واسطہ سینہ پاک مصطفیٰ ﷺ سے فیض لینے والے ہیں۔ ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہذا کسی نہر کے حاجت مند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں۔ جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں کوئی لنگا کہلاتا ہے کوئی جتنا ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ رحمت کے سمندر ہیں۔ اس سینہ میں سے جو نہر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اسے خفی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ نہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام جدا گانہ اور ان نہروں کی ہمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لئے ہے صحابہ کرام کے لئے نہیں۔

سوال (۲): رہبری کے لئے قرآن وحدیث کافی ہیں۔ ان میں کیا نہیں جو کہ فقہ سے حاصل کریں قرآن فرماتا ہے کہ:

وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْبِرٍ.

کرنے والا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب ہے اور قرآن سب کے لئے آسان بھی ہے پھر کس لئے مجتہد کے پاس جاویں؟

جواب: قرآن وحدیث بیشک رہبری کے لئے کافی ہیں۔ اور ان میں سب کچھ ہے۔ مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونی چاہئے۔ سمندر میں موتی ہی۔ مگر ان کو نکالنے کے لئے غوطہ خور کی ضرورت ہے۔ ائمہ دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ جو پڑ کرانا ضروری ہے۔ ائمہ دین طب ہیں وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ میں فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لئے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کے لئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے۔ قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لئے نبی کیوں آئے؟ قرآن میں ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ

اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن وحدیث روحانی دوائیں ہیں امام روحانی طیب۔

سوال (۳):

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت مان کسی کا قول و قرار
دین حق راچار مذہب سا عہد فقہ در دین نبی امدا عہد!

جواب:

یہ شعر اصل میں پکڑالویوں کا ہے:

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان نبی کا قول و قرار
دوسرا شعر بھی اس طرح ہے۔

مسجد دوست علیحدہ سا عہد فقہ در دین نبی امدا عہد
چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے:

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے
سلطے دونوں چار چار لطف عجیب ہے چار میں
چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

ثبات

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کن میں بھی چار بھیجیں۔ اور دین بھی چار ہی بتائے انسان کا خیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو پھر وہاں پہنچنا ناممکن کیونکہ راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے اگر گرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو کعبہ ایمان ہیں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لئے۔ وہابی کس راستے سے وہاں پہنچیں گے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مذہب چار چوں چہار راہ اند بہر مت جو جاہد بینائی
خود یکے بنی از چہار طرف کعبہ راچوں تو سجدہ ہنمائی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت ہے۔ فقہ قرآن وحدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو نہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو فقہ ہی بیان فرماتا ہے۔

آخر میں میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت پیچھے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاسیہ میں کیا جواب ہوگا؟ اس لئے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو۔ اللہ عزوجل توفیق دے۔

بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بمنہ و کرمہ

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل

غیب کی تعریف اور اس کی اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے۔ جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بدلتہ عقل میں آسکے لہذا پنجاب والے کے لئے یہی نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ یہی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لئے اس وقت غیب نہیں ہیں۔ کیونکہ نہ انکو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے۔ یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں پہلے غیب کی مثال جیسے جنت دوزخ اور خدائے پاک کی ذات و صفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مرے گا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بد بخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتیح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم فرمایا **فَلَا يَظْهَرُ عَلَيْهِ غَيْبٌ أَحَدًا إِلَّا مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ** تفسیر بیضاوی **يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُ بِهِ الْخَفِيُّ الَّذِي لَا يَدْرِكُهُ الْحَسَنُ وَلَا تَقْتَصِيهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ

”غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پا سکیں اور نہ بدلتہ اس کو عقل چاہے۔“

تفسیر کبیر سورہ بقرہ کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُ جَمْهُورِ الْمُفَسِّرِينَ أَنَّ الْغَيْبَ هُوَ الَّذِي يَكُونُ غَائِبًا عَنِ الْحَاسَّةِ ثُمَّ هَذَا يَنْقَسِمُ إِلَى مَا عَلَيْهِ

ذَلِيلٌ “وَالِإِلَى مَا لَا ذَلِيلَ عَلَيْهِ

عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر روح البیان میں شروع سورہ بقرہ **يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** کے ماتحت ہے۔

وَهُوَ مَا غَابَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْعَقْلِ غَيْبَةً كَامِلَةً بَحِيثٌ لَا يَدْرِكُ بِوَاحِدٍ مِنْهَا ابْتِدَاءَ بِطَرِيقِ الْبَدَاهَةِ وَهُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا ذَلِيلَ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي أُرِيدَ بِقَوْلِهِ عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ وَقِسْمٌ نَصَبَ عَلَيْهِ ذَلِيلٌ

كَالصَّانِعِ وَصِفَاتِهِ وَهُوَ الْمُرَادُ

”غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداء کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہی اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور انکی صفات وہی اس جگہ مراد ہے۔“

فائدہ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ بوناک سے سوتھکی جاتی ہے اور لذت زبان سے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے۔ تو رنگت زبان و کان کے لئے غیب ہے اور بوا آنکھ کے لئے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ ہو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اضافی ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں کو یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَمَا مِنْهَا شُهُورًا وَذُحُورًا تَمُرُّ وَتَنْقَضِي إِلَّا آتَالِي

”کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر جازت لے کر گزرتا ہے۔“

اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب۔

جیسے حضور علیہ السلام نے آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمایا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہاوند میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہنچا دی۔ اسی طرح کوئی بغض میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو مثل کف دست کے دیکھے یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بذر بعید آلات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں۔ مثلاً کسی آل ذریرہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ کا معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آوازیں لیتے ہیں۔ اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ غیب کی تعریف میں عرض کر دیا گیا کہ جو خواص معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلی۔ وہ آواز خواص سے معلوم ہونے کے قابل ہے آگہ ہے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا۔ یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا۔ جبکہ آگہ نے اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آلہ چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کر دے۔ پھر ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس کو معلوم کر لیں تو علم غیب نہیں۔

دوسرے فصل ضروری فوائد کے بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے چند باتیں خوب خیال رکھی جاویں تو بہت فائدہ ہوگا اور بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے۔

۱۔ نفس علم کسی چیز کا بھی ہو برا نہیں۔ ہاں بری باتوں کا کرنا کرنے کے لئے سیکھنا برا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں۔ جیسے علم عقائد۔ علم شریعت۔ علم تصوف دوسرے علموں سے افضل ہیں مگر کوئی علم فی نفسہ برا نہیں جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب رکھتی ہیں **قُلْ هُوَ اللَّهُ** میں تہائی قرآن کا ثواب ہے مگر **تَبَّتْ يَدَاكَ** میں یہ ثواب نہیں (دیکھو روح البیان زیر آیت) **وَلَوْ كَانُ مِنَ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا** لیکن کوئی آیت بری نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی علم برا ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ خدا ہر برائی سے پاک ہے نیز فرشتوں کو خدا کی ذات و صفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بری چیزوں کا علم دیا۔ اور وہی علم ان کی انصافیت کا ثبوت ہوا۔ اس علم کی وجہ سے وہ ملائکہ کے استاد قرار پائے اگر بری چیزوں کا علم برا ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام کو علم دے کر استاد نہ بنایا جاتا۔ نیز دنیا میں سب سے بدتر چیز ہے کفر و شرک۔ مگر فقہا فرماتے ہیں کہ علم حدیث بغض اور الفاظ کفریہ شرک کا جاننا فرض ہے تاکہ اس سے بچے۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لئے شامی کے مقدمہ میں ہے۔

وَعِلْمُ الرِّيَاءِ وَعِلْمُ الْحَسَدِ وَالْعُجْبِ وَعِلْمُ الْاَلْفَافِ الْمُحَرَّمَةِ وَالْمُكَفَّرَةِ وَتَعْمَرِي هَذَا مِنْ اَهَمِّ الْمَهَمَّاتِ (ملخصاً)

”یعنی علم ریا اور حسد و حرام اور کفریہ کلموں کا سیکھنا فرض ہے اور واللہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔“

اسی مقدمہ شامی بحث علم نجوم و رمل میں فرماتے ہیں۔ **وَفِي ذَخِيرَةِ النُّظَرِ تَعَلَّمُهُ فَرَضٌ لِرَدِّ سَاحِرِ اَهْلِ الْحَرْبِ** ”ذخیرہ ناظرہ میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا فرض ہے اہل حرب کے جادو کو دفع کرنے کے لئے۔“

احیاء العلوم جلد اول باب اول فصل سوم برے علوم کے بیان میں ہے علم کی برائی خود علم ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ بندوں کے حق میں تین وجہوں سے ہے اول۔ اس بیان سے بخوبی واضح ہوا کہ نفس علم کسی شے کا برا نہیں۔ اب منکرین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور علیہ السلام کو بری چیزوں، چوری، زنا، جادو، اشعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لئے انہوں نے شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ مانا تو ایسا ہوا، جیسے بخوبی کہتے ہیں کہ خدائے پاک بری چیزوں کا خالق نہیں ہے کیونکہ بری چیزوں کا پیدا کرنا بھی برا ہے۔ نعوذ باللہ۔ اگر علم جادو برا ہے تو اس کی تعلیم کے لئے رب کی طرف سے دفرشتے ہاروت و ماروت کیوں زمین پر اتارے؟ موسیٰ علیہ السلام کے جادو گروں نے جادو کے علم کے ذریعہ سے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پہچانی اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

۲۔ سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں مانتا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم ملا وہ حضور علیہ السلام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے لے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا جاننے والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لئے ہم حضرت آدم و حضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

۳۔ قرآن اور لوح محفوظ میں سارے واقعات کل ماکان و مایکون میں ہیں اور اس پر ملائکہ اور انبیاء کی نظر ہیں اور ہر وقت وہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں۔ اس لئے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر و فرشتہ

کے علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔

یہ تمام بحثیں علم مصطفیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی۔

تیسری فصل

علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علاوہ علیحدہ علیحدہ احکام ہیں (از خالص الاعتقاد صفحہ ۵)

۱۔ اللہ عز وجل عالم بالذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

۲۔ حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیب کا علم دیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام اور ملک الموت و شیطان بھی خلقت ہیں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

(۱) **قسم دوم** اولیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیاء کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی پانچ نیچوں میں سے بہت جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ مگر وہ اور بد مذہب ہے کہ صداہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

(۱) **قسم سوم** حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی۔

۲۔ تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے تقابہات کا علم دیا گیا۔

چوتھی فصل جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (از خالص الغیب صفحہ ۲)

۱۔ وہ آیت قطعی الدلائل ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔

۲۔ اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کہ ہم نے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرمادیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

۳۔ صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمات سمجھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔

۴۔ جس کے لئے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو ورنہ کل صفات الہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوے نہیں کرتے یہ چار فصلیں خوب خیال میں رکھی جائیں۔

پہلا باب

علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت تیسری میں احادیث کے شارحین کے۔ چوتھی میں علمائے امت اور فقہاء کے اقوال۔ پانچویں میں خود منکرین کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اولیاء اللہ کے علم غیب کا بیان۔ پہلی فصل آیات قرآنیہ میں۔

(۱) **وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ** (بارہ ۱ سورہ ۲ آیت ۳۱)

”اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔“

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَعْنَى تَعْلِيمِهِ أَسْمَاءَ الْمُسَمَّيَاتِ أَنَّهُ تَعَالَى أَرَادَهُ الْأَجْنَاسَ الْبَنِي خَلَقَهَا وَعَلَّمَهُ أَنَّ هَذَا إِسْمُهُ فَرَسٌ

وَهَذَا إِسْمُهُ بَعِيرٌ وَهَذَا إِسْمُهُ كَلْبٌ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَّمَهُ إِسْمَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الْقِصْعَةِ الْغُرْفَةِ

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کو وہ تمام شےیں دکھادیں جس کو پیدا کیا ہے اور ان کو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام قلاں ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے۔ یہاں تک کہ بیانی اور چلو کے بھی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت میں یہی مضمون بیان فرمایا اتنا اور بھی زیادہ فرمایا۔

وَقِيلَ عَلَّمْ آدَمَ أَسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ وَقِيلَ أَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ وَقِيلَ عَلَّمَهُ اللُّغَاتِ كُلَّهَا

”کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھا دیئے اور کہا گیا کہ ان کی اولاد کے نام اور کہا گیا کہ ان کو تمام زبانیں سکھادیں۔“
تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ أَى عَلَّمَهُ صِفَاتِ الْأَشْيَاءِ وَنَعْوَتَهَا وَهُوَ الْمَشْهُورُ أَنَّ الْمُرَادَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ خَلْقٍ مِنْ
أَجْنَاسِ الْمُحَدَّثَاتِ مِنْ جَمِيعِ اللُّغَاتِ الْمُخْتَلِفَةِ الَّتِي يَتَكَلَّمُ بِهَا وَلَدَ آدَمَ الْيَوْمَ مِنَ الْعَرَبِيَّةِ
وَالْفَارِسِيَّةِ وَالزُّرْمِيَّةِ وَغَيْرِهَا

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیئے اور یہ ہی مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام
ہیں جو مختلف زبانوں میں ہونگے۔ جنکو اولاد آدم آج تک بول رہی ہے عربی۔ فارسی۔ رومی وغیرہ۔
تفسیر ابوالسعود میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِيلَ أَسْمَاءَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَقِيلَ أَسْمَاءَ خَلْقِهِ مِنَ الْمَعْقُولَاتِ وَالْمَحْسُوسَاتِ وَالْمُتَخَيَّلَاتِ وَالْمَوْهُومَاتِ وَالْهَمَمَ مَعْرِفَةَ ذَوَاتِ الْأَشْيَاءِ وَأَسْمَاءَ هَا وَخَوَاصِهَا وَمَعَارِفِهَا أَصُولَ
الْعِلْمِ وَقَوَائِنَ الصَّنَاعَاتِ وَتَفَاصِيلَ الْأَنْهَا وَكَيْفِيَّةَ اسْتِعْمَالِهَا

”کہا گیا کہ حضرت آدم کو گزشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتا دیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتا دیئے عقلی، حسی، خیالی، وہی چیزیں
بتادیں ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے ان کی پہچان، علم کے قواعد، ہنروں کے قانون، ان کے اوزاروں کی تفصیل اور ان کے استعمال
کے طریقے کا علم حضرت آدم کو الہام فرمایا۔“
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَعَلَّمَهُ أَحْوَالَهَا وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنَ الْمَنَافِعِ الدِّيْنِيَّةِ وَالْدُّنْيَوِيَّةِ وَعَلَّمَهُ أَسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ وَأَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ
وَأَسْمَاءَ الْحَيَوَانَاتِ وَالْحَمَازَاتِ وَصَنَعَةَ كُلِّ شَيْءٍ وَأَسْمَاءَ الْمُدُنِ وَالْقُرَى وَأَسْمَاءَ الطَّيْرِ
وَالشَّجَرِ وَمَا يَكُونُ وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ يَخْلُقُهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَأَسْمَاءَ الْمَطْعُونِ وَمَاتِ
الْمَشْرُوبَاتِ وَكُلِّ نَعِيمٍ فِي الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ وَفِي الْخَبَرِ عَلَّمَهُ سَبْعَ مِائَةِ أَلْفِ لُغَاتٍ

”اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھاتے اور جو کچھ ان میں دینی و دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے اور انکو فرشتوں کے نام انکی اولاد اور حیوانات اور جمادات
کے نام بتائے اور ہر چیز کا بتانا تمام شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہوگا ان کے نام اور جو قیامت تک
پیدا فرمایا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام بہت کی ہر نعمت غرضیکہ ہر چیز کے نام بتا دیئے حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کو سات لاکھ
زبانیں سکھائی گئیں۔“

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا کہ ان اور مایکون کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے زبانیں چیزوں کے نفع و ضرر بنانے کے
طریقے۔ آلات کا استعمال سب سکھادئے۔ لیکن اب میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے
دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہیں۔ شیخ ابن عربی فوہات مکید باب دہم میں فرماتے ہیں۔

أَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلِيفَتُهُ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم علیہ السلام ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ
السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی محمد پر اناس میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم
بیان کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔ نیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں ہے۔

إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ غُرِضَتْ عَلَيْهِ الْخَلَائِقُ مِنْ لَدُنْ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ فَعَرَفَهُمْ كُلَّهُمْ كَمَا عَلَّمْ آدَمَ
الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

”حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت آدم تا روز قیامت پیش کی گئیں پس ان سب کو پہچان لیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام

”سکھائے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔

۲) وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۴۳) ”اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔“
تفسیر عزیزؔی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بر دین ہر متمدن بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بدان از ترقی محبوب ماندہ است کدام است پس اوسے شناسد گناہان شمارا در درجات ایمان شمارا دا اعمال بد و نیک شمارا و اخلاق و نفاق شمارا لہذا اشہادت او در دنیا محکم شرع در حق امت مقبول واجب العمل است۔

”حضور علیہ السلام اپنے بنور نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں لہذا ان کی گواہی دنیا میں محکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔“
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

هَذَا مَبْنًى عَلَى تَصْنِيمِ الشَّهِيدِ مَعْنَى الرَّقِيبِ وَالْمُطَّلِعِ وَالْوَجْهَ فِي إِعْتِبَارِ تَصْنِيمِ الشَّهِيدِ أَلَا شَارَةً إِلَى أَنَّ التَّعْدِيلَ وَالتَّدْكِكَةَ إِنَّمَا يَكُونُ عَنْ خُبْرَةٍ وَمُرَاقَبَةٍ بِحَالِ الشَّاهِدِ. وَمَعْنَى شَهَادَةِ الرَّسُولِ عَلَيْهِمْ إِطْلَاعُهُ رُبَّةَ كُلِّ مُتَدِينٍ بِدِينِهِ فَهُوَ يَعْرِفُ دُنُو بِهِمْ وَحَقِيقَةَ إِيْمَانِهِمْ وَأَعْمَالِهِمْ وَحَسَنَاتِهِمْ وَسَيِّئَاتِهِمْ وَإِخْلَاصِهِمْ وَنِفَاقِهِمْ وَغَيْرَ ذَلِكَ بِنُورِ الْحَقِّ وَأُمْنَهُ يَعْرِفُونَ ذَلِكَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ بِنُورِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبردار کے معنی بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہو سکتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو ان کے ایمان کی حقیقت کو ان کے اچھے برے اعمال کو ان کے اخلاص اور نفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی امت بھی قیامت میں ساری امتوں کے یہ حالات جاننے کی مگر حضور علیہ السلام کے نور سے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ثُمَّ يُؤْنِي بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَسْتَأْلهُ عَنْ أُمِّيهِ فَيُرِّيهِمْ وَيَشْهَدُ بِصِدْقِهِمْ

”پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلا یا جاویگا پس رب تعالیٰ حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حالات پوچھے تو آپ انکی صفائی کی گواہی دیں گے اور انکی سچائی کی گواہی دیں گے۔“

تفسیر مدارک پارہ ۲ سورہ بقرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَيُؤْنِي بِمُحَمَّدٍ فَيَسْتَأْلهُ عَنْ حَالِ أُمِّيهِ فَيُرِّيهِمْ وَيَشْهَدُ بِعَدْلِ أَلْتَّهِمْ وَيُزَكِّيهِمْ وَيَعْلَمُ بَعْدَ التَّكْمِيمِ

”پھر حضور علیہ السلام کو بلا یا جاویگا اور آپکی امت کے حال پوچھے جائیں گے پس آپ اپنی امت کی صفائی بیان کریں گے اور ان کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے لہذا حضور علیہ السلام تمہاری عدالت کو جانتے ہیں۔“

اس آیت اور ان تفاسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے انبیائے کرام کی امتیں بارگاہ الہی میں عرض کریں گی کہ ہمارے پاس حیران کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ ان امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدا یا ہم ان میں گئے، تیرے احکام پہنچائے عمران لوگوں نے قبول نہ کئے۔ رب تعالیٰ کا انبیاء کو حکم ہوگا کہ چونکہ تم مدعی ہوا پنا کوئی گواہ لاؤ۔ وہ اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش فرمائیں گے مسلمان گواہی دیں گے کہ خدا یا تیرے پیغمبر سچے ہیں، انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں۔ اول یہ کہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (فاسق و فاجر اور کافر کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ مسلمان پر بیہ گاری گواہی قبول ہوتی ہے) دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے پیغمبروں کا زمانہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدا یا ہم سے حیرے محبوب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اس کو سن کر ہم گواہی دے رہے ہیں تب حضور علیہ السلام کو بلا یا جاویگا اور

حضور علیہ السلام دو باتوں کی گواہی دیں گے ایک یہ کہ لوگ فاسق یا کافر نہیں تاکہ ان کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پرہیزگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان سے کہا تھا کہ پہلے نبیوں نے اپنی قوم تک احکام الہیہ پہنچائے تب ان پیغمبروں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان اعمال روزہ نماز ونہیت سے بالکل خبردار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کی گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا بھی کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمایا کہ خدایا ان کی اولاد بھی اگر ہوئی تو کافر ہوگی **وَلَا يَلِدُ وَالْأَفَا جِرًا كُفْرًا** لہذا تو ان کو غرق کر دے حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا تو سید الانبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گزشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے حالات حضور علیہ السلام نے بنور نبوت دیکھے تھے اور آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوئی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے سنی گواہی کی ایجاد دیکھی گواہی پر ہوتی ہے تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ سچے نبی ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرمادیں اور گواہیاں وغیرہ پس تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہ ہی ہوتا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان من آیات القرآن میں دیکھا اس گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے۔

(۳) وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (پارہ ۵ سورہ النساء آیت ۴۱)

”اور اے محبوب تم کو ان سب پر گنہگار بنا کر ہم لادینگے۔“

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَا رُوحَ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَهِدَ عَلَىٰ جَمِيعِ الْأَرْوَاحِ وَالْقُلُوبِ وَالنُّفُوسِ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي
”اس لئے حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کے دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے۔“

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمَ أَنَّهُ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَعْمَالُ أُمَّتِهِ عُدُوَّةً وَعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ أَعْمَالُهُمْ فَلِلذَلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ
”حضور علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں لہذا آپ امت کو ان کی علامات سے جانتے ہیں اور انکے اعمال کو بھی اس لئے آپ ان پر گواہی دیجئے۔“

أَيُّ شَهِيدًا عَلَىٰ مَنْ آمَنَ بِالْإِيمَانِ وَعَلَىٰ مَنْ كَفَرَ بِالْكَفْرِ وَعَلَىٰ مَنْ نَافَقَ بِالنِّفَاقِ

”حضور علیہ السلام گواہ ہیں مومنوں پر انکے ایمان کے کافروں پر ان کے کفر کے منافقوں پر ان کے نفاق کے۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام از اول تا روز قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان و نفاق و اعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لئے آپ سب کے گواہ ہیں یہی تو علم غیب ہے۔

(۴) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ

وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اسکے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ أَوْثَانِ الْأَمْرِ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ
”حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے اول معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔“

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنَ الْأُمُورِ الْأَوَّلِيَّاتِ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ وَفَزَعَ الْخَلْقِ وَغَضَبَ الرَّبِّ

”حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنے پہلے کے واقعات اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی میں **مَنْ ذَا الَّذِي** سے لیکر **إِلَّا بِمَا شَاءَ** تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان

ہوئے۔ باقی اول و آخر میں صفات الہیہ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں اور شفیع کے لئے ضروری ہے کہ گنہگاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہوتا کہ نااہل کی شفاعت نہ ہو جاوے اور مستحق شفاعت سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لا علاج مریضوں کو جانے تو فرمایا گیا **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ** کہ جس کو ہم نے شفیع بنایا ہے۔ اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیوں کہ شفاعت کبریٰ کے لئے علم غیب لازمی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ بچائیں گے۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرا کیا انجام ہوگا محض غلط اور بے دینی ہے جیسا کہ آئندہ آتا ہے **وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ** اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ الْهَاءُ كِنَايَةً عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْنِي هُوَ شَهِدٌ عَلَىٰ أَحْوَالِهِمْ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ سِرِّهِمْ وَفَعْمَلَانِهِمْ وَقَصَصِهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَأَحْوَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا مِنْ مَعْلُومَاتِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ مِنْ مَعْلُومَاتِهِ عِلْمُ الْأَوْلِيَاءِ مِنْ عِلْمِ الْأَنْبِيَاءِ بِمَنْزِلَةِ قَطْرَةٍ مِنْ سَبْعَةِ أَبْحَرٍ وَعِلْمُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ عِلْمِ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهِذِهِ الْمَنْزِلَةِ فَكُلُّ رَسُولٍ وَنَبِيٍّ وَوَلِيٍّ إِخْذُونَ بِقَدْرِ الْقَابِلِيَّةِ وَالِاسْتِعْدَادِ مِمَّا لَدَيْهِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُعْذُوهُ أَوْ يَتَقَدَّمَ عَلَيْهِ

احتمال یہ بھی ہے اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہوں یعنی حضور علیہ السلام لوگوں کے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں انکے اخلاق انکے معاملات اور انکے قصے وغیرہ اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں آخرت کے احوال جنتی و دوزخی لوگوں کے حالات اور وہ لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور چاہیں اولیاء اللہ کا علم علم انبیاء کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب العالمین کے سامنے اسی درجہ کا۔ پس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي أَنْ يُطْلِعَهُمْ عَلَيْهِ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَ الرَّسُلُ وَ لِيَكُونَ مَا يُطْلِعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمِ غَيْبِهِ دَلِيلًا عَلَىٰ نُبُوَّتِهِمْ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا لَّأَنْ أَرْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ

”یعنی خدا تعالیٰ انکو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء و رسول ہیں تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہوتا انکی نبوت کی دلیل ہو جیسے رب نے فرمایا ہے کہ پس میں ظاہر فرماتا اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس کے رسول جس سے رب راضی ہے۔“

تفسیر معالم القبول میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي لَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ إِلَّا بِمَا شَاءَ مِمَّا أَخْبَرَهُ الرَّسُلُ

”یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر کہ خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔“

اس آیت اور ان تفسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مراد ہے خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے ذریعہ سے بعض مومنین کو دیا۔ لہذا ان کو بھی یہ عطائے الہی علم غیب حاصل ہوا۔ کتنا دیا اس کا ذکر آئندہ آوے گا۔

یہ مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پاسکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرمادیں۔ لہذا از حضرت آدم تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ملا۔ وہ حضور علیہ السلام کے علم دیا کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم **عَلَّمَ آدَمَ** کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

(۵) وَمَا كَانَ اللَّهُ يُطْلِعُكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ (پارہ ۳ سورہ آیت ۱۷)

”اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اسے عام لوگوں کو غیب کا علم دے ہاں اللہ جن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔“

تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُتَوَيَّ أَحَدَكُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيُطْلِعَ عَلَى مَا فِي الْقُلُوبِ مِنْ كُفْرٍ وَ إِيْمَانٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي لِرُسُلَاتِهِ مَنْ يَشَاءُ فَيُؤَيِّي اللَّهَ وَيَخْبِرُهُ بِبَعْضِ الْمَغْيِبَاتِ أَوْ يُنْصِبُ لَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ.

”خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کیلئے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس انکی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیب کی ان کو خبر دیتا ہے یا ان کیلئے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔“

تفسیر خازن میں ہے۔

لَكِنَّ اللَّهَ يَصْطَفِي وَيَخْتَارُ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى بَعْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ

”لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس انکو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر۔“

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَأَمَّا مَعْرِفَةُ ذَلِكَ عَلَى سَبِيلِ الْإِعْلَامِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْأَنْبِيَاءِ (جمل) الْمَعْنَى لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي أَنْ يَصْطَفِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى الْغَيْبِ (جلالین) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِقَ قَبْلَ التَّمْيِزِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي وَيَخْتَارُ مَنْ يَشَاءُ فَيُطْلِعُ عَلَى غَيْبِهِ كَمَا أَطْلَعَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى حَالِ الْمُنَافِقِينَ

”لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونے کا جان لینا یا انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔ (جمل) معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس ان کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرے گا کہ فرق کرنے سے پہلے منافقوں کو جان لو۔ لیکن اللہ جسکو چاہتا ہے چھانت لیتا ہے تو اسکو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کے حال پر مطلع فرمایا۔“

روح البیان میں ہے۔

فَإِنَّ غَيْبَ الْحَقَائِقِ وَالْأَحْوَالِ لَا يَنْكَشِفُ إِلَّا بِإِسْطَةِ الرَّسُولِ.

”کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر ہوتے بغیر رسول علیہ السلام کے واسطے سے۔“

ان آیت کے بعد اور ان تفسیر سے معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کا خاص علم غیب بغیر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ماکان و مایکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔

٦) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا أَيْ مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْغَيْبِ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَأَطْلَعَكَ عَلَى أَسْرَارِهِمَا وَوَفَّقَكَ عَلَى حَقِّ تَقْوِيهِمَا. يَعْنِي مِنْ أَحْكَامِ الشَّرْعِ وَأُمُورِ الدِّينِ وَقِيلَ عَلَّمَكَ مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَقِيلَ مَعْنَاهُ عَلَّمَكَ مِنْ خَفِيَّاتِ الْأُمُورِ وَأَطْلَعَكَ عَلَى صَنَائِرِ الْقُلُوبِ وَعَلَّمَكَ مِنْ أَحْوَالِ الْمُنَافِقِينَ وَكَيْدِهِمْ مِنْ أُمُورِ الدِّينِ وَالشَّرَائِعِ أَوْ مِنْ خَفِيَّاتِ الْأُمُورِ وَصَنَائِرِ الْقُلُوبِ

”اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (جلالین) یعنی احکام اور علم غیب (تحریر کبیر) اللہ نے آپ پر قرآن اتارا اور حکمت اتاری اور آپ کو ان کے مجیدوں پر مطلع فرمایا اور انکی حقیقتوں پر واقف کیا۔ (خازن) یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور کہا گیا ہے کہ آپ کو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو چھپی چیزیں سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا اور منافقین کے مکر و فریب آپ کو بتادیجے (مدارک) دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتائے۔“

تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں۔

”آں علم ماکان و مایکون ہست کہ حق سبحانہ و در شب اسرا بدان حضرت عطا فرمود۔ چنانچہ در حدیث معراج ہست کہ من در روز پر عرش بودم قطرہ در خلق من ریختند فَقَلِمْتُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ جامع البیان قَبْلَ نُزُولِ ذَلِكَ مِنْ خَفِيَّاتِ الْأُمُورِ یہ ماکان اور مایکون کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ ہمارے خلق میں ڈالا پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لئے یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتادیں جو قرآن کے نزول سے پہلے

آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی۔ کلمہ ماعربی زبان میں عموم کے لئے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا دیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن وحدیث اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

﴿مَا قَرَأْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ الْقُرْآنَ مُشْتَمِلٌ عَلَىٰ جَمِيعِ الْأَحْوَالِ (خازن)﴾

”ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا قرآن کریم تمام حالات پر شامل ہے۔ (خازن)“

تفسیر انوار اشتریل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي اللَّوْحَ الْمَحْفُوظَ فَإِنَّهُ مُشْتَمِلٌ عَلَىٰ مَا يَجْرِي فِي الْعَالَمِ مِنْ جَلِيلٍ وَ ذَفِيفٍ لَمْ يُهْمَلْ فِيهِ أَمْرٌ حَيَوَانٍ وَلَا جِنَادٍ
”کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ یہ لوح محفوظ ان باتوں پر مشتمل ہے جو عالم میں ہوتا ہے ہر ظاہر اور باریک اس میں کسی حیوان اور جماد کا معاملہ چھوڑا نہ گیا۔“

تفسیر عرا س البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

أَيُّ مَا قَرَأْنَا فِي الْكِتَابِ ذِكْرَ أَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ لَكِنْ لَا يَصُرُّ ذِكْرُ فِي الْكِتَابِ إِلَّا الْمُؤَيَّدُونَ بِأَنْوَارِ الْمَعْرِفَةِ
”یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ جنگی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔“

امام شعرانی طبقات کبر نے میں فرماتے ہیں۔ ماخوذ از وخال السنان صفحہ ۵۵

لَوْ فَتَحَ اللَّهُ عَنْ قُلُوبِكُمْ أَفْقَالَ الْمَسَدِ لَا تُلْعَمُ عَلَىٰ مَا فِي الْقُرْآنِ مِنَ الْعُلُومِ وَاسْتَغْنَيْتُمْ عَنِ النَّظَرِ فِي
سِوَاهُ فَإِنَّ فِيهِ جَمِيعَ مَا رَفَعْنَا فِي صَفَحَاتِ الْوُجُودِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ مَا قَرَأْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

”اگر خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو تم ان علوم پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن میں ہیں اور تم قرآن کے سوا دوسرے چیز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔“

کیونکہ قرآن میں تمام وہ چیزیں ہیں جو وجود کے صفوں میں لکھی ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا قَرَأْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

اس آیت اور ان تفاسیروں سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں اب کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا لوح محفوظ۔ اور قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اور لوح محفوظ بھی جیسا کہ آئندہ آوے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا و آخرت کے حالات حضور علیہ السلام کے علم میں ہوئے۔ کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن ولوح محفوظ حضور کے علم میں ہیں۔

﴿وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (بارہ سورہ ۶ آیت ۵۹)

(روح البیان) هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ فَقَدْ صَنَبَ اللَّهُ فِيهِ جَمِيعَ الْمَقْدُورَاتِ الْكَوْنِيَّةِ لِقَوَائِدِ تَرْجِعُ إِلَى

الْعِبَادِ يَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللَّهِ (تفسیر کبیر یہی آیت) وَقَائِدُهُ هَذَا الْكِتَابِ أُمُورًا أَخَذَهَا اللَّهُ تَعَالَىٰ كَتَبَ هَذِهِ الْأَ

حْوَالَ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ لِيَتَقَفَ الْمَلَكُ عَلَىٰ نَفَادِ عِلْمِ اللَّهِ فِي الْمَعْلُومَاتِ فَيَكُونَ ذَلِكَ

عِبْرَةً تَامَةً كَامِلَةً لِلْمَلَكِ الْمُؤَكِّلِينَ بِاللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ لِأَنَّهُمْ يَقَابِلُونَ بِهِ مَا يَحْدُثُ فِي صَحِيفَةِ هَذَا

الْعَالَمِ فَيَجِدُونَهُ مُوَافِقًا لَهُ (تفسیر خازن یہی آیت) وَالثَّانِي أَنَّ الْمُرَادَ بِالْكِتَابِ الْمُبِينِ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ

لَآَنَّ اللَّهَ كَتَبَ فِيهِ عِلْمَ مَا يَكُونُ وَمَا قَدْ كَانَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلِهَذَا إِحْصَاءُ

الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا فِي هَذَا الْكِتَابِ لِيَتَقَفَ الْمَلَكُ عَلَىٰ الْإِنْفَادِ عَلَيْهِ

”وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ساری ہو سکنے والی چیزیں جمع فرمادیں ان فائدوں کی وجہوں سے جو بندوں کی طرف لوٹنے ہیں۔ انکو علمائے ربانی جانتے ہیں اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لئے لکھا تھا۔ تاکہ ملائکہ خبردار ہو جائیں ان معلومات میں علم الہی جاری ہونے پر پس یہ بات ان فرشتوں کے لئے پوری پوری عبرت بن جائے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ فرشتے ان واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرتے ہیں جو عالم میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو لوح محفوظ کے موافق پاتے ہیں دوسری توجہ یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہوگا اور جو کچھ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکا سب کا علم لکھ دیا

اور ان تمام چیزوں کے لئے سے اس کتاب میں فائدہ یہ ہے کہ فرشتے اس علم کے جاری کرنے پر واقف ہو جائیں۔“

تفسیر مدارک یہی آیت **هُوَ عَلَّمَ اللّٰهَ وَاللّٰوِح** ”وہ کتاب یا تو علم الہی ہے یا لوح محفوظ۔“

تفسیر خیر المفسّیاس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كُلُّ ذَلِكَ فِي اللّٰوِحِ الْمَحْفُوظِ مُبَيَّنٌ مِّقْدَارُهَا وَفَتْهَا

”یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں کہ ان کی مقدار اور ان کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر شے کا وراثی و اعلیٰ چیز ہے اور لوح محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ علیہ السلام ان سب کو محیط ہے لہذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں۔

۹ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بَيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۶ آیت ۸۹)

”اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔“

تفسیر حسینی یہی آیت **نَزَّلْنَا فَسَّرْنَا لَكُمْ الْكِتَابَ بِرُتُو** قرآن **بَيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** بیان روشن برائے

ہمہ چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال (تفسیر روح البیان یہی آیت) **يَتَعَلَّقُ بِأُمُورِ الدِّينِ مِنْ ذَالِكَ**

أَحْوَالِ الْأُمَمِ وَأَنْبِيََاءِهِمْ (تفسیر اقان یہی آیت) **قَالَ الْمُجَاهِدُ يَوْمًا مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ إِلَّا هُوَ فِي**

كِتَابِ اللَّهِ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْخَبَرَاتِ فَقَالَ فِي قَوْلِهِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ

مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ

”ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین و دنیا کی ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیل و اجمال۔ اس کے بیان کیلئے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں اور اس میں سے امتوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات ہیں حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ عظام میں کوئی شے ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ سر ایوان کا ذکر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا وہاں سامان ہو۔“

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر اذنی و اعلیٰ چیز ہے اور قرآن رب تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا **الْزَّحْمَنُ عَلَّمَ**

الْقُرْآنَ یہ تمام چیزیں علم مصطفیٰ علیہ السلام میں آئیں۔

۱۰ وَتَفْصِيلِ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ (پارہ ۱۱ سورہ ۱۰ آیت ۳۷)

”اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں۔“

(جلالین یہی آیت) **تَفْصِيلِ الْكِتَابِ ثَبِّينُ مَا كَتَبَ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ الْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا** (جمل یہی آیت) **أَيُ فِي**

اللّٰوِحِ الْمَحْفُوظِ (روح البیان یہی آیت) **أَيُ وَتَفْصِيلُ مَا حَقَّقَ وَأَثَبَ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالشَّرَائِعِ وَفِي**

النَّوَائِلِ النَّجْمِيَةِ أَيْ تَفْصِيلُ الْجُمْلَةِ الَّتِي هِيَ الْمُقْدَرُ الْمَكْتُوبُ فِي الْكِتَابِ الَّذِي لَا يَنْتَرِقُ إِلَيْهِ

الْمُحَوِّ وَالْإثْبَاتِ لِأَنَّهُ أَرْزَلُ أَبَدِي

یہ تفصیلی کتاب ہے اس میں وہ احکام اور ان کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔ یعنی لوح محفوظ میں تفصیل ہے۔ یعنی یہ قرآن ان شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو ثابت کی جا چکی ہیں اور تاویلات جمعہ میں ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آچکی ہیں اور اس کتاب میں لکھی جا چکی ہیں جس میں رد و بدل نہیں ہوتا کیونکہ وہ کتاب ازلی وابدی ہے۔

اس آیت میں سارے تفسیر سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوح

محفوظ کی تفصیل ہے اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ **وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ** اور قرآن حضور علیہ السلام کے

علم میں ہے۔ **الزَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ** لہذا اسرار لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

۱۱ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۱۱۱)

(تفسیر خازن یہی آیت) یَعْنِي فِي هَذَا الْقُرْآنِ الْمُنْزَلِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدٌ تَفْصِيلُ كُلِّ رَحْتَا حَاجٍ إِلَيْهِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْحُدُودِ وَالْأَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ وَالْأَمْثَالِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْعِبَادُ فِي أَمْرِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ تفسیر حسینی میں ہے وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ إِلَّا هُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى "یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہمہ چیز کا محتاج باشد دروین و دنیا۔"

(۱۲) الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (پارہ ۲۷ سورہ ۵۵ آیت ۳ تا ۵)

تفسیر معالم انقریل و حسینی یہی آیت خَلَقَ الْإِنْسَانَ آى مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ "یہ کوئی بناوت کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔ یعنی اس قرآن میں جو آپ پر اتارا گیا۔"

اے محمد ﷺ ہر اس چیز کی تفصیل ہے جسکی آپ کو ضرورت ہو حلال اور حرام سزا سیں اور احکام اور قصے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ ان کے علاوہ اور وہ چیزیں جن کی بندوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔ یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا میں ضرورت ہو۔ (کتاب الاعجاز لابن سراج میں ہے) عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان وما یکان کا بیان اس کو سکھایا۔ اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی جھپٹی باتوں کا بیان سکھادیا۔

تفسیر خازن یہی آیت۔ قِيلَ أَرَأَيْتَ بِالْإِنْسَانِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيٌّ عَنْ خَيْرِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَعَنْ يَوْمِ الدِّينِ

"کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھادیا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں کی قیامت کے دن خبر دے دی گئی۔"

(روح البیان یہی آیت) وَعَلَّمَ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقُرْآنَ وَأَسْرَارَ الْأَلْهُوبِ كَمَا قَالَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

"یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے ہید سکھا دیے جیسا کہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو سکھادیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور علیہ السلام۔"

(معالم انقریل یہی آیت) وَقِيلَ الْإِنْسَانُ هُنَا مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبَيَانُهُ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

"کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے۔"

تفسیر حسینی یہی آیت یا جو محمد راہبا موزانید وے یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو اور سکھایا ان کو جو ہو چکا ہے یا ہوگا۔ ان آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا۔

(۱۳) مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (تفسیر روح البیان یہی آیت) أَيْ لَيْسَ بِمَسْتُورٍ عِلْمًا كَانُ فِي الْأَزَلِ وَمَا سَيَكُونُ إِلَى الْأَبَدِ لِأَنَّ الْجَنُّ هُوَ السَّرْبَلُ أَنْتَ عَالِمٌ بِمَا كَانَ وَخَبِيرٌ بِمَا سَيَكُونُ

"تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔ یعنی آپ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں ہیں جو ازل میں تھیں اور وہ جوابدہک ہوگی۔ کیونکہ جن کے معنی ہیں چھپنا بلکہ آپ اس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور خبردار ہیں اس سے جو ہوگا۔"

اس آیت و تفسیر سے علم غیب کلی ثابت ہوا۔

(۱۴) وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۶۵)

"اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔"

(تفسیر در مشور بطری یہی آیت) عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ قَالَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى 'وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ الْخ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ يُحَدِّثُنَا مُحَمَّدًا أَنَّ لَاقَةَ فَلَانٍ بَوَادِ كَذَا وَكَذَا وَمَا يُدْرِيه بِالْغَيْبِ

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اس آیت کے نزول کے بارے میں وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد ﷺ خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جھگڑ میں ہے ان کو غیب کی کیا خبر۔

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کو علم غیب ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ السلام لوگوں کو اس سے مطلع فرما دیتے ہوں۔

(ماہم انفزل یہی آیت) **عَلَى الْغَيْبِ وَخَبِرَ السَّمَاءَ وَمَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَخْبَارِ وَالْقَصَصِ بِصَنِينَ آيَ بِسَجِيلٍ يَقُولُ إِنَّهُ يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَخْلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ وَيُخَبِّرُكُمْ وَلَا يَكْتُمُهُ كَمَا يَكْتُمُ**

الكَاهِنُ (خازن یہی آیت) **يَقُولُ إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَخْلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ**
حضور علیہ السلام غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور ان خبروں و قصوں پر بخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے پس وہ اس میں تم پر بخیل نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کاتبین چھپاتے ہیں ویسے نہیں چھپاتے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخیل نہیں فرماتے۔ بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔

اس آیت و عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو علم غیب سکھاتے ہیں۔ اور سکھائے گا وہی جو خود جانتا ہے۔

(۱۸) وَعَلَّمْنَهُ مِنَ لَدُنَّا عِلْمًا ”اور ان کو اپنا علم لدنی عطا کیا یعنی حضرت خضر کو۔“

(بیضاوی میں یہی آیت) **أَيِّ مِمَّا يَخْتَصُّ نَبَاهُ لَا يَعْلَمُ إِلَّا بِتَوْ قِفْنَا وَهُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ**

”حضرت خضر کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے۔“

تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے۔

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا كَانَ رَجُلًا يَعْلَمُ عِلْمَ الْغَيْبِ قَدْ عَلِمَ ذَلِكَ

”حضرت خضر نے فرمایا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے وہ خضر علم غیب جانتے تھے کہ انہوں نے جان لیا۔“

(روح البیان یہی آیت) **هُوَ عِلْمُ الْغُيُوبِ وَالْأَخْبَارُ عَنْهَا بِإِذْنِهِ تَعَالَى كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ**

”حضرت خضر کو جو لدنی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے اور اس غیب کے متعلق خبر دینا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھے ہیں۔“

(تفسیر مدارک یہی آیت) **يَعْنِي الْأَخْبَارَ بِالْغُيُوبِ وَقِيلَ الْعِلْمُ اللَّذْنِي مَا حَصَلَ لِلْعَبْدِ بِطَرِيقِ الْإِلَهَامِ**

”یعنی حضرت خضر کو غیب کی خبریں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔“

(تفسیر خازن یہی آیت) **أَيِّ عِلْمِ الْبَاطِنِ الْإِهَامَا** ”یعنی حضرت خضر کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا۔“

اس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الہی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

(۱۹) وَكَذَلِكَ نُرَى إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوثَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (بازہ سورہ ۶ آیت ۷۵)

”اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔“

(تفسیر خازن یہی آیت) **أَقِيمَ عَلَى صَخْرَةٍ وَكُشِفَ لَهُ عَنِ السَّمُوتِ حَتَّى رَأَى الْعَرْشَ وَالْكَرْسِيَّ وَمَا فِي**

السَّمُوتِ وَكُشِفَ لَهُ عَنِ الْأَرْضِ حَتَّى نَظَرَ إِلَى أَسْفَلَ الْأَرْضِ صَنِينَ وَرَأَى مَا فِيهَا مِنَ الْعَجَائِبِ.

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ پر کھڑا کیا گیا اور ان کیلئے آسمان کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کیلئے زمین کھول دی گئی یہاں تک کہ انہوں نے زمین کو بھی چنی زمین اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔“

(تفسیر مدارک یہی آیت) **قَالَ مُجَاهِدٌ فَرِحَتْ لَهُ السَّمُوتُ السَّبْعُ فَنَظَرَ إِلَى مَا فِيهِنَّ حَتَّى انْتَهَى نَظَرُهُ إِلَى**

الْعَرْشِ وَفَرِحَتْ لَهُ الْأَرْضُ السَّبْعُ حَتَّى نَظَرَ إِلَى مَا فِيهِنَّ

”روح البیان یہی آیت“ عجائب و بدائع آسمانوں و زمین با از در وہ عرش تا تحت الارضی بروے منکشف ساختہ۔ مجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچ گئی اور ان کے لئے سات زمینیں کھولی گئیں کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں۔ ابراہیم کو آسمان و زمین کی عجائبات و غرائب دکھائے اور عرش کی

بلندی سے تحت الارضی تک کھول دیا۔

تفسیر ابن جریر ابن حاتم میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

إِنَّهٗ جَلَّ لَهُ الْأَمْرُ سِرُّهُ وَعَلَايَتُهُ فَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ أَعْمَالِ الْخَلَائِقِ.

”حضرت ابراہیم پر مکمل و پوشیدہ تمام چیزیں مکمل گئیں پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپا نہ ہا۔“

(تفسیر کبیر یہی آیت) إِنَّ اللَّهَ شَقَّ لَهُ السَّمَوَاتِ حَتَّى رَأَى الْعَرْشَ وَالْكَرْسِيَّ وَالْإِلٰی حَيْثُ يَنْتَهٰی اِلَيْهِ فَوْقَ قِيَّةِ الْعَالَمِ الْجِسْمَالِی وَرَآی مَا فِی السَّمَوَاتِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَالبَدَائِعِ وَرَآی مَا فِی بطن الارض مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ

”اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کیلئے آسمانوں کو چیر دیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جہاں تک جسمانی علم کی فوقیت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے پیٹ میں ہیں۔“

اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہوا کہ از عرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم عطا ہوئے۔ خیال رہے کہ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آگئی اور لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے۔ لہذا امکان و امکان کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

(۲۰) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا لَا يٰٓاَيُّهَا كَمَا طَعَامَ تَرَوْا قَانِهٖ اَلَا تَنْتَكُمَا بِنَاوِيلِهٖ اس کی تفسیر روح البیان و کبیر و خازن میں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھانے کے گزشتہ و آئندہ کے سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ فلاں کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا کھانے دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔

ذٰلِكُمْ بِمَا عَلَّمْنٰی رَبِّیْ (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت ۳) یہ علم تو میرے علوم کا بعض حصہ ہے۔

اب بتاؤ کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یوسفی تو علم مصطفیٰ کے سمندر کا قطرہ ہے اور یسعی علیہ السلام نے فرمایا۔

وَأَنْتُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَكُلُونَ وَمَا تَدْرُجُونَ فِی بُيُوتِكُمْ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۳۹)

”میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے اور اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔“

دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں حضرت یسعی علیہ السلام موجود نہیں تھے اور اس کی خبر آپ باہر دے رہے ہیں یہ علم غیب۔

(۲۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَسْأَلُوْا عَنْ اَشْيَآءٍ اِنْ تُبْدِلْكُمْ تَسْوِیْكُمْ (پارہ ۷ سورہ ۷ آیت ۱۰۱)

”اے ایمان والو! ایسی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہری جاویں تو تمہیں ناگوار ہوں۔“

بخاری شریف میں سیدنا عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی عن ابن عباس قَالَ كَانَ قَوْمٌ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهْزَاءً فَيَقُولُ الرَّجُلُ مَنْ أَبِي وَيَقُولُ الرَّجُلُ أَيْنَ نَاقَتِي فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِمْ هَذِهِ الْآيَةَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَسْأَلُوْا عَنْ اَشْيَآءٍ

نتیجہ مخالفین سے ان دلائل کے جواب کچھ نہیں بنتے صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ جن آیات میں کُلُّ شَيْءٍ مَّا ذَكَرَ ہوا یا فرمایا مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ان میں مراد شریعت کے احکام ہیں نہ کہ اور چیزیں اس کے لئے چند دلائل لاتے ہیں۔

(۱) کُلُّ شَيْءٍ غیر متناہی (بے انتہا) ہیں اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہوتا منطقی قاعدے سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل سے۔

(۲) بہت سے مفسرین نے بھی کُلُّ شَيْءٍ کے معنی لئے ہیں مِنْ أُمُورِ الدِّينِ یعنی دین کے احکام جیسے جلالین وغیرہ۔

(۳) قرآن پاک میں بہت جگہ کُلُّ شَيْءٍ فرمایا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے وَأُوتِیْتَ مِنْ کُلِّ شَيْءٍ بَلْقِیْسَ کو کُلُّ شَيْءٍ دی گئی۔ حالانکہ بَلْقِیْسَ کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں۔

مگر یہ دلائل نہیں صرف غلط فہمی ہے اور دھوکا۔ ان کے جوابات یہ ہیں۔

عربی زبان میں کلمہ کل اور کلمہ ماعوم کے لئے آتے ہیں۔ اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس میں کوئی قید لگانا محض اپنے قیاس سے جائز نہیں۔ قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث احاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے۔ چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔

(۱) **كُلُّ شَيْءٍ غَيْرَتَاهِي نَحْسٌ**۔ بلکہ تنہا ہی نہیں۔ تفسیر کبیر زیر آیت **وَاحْصِيْ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا** ہے۔

قُلْنَا لَا شَكَّ اِنْ اِحْصَاءَ الْعَدَدِ اِنَّمَا يَكُوْنُ فِي الْمُنْتَاهِي فَاَمَّا لَفْظَةُ كُلِّ شَيْءٍ فَاِنَّهَا لَا تَدُلُّ عَلٰی كَوْنِهِ غَيْرَ مُنْتَاهٍ لَّانَ الشَّيْءَ عِنْدَ مَا هُوَ الْمَوْجُوْدَاتُ وَالْمَوْجُوْدَاتُ مُنْتَاهِيَةٌ فِي الْعَدَدِ اس میں شک نہیں کہ عدد سے

شمار کرنا تنہا ہی چیز میں ہو سکتا ہے لیکن لفظ **كُلُّ شَيْءٍ** اس شئی کے غیر تنہا ہی ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہمارے نزدیک **شَيْءٍ** موجودات ہی ہیں اور موجود چیزیں تنہا ہی میں شمار ہیں۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت **وَاحْصِيْ كُلَّ شَيْءٍ** کے ماتحت فرمایا۔

وَهَذِهِ الْاَيَةُ مِمَّا يُسْتَدَلُّ عَلٰی اَنَّ الْمَعْدُوْمَ لَيْسَ بِشَيْءٍ لِاَنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْئًا لَّكَانَتْ الْاَشْيَاءُ غَيْرَ مُنْتَاهِيَةً وَكَوْنُهُ اَحْصٰی عَدَدَهَا يَقْتَضِيْ كَوْنَهَا مُنْتَاهِيَةً اِحْصَاءَ الْعَدَدِ اِنَّمَا يَكُوْنُ فِي الْمُنْتَاهِي

اس آیت سے اس پر بڑی دلیل پکڑی جاتی ہے کہ معدوم (غیر موجود) شئی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بھی شئی ہوتی تو چیزیں غیر تنہا ہی (بے انتہا) ہو جاتیں۔ اور چیز و کائنات میں آنا چاہتا ہے کہ چیزیں تنہا ہی ہوں کیونکہ عدد سے شمار تنہا ہی ہو سکتی ہے۔

(۲) اگر بہت سے مفسرین نے **كُلُّ شَيْءٍ** سے صرف شریعت کے احکام مراد لئے ہیں تو بہت سے مفسرین نے کلی علم غیب بھی مراد لیا ہے اور جبکہ بعض دلائل لٹی کے ہوں۔ اور بعض ثبوت کے۔ تو ثبوت والوں کو بھی اختیار کیا جاتا ہے۔

نوالہ اور بحث تعارض میں ہے۔ **وَالْمُنْبِثُ اَوَّلِيٍّ مِنَ النَّاسِي** ثابت کرنے والے دلائل لٹی کرنے والے سے زیادہ بہتر ہیں۔ تو جن تفسیروں کے حوالہ ہم پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ ان میں زیادہ کثرت ہے لہذا وہ ہی قابل قبول ہیں۔ نیز **كُلُّ شَيْءٍ** کی تفسیر خود احادیث اور علمائے اہل سنت کے اقوال سے ہم بیان کریں گے کہ کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آ گیا ہو اور ہم مقدمہ کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالحدیث اور تفسیروں سے بہتر ہے لہذا حدیث ہی کی تفسیر مانی جاوے گی۔

نیز مفسرین نے امور دین سے تفسیر کی انہوں نے بھی دوسری چیزوں کی لٹی تو نہ کی۔ لہذا تم لٹی کہاں سے نکالے ہو؟ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کی لٹی کیسے ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **تَقِيْمُحْمُ الْحَوٰثِلِ** یعنی تمہارے پڑے تم کو گری سے بچاتے ہیں۔ تو کیا پڑے سردی سے نہیں بچاتے؟ مگر ایک چیز کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز دین تو سب ہی کو شامل ہے۔ عالم کی کون سے چیز ایسی ہے۔ جس پر دین کے احکام حرام حلال وغیرہ جاری نہیں ہوتے تو ان کا یہ فرمانا کہ دینی علم مکمل کر دیا سب کو شامل ہے۔

(۳) بالقیس وغیرہ قصہ میں جو **كُلُّ شَيْءٍ** آیا ہے۔ وہاں قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں **كُلُّ شَيْءٍ** سے مراد سلطنت کے کار و بار کی چیزیں ہیں۔ اس لئے وہاں گویا مجازی معنی مراد لئے گئے یہاں کو نہ قرینہ ہے جس کی وجہ سے **كُلُّ شَيْءٍ** کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی

معنی مراد لئے جاویں خیال رہے۔ کہ قرآن کریم نے ہد کا قول نقل فرمایا کہ اس نے کہا **اَوْبِيتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ** بالقیس کو ہر چیز دی گئی خود رب نے یہ خبر نہ دی۔ ہد ہد سمجھا کہ بالقیس کو دنیا کی تمام چیزیں مل گئیں۔ مگر مصطفیٰ علیہ السلام کے لئے خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ كُلُّ شَيْءٍ** ہد ہد غلطی کر سکتا ہے رب کا کلام غلط نہیں ہو سکتا اس نے تو یہ بھی کہا **وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ** کیا تخت بالقیس عرش عظیم تھا۔ بلکہ قرآن کی اور آیتیں تو بتا رہی ہیں کہ

كُلُّ شَيْءٍ سے مراد یہاں عالم کی تمام چیزیں ہیں۔ فرماتا ہے۔ **وَلَا رَطْبٌ وَ لَا يَابِسٌ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ** کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ یا قرآن کریم میں نہ ہو پھر آنے والی احادیث اور علماء اور محدثین کے قول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا حضور علیہ السلام کو علم

دیا گیا۔ ہم حاضر و ناظر کی بحث میں انشاء اللہ تائیں گے کہ تمام عالم ملک الموت کے سامنے ایسا ہے۔ جیسا ایک طشت۔ اور بالقیس آن کی آن میں تمام زمین کا چکر لگا لیتا ہے۔ اور یہ یونہی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ساری مخلوقات سے زیادہ حضور علیہ السلام کا علم ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کو بھی ان چیزوں کا علم ہو۔ حضرت آدم اور کاتب تقدیر فرشتہ کا علم ہم علوم غیب کی بحث میں بتائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ سارے علوم غیب ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام تو ساری مخلوق سے زیادہ عالم لہذا حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم بلکہ اس سے زیادہ ماننا پڑیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہر حال میں ثابت ہے۔ والحمد للہ۔

دوسری فصل

علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں ہم نبی و اہل بیت کی تشریح سے تیسری فصل میں ان حدیثوں کی شرح بیان کریں گے۔

(۱) بخاری کتاب بدء الخلق اور مشکوٰۃ جلد دوم باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء میں حضرت فاروق سے روایت ہے۔

قَامَ فَيَنَارُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَآخَبَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَ مَنْ نَسِيَ

حضور علیہ السلام نے ایک جگہ قیام فرمایا پس ہم کو ابتدا میں پیدائش کی خبر دے دی۔ یہاں تک کہ خلقی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی میں جس نے یاد رکھا۔ اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی (۱) عالم کی پیدائش کی ابتدا کس طرح ہوئی (۲) پھر عالم کی انتہا کس طرح ہوگی۔ یعنی از روز اول تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ بیان کر دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمرو بن الخطاب اسی طرح منقول ہے مگر اس میں اتنا اور ہے۔

فَآخَبَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَأَعْلَمْنَا أَحْفَظْنَا

”ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے۔“

(۳) مشکوٰۃ باب الفتن میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت حذیفہ ہے۔

مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ مَقَامِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ وَنَسِيَهِ مَنْ نَسِيَهِ

”حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد رکھا یا درکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔“

(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضِ لِيَ الْأَرْضِ فَرَاءَ يَثْ مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

”اللہ نے میرے لئے زمین سیٹ دی پس میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔“

(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبدالرحمن بن عائش سے روایت ہے۔

رَأَى يَثْ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَوَصَّعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتَفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ فَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

”ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ پر رکھا۔ جسکی ٹھنڈک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔“

(۶) شرح مواہب لدنیہ للوزرقانی میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت سے ہے۔

إِنَّ اللَّهَ رَفَعَ لِي الدُّنْيَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَالْإِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هَذَا

”اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔“

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے۔

فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ ”پس ہمارے لئے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور ہم نے پہچان لی۔“

(۸) مستد امام احمد بن حنبل میں بروایت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدٍ فَتَنَةٍ إِلَى أَنْ تَنْقَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مِنْ ثَلَاثِ مِائَةٍ

فَصَاعِدًا قَدْ سَمَاهُ لَنَا بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَاسْمِ قَبِيلَتِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

”میں نے چھوڑا حضور علیہ السلام نے کسی ہتھیار چلائیوالے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلے کا نام بتا دیا۔“

(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

خُفِّفَ عَلَىٰ دَاوُدَ الْقُرْآنُ فَكَانَ يَأْمُرُ دَوَابَّهُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ

”حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین لگانے کا حکم دیتے تھے تو آپ ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔“

یہ حدیث اس جگہ اس لئے بیان کی گئی کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں ازل و تا آخر واقعات بیان فرما دیے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت داؤد آن کی آن میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔

(۱۱) مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے۔

تِلْدٌ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ غُلَامًا يَكُونُ فِي حَجْرِكَ.

”حضور علیہ السلام نے خردی کہ فاطمہؑ ہر اسکے فرزند پیدا ہوگا۔ جو تمہاری پرورش میں رہے گا۔“

(۱۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ فَقَالَ إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِلُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْسِي بِالنِّمِيمَةِ ثُمَّ اخَذَ جَرِيدَ قَرْطَبَةَ فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةٍ وَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبْسَسَا

”حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی دشواریات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ کو لے کر اسکو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔“

(۱۳) بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة اور تفسیر خازن میں زیر آیت لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبَدِّلْكُمْ هِيَ۔

قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُورًا عَظِيمًا ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ أَحَبَّ أَنْ يُسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ عَنْهُ قَوْلَ اللَّهِ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْئٍ إِلَّا أَخْبِرْتُكُمْ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ آيَنَ مُدَّ خَلِي قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ إِيَّيَ قَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ كَثُرَ أَنْ قَوْلَ سَلُونِي سَلُونِي

”حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھے۔“ تم خدا کی جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا اٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا جنہم میں عبد اللہ اب حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ۔ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔“

خیال رہے کہ جنہم یا جنتی ہونا علوم غیبیہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا ہے یہ ایسی بات ہے کہ جس کا علم سوائے اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا قربان ان لگا ہوں گے جو کہ اند میرے اچالے، دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں۔

(۱۴) باب مناقب علی میں ہے۔

قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَا عَظِيمَ هَذِهِ الرَّايَةُ عِذَا رَجَلًا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ.

”حضور علیہ السلام نے خیبہ کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا اس کو دیں گے جسکے ہاتھ پر اللہ تجیر فتح فرما دیگا اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔“

(۱۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

عُرِضَتْ عَلَى أَعْمَالٍ أَمْتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا إِلَّا ذُلَّ يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ

”ہم پر ہماری امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی ہم نے انکے اچھے اعمال میں وہ تکلیف دہ چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے۔“

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مَصْرَعٌ فَلَنْ يَصْنَعَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هُنَا هُنَا قَالَ فَمَا طَافَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعٍ يَدِرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔“

خیال رہے کہ کوکس جگہ مرے گا۔ یہ علوم غیبی میں سے ہے جس کی خبر حضور علیہ السلام بیگ بدر میں ایک روز پہلے دے رہے ہیں۔
(۱۷) مشکوٰۃ باب المعجزات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فَقَالَ رَجُلٌ تَالَهُ إِنَّ رَيْثَ كَالْيَوْمِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ أَعْجَبُ مِنْ هَذَا رَجُلٌ فِي النَّحْلَاتِ بَيْنَ الْحَرَكَيْنِ يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضَىٰ وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ

”شکار آدی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک صاحب (حضور) دو میدانوں کے درمیانی ٹھٹھان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔“

(۱۸) تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرِصَتٌ عَلَىٰ أُمْتِي فِي صَوْرِهَا فِي الطِّينِ كَمَا عَرِصَتْ عَلَىٰ آدَمَ وَأَعْلِمْتُ مَنْ يُؤْمِنُ وَمَنْ يَكْفُرُ بِي فَبَلَغَ ذَلِكَ الْمُنَافِقِينَ قَالُوا اسْتَهْزَأَ زَعَمَ مُحَمَّدًا أَنَّهُ يَعْلَمُ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرُ مِمَّنْ لَمْ يَخْلُقْ بَعْدُ وَنَحْنُ مَعَهُ وَمَا يَعْرِفُنَا فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ طَعَنُوا فِي عِلْمِي لَا تَسْتَلُونِي عَنْ شَيْءٍ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّاعَةِ إِلَّا نَبَأْتُكُمْ بِهِ

”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح کہ حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتا دیا گیا کون ہم پر ایمان لا دیا اور کون کفر کریگا۔ یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ ہنس کر کہنے لگا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہوگئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کی پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ تو قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعن کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔“

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعن کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک کہ واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب النعمان باب الملاحم فصل اول میں مسلم سے روایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

إِنِّي لَا أَعْرِفُ أَسْمَاءَهُمْ وَأَسْمَاءَ آبَائِهِمْ وَالْأَوَانَ خِيُولِهِمْ خَيْرٌ فَوَارِسَ أَوْ مِنْ خَيْرٍ فَوَارِسَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ

”ہم ان کے (دجال سے جہاد کی تیاری کرنے والوں) نام ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں۔“

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض بعض تارے اب تک فلاسفہ کو سائنسی آلات سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری یا کمی بیشی وہ ہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصار آس قدر پر کفایت کی گئی ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور ﷺ

کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی کف دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسواۃ اللہ کو تو عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان عالم ملائکہ، عرش و فرش غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے۔ جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کئے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے پوشیدہ نہیں کہ عبد اللہ کے والد حذیفہ کو بتا دیا۔ چوتھے یہ معلوم ہوا کہ کون کب مرے گا۔ کہاں مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مومن، عورت کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر مخفی نہیں غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔

تیسری فصل

شارحین احادیث کے اقوال میں، دربارہ، علم غیب

(۱) یعنی شرح بخاری، فتح الباری ارشاد الساری شرح بخاری۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت ہے۔

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ أَحْبَبَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ بِجَمِيعِ أَحْوَالِ الْمَخْلُوقَاتِ مِنْ ابْتِدَاءِ مَا إِلَىٰ انْتِهَائِهَا

اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حالات کی ابتدا و انتہا خبر دے دی۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح شفا الملاحی قاری دزرقانی شرح مواہب۔ نسیم الریاض شرح شفا میں حدیث نمبر ۴ میں ہے۔

وَخَاصُّهُ أَنَّهُ طَوَّرَ لَهُ الْأَرْضَ وَجَعَلَهَا مَجْمُوعَةً كَهَيْئَةِ كَفِّ فِيهِ مِرَّةً قَيْنُظُرُ إِلَىٰ جَمِيعِهَا وَطَوَّاهَا

بِتَقْرِيبِ بَعِيدِهَا إِلَىٰ قَرِيبِهَا حَتَّىٰ اطَّلَعَتْ عَلَىٰ مَا فِيهَا

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کیلئے زمین سمیٹ دی گئی اور اسکو ایسا جمع فرما دیا گیا جیسے ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اس پورے آئینے کو

دیکھتا ہے اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اسکے قریب کی طرف۔ یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۵ کے ماتحت ہے۔

فَعَلِمْتُ بِسَبَبٍ وَضُولِ ذَلِكَ الْغَيْضِ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يَعْنِي مَا أَعْلَمَهُ اللَّهُ مِمَّا فِيهِمَا مِنَ

الْمَلَكِيَّةِ وَالْأَشْجَارِ وَغَيْرِهَا وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سِعَةِ عِلْمِهِ الَّذِي فَتَحَ اللَّهُ وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ أَرَىٰ جَمِيعَ

الْكَائِنَاتِ الَّتِي فِي السَّمُوتِ بَلْ وَمَا فَوْقَهَا كَمَا يُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ وَالْأَرْضِ هِيَ بِمَعْنَىٰ

الْجَنَسِ وَجَمِيعَ مَا فِي الْأَرْضَيْنِ السَّبْعِ بَلْ وَمَا تَحْتَهَا كَمَا أَفَادَهُ إِحْبَارُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الثَّوْرِ

وَالْخُوتِ الَّذِي عَلَيْهِمَا الْأَرْضُونَ

”اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور

درخت وغیرہ یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس

کے اوپر ہے) جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے اور زمین میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمین بلکہ جو اس سے نیچے ہیں جیسا کہ ان

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جن میں حضور علیہ السلام نے گائے اور مچھلی کی خبر ہے دی جن پر زمینیں قائم ہیں۔“

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث ۵ کے ماتحت ہے۔

”عبارت است از حصول تمام علوم جزوی و کلی و احاطہ آں“ یہ حدیث تمام جزئی و کلی علموں کے حاصل ہونے اور اسکے احاطہ کا بیان ہے۔

(۷) اشعۃ اللمعات میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت بیان فرمایا۔

”پس ظاہر شد مرا ہر چیز از علوم و شقائق ہمدرا“ ہم پر ہر جسم کا علم ظاہر ہو گیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

علامہ دزرقانی شرح مواہب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَيَّ أَظْهَرَ وَكُشِفَ لِيَ الدُّنْيَا بِحَيْثُ أَحْطَتْ بِجَمِيعِ مَا فِيهَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلَىٰ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَىٰ

يَوْمِ الْقِيَمَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَىٰ كَفِّي هَذِهِ إِشَارَةٌ إِلَىٰ أَنَّهُ نَظَرُ حَقِيقَةٍ دُفِعَ بِهِ أَنَّهُ أُرِيدَ بِالنَّظَرِ الْعِلْمُ

”یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم نے اسکی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا

ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے بھی ملاحظہ فرمایا یا احتمال دہ ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔“
(۸) امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں زیر حدیث نمبر ۸ فرماتے ہیں۔

وَلَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَطْلَعَهُ أَرَبَهُ مِنْ ذَلِكَ وَالْقَى عَلَيْهِ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ
”اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ پر مطلع فرمایا اور آپ کو سارے اگلے پچھلے حضرات کا علم دیا۔“
ملا علی قاری مرقاۃ میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

يُخَبِّرُكُمْ بِمَا مَضَىٰ أَيْ سَبَقَ مِنْ خَبَرِ الْأَوَّلِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا هُوَ كَاتِبٌ بَعْدَكُمْ أَيْ مِنْ نَبَا الْآخِرِينَ فِي الدُّنْيَا وَمِنْ أَحْوَالِ الْأَجْمَعِينَ فِي الْعَقْبَىٰ
”تم کو حضور علیہ السلام اگلوں کی گزری ہوئی خبریں دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پچھلوں کی خبریں ہیں وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیاوی حالات اور آخرت کے سارے حالات۔“
(۹) مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱۹ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فِيهِ مَعَ كَوْنِهِ مِنَ الْمُعْجَزَاتِ دَلَالَةٌ عَلَىٰ أَنَّ عِلْمَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُحِيطٌ بِالْكُلِّيَّاتِ وَالْخُزِّيَّاتِ مِنَ الْكَافِيَّاتِ وَغَيْرِهَا
اس حدیث میں معجزہ ہوئی کے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کلی اور جزئی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔
محدثین کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو اور اس میں ازل تا ابد ہونے والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں۔
جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر اس کو دیکھتا ہے اس عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ تمام اولین و آخرین یعنی انبیاء و ملائکہ و اولیاء کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت خضر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں حاملین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور ان کا علم تو سارے ماکان و مایکون کو محیط ہے۔ تو حضور کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعت علم میں علوم خمسہ بھی آگئے۔

چوتھی فصل

علمائے امت کے اقوال کے بیان میں دربارہ علم غیب

مدارج المروجہ کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (بارہ ۲ سورہ ۵۷ آیت ۳)
”وہی اول ہے وہی آخر وہی ظاہر وہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔“

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعمت مصطفیٰ علیہ السلام بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ”وہی صلی اللہ علیہ وسلم دانا است بہمہ جز از شیوات و احکام الہی و احکام و صفات حق و اسماء و افعال و آثار و مجموع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر و احاطہ مودہ و صداق فوق کُلِّ ذی عِلْمٍ عَلِيمٌ شد“ حضور علیہ السلام تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں اور انہوں نے خدا کے پاک کی شانیں اس کے احکام جن تعالیٰ کے صفات اور افعال اور سارے ظاہری و باطنی اول و آخر کے علوم احاطہ فرمایا ہے۔

اسی مدارج جلد اول باب ثیم رد ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۳۳ میں ہے۔ ”از زمان آدم تا آخر اوئی بروے علیہ السلام مشکشف راضیہ تاہم احوال اودا از اول و آخر معلوم گردد و یا ران خود را نیز بعضی احوال خبر داد۔“

حضرت آدم سے صور پھونکنے تک تمام حضور علیہ السلام پر ظاہر فرمایا تا کہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپ کو معلوم ہو چائیں اور حضور ﷺ نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

علامہ راقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَانْفَقَتْ مَعَانِيهَا عَلَىٰ إِطْلَاعِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَا يَنَالُ فِي الْآيَاتِ الدَّلَالَةُ عَلَىٰ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ لِأَنَّ الْمَنْفَىٰ عِلْمُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسْطَاطَةِ أَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ فَمُحَقَّقٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِنْ رَّسُولٍ

احادیث اس پر متواتر ہیں اور ان کے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ ان آیتوں کے خلاف نہیں جو اس دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ

جاہت ہے، رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے۔

شفا شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ماخوذ از ثرپتی شرح قصیدہ بردہ)۔

خَصَّ اللَّهُ تَعَالَىٰ بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْإِطْلَاعِ عَلَىٰ جَمِيعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَصَالِحِ أُمَّتِهِ وَكَانَ فِي الْأُمَمِ وَمَا سَيَكُونُ فِي أُمَّتِهِ مِنَ النُّقِيرِ وَالْقَطْمِيرِ وَعَلَىٰ جَمِيعِ فُنُونِ الْمَعَارِفِ كَأَحْوَالِ الْقَلْبِ وَ الْفَرَائِضِ وَالْعِبَادَةِ وَالْحِسَابِ

”اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرما کر اور اپنی امت کے مصلحت اور گزشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرمادیا۔ اور تمامی معرفت کے فنون پر مطلع فرمادیا چھپل کے حالات، فرائض عبادات اور علم حساب۔“

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَحُرَّتِهَا وَمِنْ غُلُوبِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

”دنیا و آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے۔“

شرح قصیدہ بردہ مصنفہ علامہ ابراہیم بن حجر کی میں اس شعر کے ماتحت ہے۔

فَإِنْ قِيلَ إِذَا كَانَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ بَعْضُ غُلُوبِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا الْبَعْضُ الْآخَرُ أَجِيبَ بِأَنَّ الْبَعْضَ الْآخَرَ هُوَ مَا أَخْبَرَهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ مِنْ أَحْوَالِ الْآخِرَةِ لِأَنَّ الْقَلَمَ إِنَّمَا كَتَبَ فِي اللَّوْحِ مَا هُوَ كَاتِبٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ

”اگر کہا جاوے کہ جب لوح و قلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں جواب دیا جاوے گا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔“

ملا علی قاری مل العہد شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَكُونَ غُلُوبِهِمَا مِنْ غُلُوبِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ غُلُوبَهُ تَتَوَّعُ إِلَى الْكُلِّيَّاتِ وَالْجُزْئِيَّاتِ وَحَقَائِقِ وَمَعَارِفِ وَعَوَارِفِ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَعِلْمُهُمَا يَكُونُ نَهْرَ أَقْنِ بُحُورِ عِلْمِهِ وَحَرَفًا مِنْ سَطُورِ عِلْمِهِ

”اور لوح و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق و معارف و عوارف تعلق بالذات و الصفات و علمہما یكون نہر اقن بحور علمہ و حرفا من سطور علمہ

”معرفوں کی طرف جس کا تعلق ذات اور صفات سے ہے لہذا لوح و قلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی سطروں کا ایک حرف۔“

ان عبارتوں نے فیصلہ فرمادیا کہ وہ لوح و قلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ۔

وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ”کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔“

اس کے علوم علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر کا ایک نقطہ ہے۔

امام بوصری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ ام القراط میں فرماتے ہیں۔

وَسَعَ الْعَالَمِينَ عِلْمًا وَ حِلْمًا فَهُوَ بَحْرٌ لَمْ تَعْيَهَا الْأَعْيَاءُ

”حضور علیہ السلام نے اپنے علم و اخلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے والے نہ گھیر سکے۔“

شیخ سلیمان جمل اس شعر کی شرح میں فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

أَيَّ وَسَعَ عِلْمُهُ غُلُومَ الْعَالَمِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَكِيَّةِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ أَطْلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ كُلِّهِ فَعَلَّمَ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَمَا تَكَانَ وَمَا يَكُونُ وَحَسْبُكَ عِلْمُهُ عِلْمُ الْقُرْآنِ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

”یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و انسان اور فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے پچھلوں کا علم سکھایا اور ماکان و ما یكون بتایا اور حضور علیہ السلام کے علم کے لئے علم قرآنی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔“

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القدی میں فرماتے ہیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى أَطْلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ فَقَلِمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَمَا يَكُونُ.

”کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہان پر خبردار فرمایا پس آپ نے اولین و آخرین کو اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کو جان لیا۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت آدم و ملائکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لئے علم غیب تو دیوبندی بھی مانتے ہیں۔ امام یوسفی قصیدہ برودہ میں فرماتے ہیں۔

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ أَدْرَ شَفَا مِنَ الدَّيَمِ

”تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں سمندر سے ایک چٹو یا تیز بارش سے چھیننا۔“ علامہ خرپوٹی شرح قصیدہ برودہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

إِنْ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ كُلِّ وَاحِدِهِمْ طَلَبُوا وَآخَذُوا الْعِلْمَ مِنْ عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِي كُنَّا الْبَحْرَ فِي السَّعَةِ وَالْكَرَمِ مِنْ كَرَمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِي هُوَ كَالْذِي يَمُ لَأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُفِضٌ وَهُمْ مُسْتَفَاضُونَ لِأَنَّهُ تَعَالَى خَلَقَ ابْتِدَاءً رُوحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَوَضَعَ غُلُومَ الْأَنْبِيَاءِ وَعِلْمَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ ثُمَّ خَلَقَهُمْ فَأَخَذُوا غُلُومَهُمْ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور لیا جو وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور ﷺ کے اس کرم سے حاصل کیا جو تیز بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے لولا حضور علیہ السلام کی روح پیدا فرمائی پھر اس روح میں نبیوں کے اور ماکان و ما یکن کے علم رکھے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا پس ان سب نے اپنے علوم حضور ﷺ سے لئے۔ حافظ سلیمان ابریز شریف صفحہ ۲۵۸ میں فرماتے ہیں۔

يَعْلَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى الْفَرْشِ وَيَطْلُعُ عَلَى جَمِيعِ مَا فِيهَا وَهَذَا الْغُلُومُ بِالْيَسْبَةِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَالْفَيْ مِنْ سَبْتَيْنِ جُزْءِ الْبَيِّ هِيَ الْقُرْآنُ الْعَزِيزُ

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اسکی خبر رکھتے ہیں اور یہ سارے علوم حضور علیہ السلام کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے الف ۶۰ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم ہیں۔

امام تھلانی مواہب میں فرماتے ہیں۔

النُّبُوَّةُ مَا خُوذَتْ مِنَ النَّبَا بِمَعْنَى الْخَبَرِ أَيْ أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ

”نبوت بنائے شتق ہے جس کے معنی ہیں خبر یعنی اللہ نے ان کو غیب پر خبردار فرمایا۔“

مواہب لدنی جلد دوم صفحہ ۱۱۹۲ القسم الثانی فیمَا أَخْبَرَ بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْغُيُوبِ میں ہے۔

لَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَطْلَعَهُ عَلَى أَرْبَعِينَ دِينَ ذَلِكَ وَالْقِي عَلَيْهِ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ

”اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر انگوں پچھلوں کا علم پیش کر دیا۔“

حضرت محمد الف ثانی مکتوبات شریف جلد اول مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں۔

ہر علم کا مخصوص بہادوست سبحانہ خاص رسل و اطلاع سے بخشد ”مدارج النبوة جلد اول میں ہے۔“ از بعض صلحا از اہل فضل شنیدہ شدہ کہ بعض از عرفا کتابے نوشتہ احزابا ت کردہ اند کہ آں حضرت را تمام علوم الہی معلوم ساختہ بودند و این سخن بظاہر مخالف بسیارے از اولیاست تا قائل آنچہ قصد باشد۔

جو علم رب تعالیٰ کیساتھ خاص ہے اس پر خاص رسولوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ بعض علمائے صالحین میں سے شام گیا ہے کہ بعض عارفین نے کوئی کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام علوم الہیہ معلوم کرا دیے گئے تھے۔ یہ کلام بظاہر تو بہت سے دلائل کے خلاف ہے نہ معلوم کہ قائل نے اس سے کیا مراد لی ہے۔

یہ عبارت اس لئے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام کا علم خدا کے علم کے برابر مانا اور فرق صرف ذاتی اور عطائی کا جانتا۔ مگر شیخ عبدالحق نے ان کو شرک نہ مانا۔ بلکہ عارف کہا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب ماننا شرک نہیں۔ میرزا ہدیر سالہ کے خطبہ میں ہے۔ كَانَ صَوَادِقُ التَّصْدِيقَاتِ بِطَلَبِهَا مَتَوَّجَّهَةً إِلَى حَضْرَتِهِ الْأَقْدَسِ وَحَقَائِقُ التَّصَوُّرَاتِ بِانْفُسِهَا مَائِلَةً إِلَى جَنَابِ الْمُقَدَّسِ فَرُوجِهِ الْمَعْلَى مَرَكَزُ الْمَعْقُولَاتِ تَصَوُّرَاتُهَا وَتَصْدِيقَاتُهَا وَنَفْسُهُ الْعَلِيَا

مَنْبَعُ الْعَقَلِيَّاتِ نَظَرِيَّاتُهَا وَفِطْرِيَّاتُهَا اس کی شرح لواء الہدیٰ مصنف غلام محلی میں اس عبارت کے ماتحت ہے۔ فَلَدَاتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَامِعٌ بَيْنَ جَمِيعِ أَنْحَاءِ الْعُلُومِ سبحان اللہ اس عبارت نے پروے اٹھادیے۔ منطقوں نے بھی بارگاہ نبوت میں بیٹھائی رگڑ دی۔

مولانا بحر العلوم عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حاشی میرزا ہر سال میں فرماتے ہیں۔

عَلَّمَهُ غُلُومًا مَا احْتَوَى عَلَيْهِ الْعِلْمُ الْأَعْلَى وَمَا اسْتَطَاعَ عَلَى إِحْاطَتِهَا اللَّوْحُ الْأَوْفَى لَمْ يَلِدِ الدَّهْرُ مِثْلَهُ مِنَ الْأَزَلِ وَلَمْ يُؤَلَدِ إِلَى الْأَبَدِ فَلَيْسَ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُفُوًا أَحَدٌ
 ”حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جس کے گھیرے نے پر لوہ مخفولا قادر نہیں نہ تو آپ کی مثل زمانے میں پیدا ہوا ازل سے اور نہ اب تک ہوا اور آسمانوں و زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔“

علامہ شنوائی جمع التہذیب میں فرماتے ہیں۔

قَدْ وَارَدَانِ اللَّهُ تَعَالَى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ.
 ”یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپ کو ہر چیز پر مطلع فرما دیا۔“
 شرح عقائد نقی صفحہ ۷۷ میں ہے۔

بِالْجُمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ أَمْرٌ تَقَرَّرَ بِهِ اللَّهُ تَعَالَى لَا سَبِيلَ إِلَيْهِ لِلْعِبَادِ إِلَّا بِاعْلَامٍ مِنْهُ أَوْ الْهَامًا بِطَرِيقِ الْمُعْجَزَةِ أَوْ الْكَرَامَةِ

”خلاصہ یہ ہے کہ غیب جاننا ایک ایسی بات ہے، جو خدا سے خاص ہے بند کو اس تک کوئی راہ نہیں بغیر رب کے بتائے یا الہام فرمائے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر۔“
 در مختار شروع کتاب الحج میں ہے۔

فَرَضَ الْحَجَّ سَنَةً تَسْعَ وَإِنَّمَا آخِرُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِعَشْرِ لَعْدٍ مَعَ عِلْمِهِ بِبَقَاءِ حَيَاتِهِ لِيَكْمَلَ التَّبْلِغُ
 ”حج ۹ھ میں فرض ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کو سنہ ۱۰ھ تک مؤخر فرمایا کسی عذر کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا۔ تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے۔“

اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جانا علوم غمہ سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی خبر تھی۔ کہ سنہ ۹ھ میں نہ ہوگی۔ اسی لئے اس سال حج نہ فرمایا۔ ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں۔
 خرپوقی نے شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا۔

وَوَاقِفُونَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ وَفِي حَدِيثٍ يُرْوَى عَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ أَلَيْسَ الدَّوَاةُ حَرَفَ الْقَلَمِ وَاقِمَ الْبَاءِ وَفَرَّقَ السِّينَ وَلَا تَعَوَّرَ الْبَيْمَ مَعَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكْتُبْ وَلَمْ يَقْرَأْ مِنْ كِتَابٍ إِلَّا وَلَيْنَ

”حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے سامنے لکھا کرتے تھے۔ پس حضور علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ دوات اس طرح رکھو۔ قلم کو پھیرا، ب کو سیدھا کر دو، سین میں فرق کرو۔ اور بیم کو ٹیزھا کرو۔ باوجودیکہ حضور علیہ السلام نے لکھتا نہ دیکھا اور نہ انگوں کی کتاب پڑھی۔“
 تفسیر روح البیان میں زیر آیت وَلَا نَخْطُ بِبَيْمِيكَ ہے۔

حضور علیہ السلام خطوں کو جانتے تھے اور انکی خبر بھی دیتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے۔ انکی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن آیات القرآن میں دیکھو۔
 مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

سرمد کن در چشم خاک اولیاء
 کاہل از دور نامت بشنوند
 تاہر تارو پودت در روند
 دیدہ باشندت بچہ یں حالہا
 تاہر بینی ز ابتدا تا انتہا

زائکہ پر مستند از اسرار ہو

حال تو داند یک یک موبو

اسی مٹھوی شریف میں مولانا کفار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

آدم و حوا رستہ از جہاں

نگرم سر عالم بنم نہاں

دیدہ پایستہ و مشکوں و پست

من شمارا وقت ذرات الست

آنچہ دانستہ بدم افزوں نہ شد

از حدوث آسمان بے عمد

یعنی ہم سارے جہان کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم و حوا پیدا بھی نہ ہوئے تھے اے کافر قیدیوں ہم نے تمہیں بیشاق کے دن مومن اور نمازی دیکھا تھا۔ اس لئے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ بے ستون آسمان کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اس کچھ نہ زیادہ ہوا۔ علمائے کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سارے انبیاء ملائکہ سے زیادہ علوم عطا فرمائے لوح محفوظ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علموں کا قطرہ ہے اور عالم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس چشم حق بین سے مخفی رہی ہو۔

پانچویں فصل

مخالفین کی تائید کے بیان میں

اب تک تو موافقین کی عبارات سے علم غیب حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کیا گیا۔ اب مخالفین کے اکابر کی وہ عبارات پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب شام امداد یہ صفحہ ۱۱ میں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت وادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ کے معاملات کی خبر نہ تھی۔ اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے قویہ ضروری ہے۔ (ماخوذ از انوار غیبیہ صفحہ ۲۵)

مولوی رشید احمد گنگوہی لطائف رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہ السلام کو ہر دم مشاہدہ امور غیبیہ اور تحفیظ (حضور حق تعالیٰ کا رہتا ہے)

كَمَا قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمَ لَضَحَكْتُمْ قَلِيلًا وَلَكَيْتُمْ كَثِيرًا اور فرمایا اِنِّیْ اَرِیْ مَا لَا

تَوْن (انوار غیبیہ صفحہ ۳۲)

مولوی اشرف علی تھانوی مخدوم اہلین مطبوعہ ہندوستان پرٹنگ پریس صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل و اولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادث کو جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادثہ اس کے علم سے اسی کے ارادے کے متعلق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے۔ کہ یہی خدا ان رسل و اولیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ فطرت انسانی کا یہ حقیقی نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے لیکن اگر خدا کسی کو بتا دے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا کے بتائے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اور لوگوں کو خبر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایسا کوئی نہیں جو بذاتہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو۔ چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو اعلیٰ درجہ کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے۔ اور جو اس کا دعویٰ کرے اس کو کافر بتاتی ہے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تحذیر الناس کے صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں۔ علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں۔

اس آخری عبارت پر غور کرنا چاہیے کہ مولوی قاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع کرنا ہے۔ اور اولین میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے ملائکہ حاملان عرش و حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں۔ لہذا ان سب کے علوم سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہونا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

چھٹی فصل

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں

چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکان و مایکون کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الہیہ کے وزیر اعظم بلکہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العالمین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم میں دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیارات۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ کلکٹر کو سارے ضلع کا علم و اختیارات۔ وائسرائے کو سارے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں کہ ان دو وصفوں کے بغیر وہ حکومت کری نہیں سکتا۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات انبیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ اسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العالمین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہ ہی خلافت الہیہ کے لئے موزوں ہیں پھر ملائکہ سے بعد کر انان کے اختیارات خصوصاً کثوث تھا کہ ملائکہ بھی ان کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے بنی اور عرش و فرش کے لوگ آپ کے اتنی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔ اسی لئے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند اشارے سے بھاڑا۔ ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا۔ پانی برسنا، پھر حکم دیا۔ کھل گیا۔ یہ سب اپنے خدا واد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تختہ برائے الناس میں لکھا ہے کہ انبیاء امت سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رباعل۔ اس میں بظاہر کبھی اتنی نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں اتنی نبی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نبی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے اتنی تو ملائکہ بھی ہیں **لَيَكُونَنَّ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا** تو علم میں حضور علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ورنہ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں امت سے افضل ہوں گے اور ملائکہ حاضرین لوح محفوظ کو تو ماکان و مایکون کا علم ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔ (۳) چند سال کامل استاد کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام قبل ولادت پاک کروڑوں برس رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے **لَقَدْ جَاءَكُمْ** کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ایک ستر ہزار سال بعد چمکتا تھا۔ اور میں نے اسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا۔ فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے۔ حساب لگا لو۔ کتنے کروڑ برس دربار خاص میں حاضری رہی۔

(۴) اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ شاگرد نا اہل تھا۔ استاد سے پورا فیض لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ استاد کامل نہ تھا کہ مکمل سکھا نہ سکا۔ سوم یہ کہ استاد یا پیش تھا کہ پورا پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا یا اس زیادہ کوئی اور پیارا شاگرد تھا کہ اس کو سکھانا چاہتا ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ ان چار وجوہوں کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں یہاں سکھانے والا پورا درگاہ رکھنے والے محبوب علیہ السلام کیا سکھا یا قرآن اور اپنے خاص علوم بتا دیا رب تعالیٰ کامل استاد نہیں۔ یا رسول اللہ علیہ السلام لائق شاگرد نہیں؟ حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی اور پیارا ہے؟ یا کہ قرآن مکمل نہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کامل عطا فرمانے والا محبوب علیہ السلام کامل لینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب۔ **أَلَمْ حَمْنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ** وہ ہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم کیوں ناقص۔

(۵) رب تعالیٰ نے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھنا تو اپنی یادداشت کے لئے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یا دوسروں کے بتانے کے لئے رب تعالیٰ تو بھول سے پاک لہذا اس نے دوسروں ہی کے لئے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہذا وہ تحریر حضور کے لئے ہے۔

(۶) غیبوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا فرمائی تو فرمایا گیا۔ **لَنْ نَرَاہِیَ** تم ہم کو نہ دیکھ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو مہراج میں اپنی ان ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروڑوں درود

دیدار الہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الایمان بالقدرد فضل اول کے آخر میں ہے۔

كَمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي الدُّنْيَا لَا نِقْلًا بِهِ نُورًا

”حضور علیہ السلام نے دنیا میں رب کو دیکھا۔ کیونکہ خود نور ہو گئے تھے۔“

(۷) شیطان دنیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہادی۔ گویا شیطان و بائی پیاری ہے۔ اور نبی علیہ السلام طیب مطلق۔
رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے اتنا وسیع علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر اسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے۔ وہ کس حیلہ سے۔ ایسے ہی وہ ہر دین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے اس لئے ہر نیکی سے روکتا ہے۔ ہر برائی کراتا ہے۔ اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ **لَا تُخَوِّنُهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ** جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا۔ تو ضروری ہے کہ دنیا کے طیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لئے اس کہیں زیادہ علم والے ہوں کہ آپ ہر شخص کو اس کی پیاری کو اس کی استعداد کو اس کے علاج کو چاہیں۔ ورنہ ہدایت مکمل نہ ہوگی۔ اور رب تعالیٰ پر اعتراض پڑے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور ہادی کو کمزور رکھا۔ لہذا اگر اسی تو کامل رہی اور ہدایت ناقص۔

(۸) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے پکارا **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** اور نبی کے معنی ہیں۔ خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی نبی ہے اور اگر دنیا کے واقعات مراد ہوں تو ہر اخبار۔ ریڈیو، خط، تاریخچے والا نبی ہو جاوے۔ معلوم ہوا کہ نبی میں خبریں معتبر ہیں یعنی فرشتہ لگی اور عرش کی خبر دینے والا جہاں تا رہا اخبار کام نہ آسکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے۔ یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جانتا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر ان کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے سمندر کا قطرہ۔
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

الْعَبْدُ يَنْقُلُ فِي الْأَحْوَالِ حَتَّى يَصِيرَ إِلَى نَعْتِ الزُّوْحَانِيَّةِ فَيَعْلَمُ الْغَيْبَ
بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پالیتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔
اسی کتاب مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا۔

يَطْلُعُ الْعَبْدُ عَلَى حَقَائِقِ الْأَشْيَاءِ وَيَتَجَلَّى لَهُ الْغَيْبُ وَغَيْبُ الْغَيْبِ.
”کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔“
مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۶ **بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ وَضَلِيلُهَا** میں فرماتے ہیں۔

الْأَنفُسُ الزُّكِّيَّةُ الْقُدْسِيَّةُ إِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ خَرَجَتْ وَاتَّصَلَتْ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَى وَلَمْ يَبْقَ لَهُ حِجَابٌ فَتَرَى الْكُلَّ كَأَلْمُشَاهِدٍ بِنَفْسِهَا أَوْ بِإِخْبَارِ الْمَلِكِ لَهَا
”پاک و صاف نفس جبکہ بدنی علاقوں سے خالی ہو جاتے ہیں تو ترقی کر کے بزم بالا سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ پس وہ تمام یزوں کا شل محسوس و حاضر کے دیکھتے ہیں خواہ تو اپنے آپ یا فرشتہ کے الہام سے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی سورہ جن میں فرماتے ہیں۔ ”اطلاع بر لوح محفوظ و دیدن نقوش تیز از بعضی اولیاء بتواتر است۔“ لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر منقول ہے۔
امام ابن حجر کی کتاب الاعلام میں اور علامہ شامی سل الجسام میں فرماتے ہیں۔

الْخَوَاصُّ يَجُوزُ أَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبَ فِي قَضِيَّةٍ أَوْ قَضَاءٍ كَمَا وَقَعَ لِكَثِيرٍ مِنْهُمْ وَاشْتَهَرَ
”جائز ہے کہ خاص خاص حضرات کسی معاملہ یا فیصلے میں غیب جان لیں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوا اور یہ مشہور بھی ہو گیا۔“
شاہ ولی اللہ صاحب الطاف القدس میں فرماتے ہیں۔

”نفس کلیہ بجائے جسد عارف سے شو و ذوات و عارف بجائے روح اور ہمہ عالم بعلم حضوری سے بیند۔“
عارف کا نفس بالکل جسم بن جاتا ہے اور عارف کی ذات بجائے روح کے ہو جاتی ہے وہ تمام عارف کو علم حضوری سے دیکھتا ہے۔
زرقاتی شرح مواہب جلد ۶ صفحہ ۲۲۸ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ فِي لَطَائِفِ الْمَنَنِ إِطْلَاعُ الْعَبْدِ عَلَى غَيْبٍ مِنْ غُيُوبِ اللَّهِ بِدَلِيلِ خَبَرِ اتَّقُوا امِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ لَا يَسْتَعْرِبُ وَهُوَ مَعْنَى كُنْتُ بَصَرَهُ الَّذِي يَصْرُ بِهِ فَمِنْ الْحَقِّ بَصَرُهُ فَاطْلَاعُهُ عَلَى الْغَيْبِ لَا يَسْتَعْرِبُ

”لھائف المؤمن میں فرمایا کہ کامل بندے کا اللہ کے غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہو جانا عجیب نہیں اس حدیث کی وجہ سے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور یہی اس حدیث کے معنی ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس اس کا دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے لہذا اس غیب پر مطلع ہونا کچھ عجیب بات نہیں۔“

امام شعرانی البیاقیت والحواہر میں فرماتے ہیں۔

لِلْمُجْتَهِدِينَ الْقَدَمُ عَلَیْ غَلَبِ الْغِیْبِ ”غیبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔“

حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰهِ جَمِیْعًا

”ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا۔“

كُنْخَرٌ ذَلَّتْهُ عَلٰی حُكْمِ اِتِّصَالِی

”جیسے چندرائی کے دانے ملے ہوئے ہوں۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ذبذبة الاشرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَا اَبْطَالُ يَا اَبْطَالُ هَلُمُّوْا وَخُذُوا عَنْ هَذَا الْبَحْرِ الَّذِی لَا سَاحِلَ لَهُ وَعِزَّةٌ رَبِّیْ اِنْ السُّعْدَاءَ وَالْاَشْقِیَاءَ یُعْرَضُونَ عَلَیَّ وَاَنْ بُؤِءَ قَاعِیْنِیْ فِی اللُّوْحِ الْمَحْفُوْطِ وَاَنَا غَائِضٌ فِیْ بَحَارِ عِلْمِ اللّٰهِ

”اے بہادر اے فرزند! آؤ اس دریا سے کچھ لے لو۔ جہاں کنارہ ہی نہیں۔ قسم ہے اپنے رب کی کہ تحقیق نیک بخت اور بد بخت لوگ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں اور ہمارا گوشہ چشم لوح محفوظ رہتا ہے اور میں اللہ کے علم کے سمندروں میں غوطے لگا رہا ہوں۔“

مولانا جانی نجات الانس میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیہ قدس سرہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عزیز ان علیہ الرحمۃ گفتہ اند کہ زمین در نظر این طاقتہ چوں سترہ الیست دمای گویم کہ چوں ناختہ است هیچ چیز از نظر ایشان غائب نیست۔

”حضرت عزیز ان علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس گروہ اولیاء کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔“

امام شعرانی کبریٰ احمر میں فرماتے ہیں۔

وَأَمَّا شَيْخُنَا السَّيِّدُ عَلِيُّ الْخَوَّاضُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَكْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا حَتَّى يَعْلَمَ حَرَكَاتِ مُرِيدِهِ فِی اِنْتِقَالِهِ فِی الْاَصْلَابِ وَهُوَ مِنْ یَوْمِ اَلَسْتُ اِلٰی اِسْتِقْرَارِهِ فِی الْجَنَّةِ اَوْ فِی النَّارِ

”ہم نے اپنے شیخ سید علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نہیں کو نہ جان لے۔ یوم بیثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔“

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّهُ یَنْجَذِبُ اِلٰی حَبِزِ الْحَقِّ فِیَصِیْرُ عَبْدَ اللّٰهِ فِیْتَجَلٰی لَهُ كُلُّ شَیْءٍ

”پھر وہ مرد عارف ہارگاؤ حق کی طرف جذب ہو جاتے ہیں پس وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور انکو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔“

مشکوٰۃ جلد اول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والقریب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بروایت بخاری۔

فَاِذَا اَحْيَتْهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِهِ وَیَدَهُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّذِیْ یَمْشِیْ بِهَا

”رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے چلتا ہے۔“

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت مخضر علیہ السلام والیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب لغت مصطفیٰ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اس لغت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی لغت کے اولیاء کے علوم ہیں۔

دوسرا باب

علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ان آیات قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں دوسری فصل احادیث کے بیان میں تیسری فصل اقوال علماء فقہاء کے بیان میں۔ چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس بات کے شروع سے پہلے بطور چند ضروری بحثیں قائل غور ہیں۔

(۱) جن آیات و احادیث یا اقوال فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے یا تمامی معلومات یعنی رب تعالیٰ کے معلومات کے برابر عطائی علم کی نفی نہیں ورنہ پھر آیات و احادیث میں جو ہم اثبات میں بیان کر چکے ہیں مطابقت کیوں کر ہوگی۔
علامہ ابن حجر قنوی حدیث میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعْنَاهَا لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا وَعِلْمٌ اِحَاطِيَةٌ اِلَّا اللَّهُ تَعَالَى اَمَّا الْمُعْجَزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ فَبِإِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى

”ان کے معنی یہ ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی) اور احاطہ کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کرامات پس وہ خدا کے بتانے سے ہوتے ہیں۔“

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد مسائل دینیہ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے ان سے مراد باقی دنیاوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ تو جہ ان آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ و اقوال علماء ائمہ کے خلاف ہے۔ جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم۔ اسی طرح لوح محفوظ کا علم سب ہی چیز و گوشا مل ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے سامنے مثل ہاتھ کے ہے لہذا یہ تو جہ بالکل باطل ہے۔

(۲) مخالفین کے پیش کردہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہاء فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے لئے علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ وہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ماکان و مایکون میں اختلاف ہے ان آیات و اقوال فقہاء سے تو یہ بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف ہوا۔ سالیہ کلیہ کی تفتیش موجبہ جزئیہ ہوتی ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ ان دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ ماکان و مایکون علم الہی کے سمندروں کا قطرہ ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لئے علوم الہیہ کے مقابلہ میں بعض ہی علم کے قائل ہیں۔

(۳) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب خدا کی صفت ہے لہذا غیر خدا کے لئے ماننا کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہوا جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی بے دین ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی صفت عطائی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہذا اشرف نہ ہوا، یہ ہی اہم کہتے ہیں۔

پہلی فصل

آیات قرآنیہ کے بیان میں

(۱) قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۵)

”تم فرما دو کہ تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہو کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔“

اس آیت کی چار توہمیں مفسرین نے کی ہیں اولاً تو یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ دوم یہ کہ کل علم کی نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ کلام تو مع انکسار کے طور پر بیان فرما دیا گیا ہے۔ چہارم یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں میں دعوے نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی ملاحظہ ہوں تفاسیر۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ عَطْفًا عَلَى لَا أَقُولُ لَكُمْ أَيْ قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُونُ فِيهِ

دَلَالَةٌ أَنَّ الْغَيْبَ بِلَا سِتْقَالٍ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ

”اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو یعنی اے محبوب فرما دو کہ میں غیب نہیں جانتا تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر بیضاوی یہی آیت۔

لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ مَا لَمْ يُوْحَ إِلَيَّ أَوْ لَمْ يَنْتَصِبْ عَلَيْهِ ذَلِيلٌ

”میں غیب نہیں جانتا جب تک اسکی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔“

یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ يَدُلُّ عَلَى إِعْتِرَافِهِ بِأَنَّهُ غَيْرُ عَالِمٍ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ

”یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔“

یہ کلام بطور تواضع و انکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَمَّا نَفِيَّ عَنْ نَفْسِهِ الشَّرِيفَةِ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ تَوَاصُّعًا تَعَالَى وَإِعْتِرَافًا لِلْعُبُودِيَّةِ فَلَسْتُ أَقُولُ شَيْئًا مِنْ

ذَلِكَ وَلَا أَدَّعِيهِ

”حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی کہ رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں

انہیں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

وَتَوَاصَّعَ حِينَ أَقَامَ نَفْسَهُ مَقَامَ الْإِنْسَانِيَّةِ بَعْدَ أَنْ كَانَ أَشْرَفَ خَلْقِ اللَّهِ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى الثَّرَى وَ

أَطْهَرَ مِنَ الْكَزْ وَبَيْنَ وَالزُّ وَحَالِيَيْنِ خُضُوعًا لِحَبْرَتِهِ وَخُشُوعًا لِمَكُوتِهِ

”حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت کی جگہ میں رکھا اور نہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانین

سے زیادہ متحرے ہیں۔ حق تعالیٰ کی شانِ جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اسکی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریقہ پر یہ فرمایا۔ یہ دعویٰ

علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے۔

أَيْ لَا أَدَّعِي الْقُدْرَةَ عَلَى كُلِّ الْمَقْدُورَاتِ وَالْعِلْمَ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ

”یعنی میں تمام مقدورات پر قدرت رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر کبیر یہی آیت۔

أَيْ لَا أَدَّعِي كُنُوبِي مَوْصُوفًا بِعِلْمِ اللَّهِ وَبِمَجْمُوعِ هَذَيْنِ الْكَلَامَيْنِ حَصَلَ أَنَّهُ لَا يَدَّعِي إِلَّا لِهَيْبَةِ

”یعنی میں اللہ کے علم سے متعصب ہو نہ کہ دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہو نہ کہ دعویٰ نہیں کرتا۔“

عَطَفْتُ عَلَىٰ عِزِّي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا مُذْكَرَةٌ لِلنَّفْيِ أَيْ وَلَا أَدْعِي أَيْ عِزِّي وَلَكِنْ لَا أَقُولُ لَكُمْ فَمَنْ

قَالَ إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ أَخْطَاهِمَا أَصَابَ اس کا عطف عِزِّي خَزَائِنُ اللَّهِ پر ہے اور لَا زَائِدَہ ہے نفی کا یاد دلانے والا یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا کے افعال میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ خزانہ اللہ میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے کہ نبی اللہ غیب نہیں جانتے تھے اس نے غلطی کی اس آیت میں جس میں یہ مصیب تھا۔
تفسیر مدارک یہی آیت۔

وَمَحَلٌّ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ النَّصْبُ عَطْفًا عَلَىٰ مَحَلِّ عِزِّي خَزَائِنُ اللَّهِ لِأَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ الْمَقُولِ كَأَنَّهُ قَالَ لَا أَقُولُ لَكُمْ هَذَا الْقَوْلَ وَلَا هَذَا الْقَوْلَ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ

”وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ اعراب زیر ہے عِزِّي خَزَائِنُ اللَّهِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔“

تفسیر نیشاپوری اِی قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُونُ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَىٰ أَنَّ الْغَيْبَ بِإِسْتِقْلَالٍ لَا يَعْلَمُ إِلَّا اللَّهُ

حکمت اس آیت میں لَا أَقُولُ دو جگہ ہے پہلے لَا أَقُولُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَا أَقُولُ کے بعد صرف ایک چیز کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعی کا ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ **أُوتِيَتْ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِ الْأَرْضِ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)** یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنیاں دے دی گئی اور علم غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکلتے نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَا أَقُولُ لَی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کا دعویٰ تو جہیں نہ کی جاوے تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی ہے۔ نیز یہاں لَكُمْ میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے کافروں میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم تو چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کرو۔ رب تعالیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے اسی لئے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہا جاوے گا کہ مجھے خزانہ الہیہ کی کھجیاں سپرد ہوئیں نیز یہاں عِزِّي فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانہ خزانہ کی پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے۔ میں خزانہ نہیں کیا نہ دیکھا کہ ان کے اشارہ پر بادل برسا۔ ان کی اگلیوں سے چشمے جاری ہوئے۔

۲) وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ (پارہ ۹ سورہ ۷۷ آیت ۱۸۸)

”اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی۔“

اس آیت کے بھی مفسرین نے تین مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور اکسار کے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلومات الہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔
نیم الریاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ فَإِنَّ الْمَنَفَعِي عِلْمُهُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ وَأَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِإِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَىٰ فَأَمْرٌ مُتَحَقِّقٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ فَلَا يَظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رُسُلِهِ

علم غیب کا ماننا اس آیت کے متنافی نہیں کہ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ الخ کیونکہ نفی علم بغیر واسطہ کی ہے لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے واقع ہے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے وجہ سے

فَلَا يَظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ الْخِ کل معلومات الہیہ جاننے کی نفی ہے۔

شرح موافق میں میر سید شریف فرماتے ہیں۔

أَلَّا يَطْلُعَ عَلَىٰ جَمِيعِ الْمُغَيَّبَاتِ لَا يَحِبُّ لِلنَّبِيِّ وَلِذَاقَالِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ
(الْآيَةُ) وَجَمِيعُ مُغَيَّبَاتٍ غَيْرُ مُتَنَاهِيَةٍ
صاوی حاشیہ جلالین میں ہے یہی آیت۔

إِنْ قُلْتُ أَنَّ هَذَا يَشْكُلُ مَعَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ أَنَّهُ أُطْلِعَ عَلَىٰ جَمِيعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَالْجَوَابُ أَنَّهُ
قَالَ ذَلِكَ تَوَاصُّعًا

تمام غیبوں پر مطلع ہونا ہی کیلئے ضروری نہیں اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ الْآیۃ تمام غیب غیر متناہی
ہیں۔ (یہ کلام انکسار کے طور پر ہے اگر تم کہو کہ یہ آیت گزشتہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع کر دیا گیا تو
جواب یہ ہے کہ یہ کلام لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ بطور انکسار فرمایا گیا ہے۔

تفسیر خازن میں جلیل حاشیہ جلال سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا۔

فَإِنْ قُلْتُ قَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمُغَيَّبَاتِ قَدْ جَاءَتْ أَحَادِيثُ فِي الصَّحِيحِ بِذَلِكَ وَهُوَ
مِنْ أَعْظَمِ مُعْجَزَاتِهِ فَكَيْفَ الْجَمْعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْلِهِ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ قُلْتُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ قَالَهُ
تَوَاصُّعًا وَادِّبًا وَالْمَعْنَى لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا أَنْ يُطْلِعَنِي اللَّهُ عَلَيْهِ وَيَقْدِرَهُ لِي وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ قَالَ
ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُطْلِعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ فَلَمَّا أُطْلِعَهُ اللَّهُ أَخْبَرَهُ بِهِ

جیس اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت سے غیبوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا
بڑا معجزہ ہے تو ان باتوں میں اور اس آیت میں لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ میں مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہوں گا کہ یہاں احتمال یہ ہے کہ یہ
کلام انکسار کے طریقہ پر فرمایا ہوا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع ہونے سے
پہلے کا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب پر مطلع فرمادیا تو خبریں دیں۔

علامہ سلیمان جمل نے فتوحات الہیہ حاشیہ جلالین جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی مثل فرمایا۔

أَيُّ قَوْلٍ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُونُ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْغَيْبَ بِإِسْتِقْلَالٍ لَا يَعْلَمُ إِلَّا اللَّهُ

”یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا الخ پس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر صاوی یہی آیت

أَوْ أَنَّ عِلْمَهُ بِالْمُغَيَّبِ كَلَامٌ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُ عَلَى تَغْيِيرِ مَا قَدَّرَ اللَّهُ فَيَكُونُ الْمَعْنَى حِينَئِذٍ
لَوْ كَانَ عِلْمُ حَقِيقَتِي بِأَن أَقْدِرَ عَلَى مَا أُرِيدُ وَقُوَّةَ لَا سَتَكُوثٍ مِنَ الْخَيْرِ

”حضور علیہ السلام کا علم غیب جانتا نہ جاننے کی طرح ہے۔ کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جوالہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیں۔ تو معنی

یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو خیر بہت سی جمع کر لیتا۔“

یہ تو جہ نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتا اور صرف کسی چیز کا جانا
خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لئے کافی نہیں جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ مجھ کو علم ہے کہ
بڑھاپا آویگا اور اس کے بعد مجھ کو یہ تکالیف پہنچیں گی۔ مگر بڑھاپے کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ مجھے آج خبر ہے کہ غلہ چند روز کے بعد گراں
ہو جاوے گا۔ کہ میرے پاس آج روپے نہیں کہ بہت سا غلہ خرید لوں خرید نہیں سکتا۔ معلوم ہوا کہ خیر حاصل کرنا مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں
پر موقوف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت حقیقی کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جولا زم الوہیت ہے جس کے ساتھ
قدرت حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنی نہیں درست ہوتے۔ کیونکہ مقدم اور تالی میں لزوم نہیں رہتا اور اس کے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا۔

نیز دیوبندی تو اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ مگر چونکہ نہ میرے پاس خیر

ہے اور نہ میں مصیبت سے بچا ہذا غیب نہیں جانتا۔

ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ غور کرو اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے میرے پاس بہت خیر تو ہے۔

مَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا نَبِإًا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ نَبِإًا يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُكَ مِنَ النَّاسِ لہذا مجھے علم غیب بھی ہے۔ یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔

روح البیان یہی آیت

وَقَدْ ذَهَبَ بِعَصُ الْمَشَاحِ إِلَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتُ السَّاعَةِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ وَهُوَ لَا يُنَافِي الْحَصْرَ فِي الْآيَةِ كَمَا لَا يُخْفَى

”بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حق کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ حق نہیں۔“

۳) وَعِنْدَ مَفَاتِحِ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (بارہ سورہ ۶۲ آیت ۵۹)

”اور اسی کے پاس ہیں کھیاں غیب کی ان کو وہ ہی جانتا ہے۔“

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مَفَاتِحِ الْغَيْبِ (غیب کی کھیاں) سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں۔ یعنی سارے معلومات الہیہ کا جانا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا۔ کیونکہ کئی کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی جائے اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرے پروردگار ہی کو ہے۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَكَذَلِكَ هُنَا لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ عَبْرَ هَذَا الْمَعْنَى بِالْعِبَارَةِ الْمَذْكُورَةِ وَعَلَى

التَّفْسِيرِ الثَّانِي الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلَى كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ

”جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔“

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقَلَمَ تَصَوِّرَ هَا الَّذِي هُوَ مِفْتَاحٌ يُفْتَحُ بِهِ بَابُ عِلْمِ تَكْوِينِهَا عَلَى صُورَتِهَا وَكَوْنُهَا هُوَ الْمَلَكُوتُ

فَقَلَمَ مَلَكُوتٍ كُلُّ شَيْءٍ يَكُونُ كُلُّ شَيْءٍ وَقَلَمَ الْمَلَكُوتِ بِيَدِ اللَّهِ لِأَنَّ الْغَيْبَ هُوَ عِلْمُ التَّكْوِينِ

”ان چیزوں کے نقش باندھنے کا قلم جو ایسی کچھ ہے جس سے ان چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے (اچھی مناسب صورتوں پر) وہ ہی ملکوت ہے، پس ہر چیز کے ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا قلم اللہ کا ہاتھ میں ہے اسلئے کہ غیب سے مراد پیدا کرنا جانتا ہے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ عَبْرَ هَذَا الْمَعْنَى بِهَذَا الْعِبَادَةِ وَعَلَى التَّفْسِيرِ الثَّانِي

يَكُونُ الْمَعْنَى وَعِنْدَهُ خَزَائِنُ الْغَيْبِ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ عَلَى كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ

”کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس کے معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اس کے معنی یہ ہونگے کہ اس کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ۔“

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کھیاں بغیر تعلیم الہی کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر عرّس البیان میں ہے۔

قَالَ الْخَرِيرِيُّ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَمَنْ يُطْلَعُ عَلَيْهَا مِنْ خَلِيلٍ وَخَبِيرٍ أَيْ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا وَكُلُّونَ وَالْآخِرُونَ قَبْلَ

إِظْهَارِهِ تَعَالَى ذَلِكَ لَكُمْ

”خریر نے فرمایا کہ ان کھیاں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔“

وَجْهٌ اخْتِصَّاصُهَا بِتَعَالَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ ابْتِدَاءُ الْاَهُوَ

”ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونگی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداء خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔

نکتہ بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں ہے۔ **عِنْدَهُ مَفَاتِحُ**

الْغَيْبِ دوسری میں ہے **لَهُ مَقَالِيدُ السَّمُوتِ وَالْاَرْضِ** مفاتح اور مقالید دونوں کے معنی ہیں کنجیاں اور اگر مفاتح کا اول و آخر یعنی م، ح، و اور مقالید کا اول و آخر حرف یعنی م، دلو تو بنتا ہے محمد (ﷺ) جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ذات رسول اللہ ہی ظہور عالم کی کنجی ہے

لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے ہیں ویسا کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمد یہ کورب ہی جانے **مَفَاتِحِ** جمع اس لئے بولا کہ آپ کی ہر ادا رحمت الہی کی کنجی ہے آپ کا نور عالم کی کنجی **كُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُورِي** قیامت میں آپ کا جہد شفاعت کی کنجی ہے جنت میں آپ کا نام ہر نعمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لئے جنت کے کھلنے کی کنجی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب شان حبیب الرحمن۔

عِنْدَهُ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ کنجی سے کسی کے لئے دروازہ غیب کھولا بھی گیا یا نہیں؟ یا کسی کو کوئی کنجی دی گئی یا نہیں؟ اس جواب قرآن وحدیث سے پوچھو قرآن فرماتا ہے۔ **اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا** ہم نے آپ کے لئے ظاہر پر کھول دیا۔ کیا کھول دیا؟ اس کی نفیس تو جیسی ہماری کتاب شان حبیب الرحمن من آیات القرآن میں دیکھو۔ قفل اور کنجی میں وہ ہی چیز رکھی جاتی ہے۔ جو کھول کر نکالنی ہو اور جسے نکالنا نہ ہو۔ وہ زمین میں دفن کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کہ غیب کسی کو دینا تھا اس لئے کنجی بھی بھیجی۔

حدیث میں ہے۔ **اُوْتِيْتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ** مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو کنجی دی بھی گئی آپ کے لئے فتح باب بھی ہوا۔

(۴) **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمُوتِ وَالْاَرْضِ لَغَيْبِ الْاِلَهِ** (پارہ ۲۰ سورہ ۲۷ آیت ۶۵)

”تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے وہ آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔“

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا۔ کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر المودع جلیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعْنَاهُ يَعْلَمُ الْغَيْبُ بِلَا ذَلِيلٍ اِلَّا اَوْ بِلَا تَعْلِيمٍ اَوْ جَمِيعُ الْغَيْبِ

”اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر بتائے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر مدارک یہی آیت

وَالْغَيْبُ مَا لَمْ يَنْقُمْ عَلَيْهِ ذَلِيلٌ وَلَا اُطْلِعَ عَلَيْهِ مَخْلُوقٌ

”غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔“

مدارک کی اس توجہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب نہیں کیا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے، اس آیت کے کچھ آگے ہے۔ **مِمَّنْ غَائِبٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ**

اِلَّا فِي كِتَابِ مُبِينٍ جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

قادی امام نووی

مَا مَعْنَى قَوْلِ اللَّهِ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمُوتِ وَ اَشْبَاهِ ذَلِكَ مَعَ أَنَّهُ قَدْ عَلِمَ مَا فِي عَدْوِ الْجَوَابِ
مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ اِسْتِغْلَالًا وَّ اَمَّا الْمُعْجَزَاتِ وَالْكَرَامَاتِ فَحَصَلَتْ بِاعْلَامِ اللَّهِ لَا اِسْتِغْلَالًا

آیت **لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمُوتِ** وغیرہ کے کیا معنی ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے ہیں جواب اس کے معنی یہ ہیں کہ غیب کو مستقل طور پر (ذاتی) کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات پس یہ رب کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال۔

امام ابن حجر مکی فتاویٰ مدنیہ میں فرماتے ہیں۔

مَا ذَكَرْنَاهُ فِي الْآيَةِ صَرَخَ بِهِ النَّوَوِيُّ فِي فَتَاوَاهُ فَقَالَ لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ إِسْتِقْلَالًا وَعِلْمٌ بِحَاطَةِ بَيْكَلٍ الْمَعْلُومَاتِ

شرح شفاء غفاری میں ہے۔ هَذَا لَا يَنَافِي الْآيَةَ الدَّالَّةَ عَلَى أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ فَإِنَّ النَّفْيَ عِلْمًا مِنْ غَيْرِ وَاصْطِلَاحًا إِنَّمَا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ فَأَمَرَ مَتَّحِقًا

م نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا اسکی امام نووی نے اپنے فتاویٰ تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے معلومات الہیہ کو کوئی نہیں جانتا یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ نفی بے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے جانتا یہ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض شیعوں کا علم حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور اس میں بالکل نفی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان و ملک الموت کو علم غیب مانا ہے دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۵ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں ہے **إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ** حکم خدا کے سوا کسی کا نہیں **لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ** خدا کی ہی وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں **وَنُفِیَ بِاللَّهِ شَهِيدًا** اللہ کا ہی گواہ ہے **وَنُفِیَ بِاللَّهِ وَكِيلًا** اللہ کا ہی وکیل ہے **وَنُفِیَ بِاللَّهِ حَسِيبًا** اللہ کا ہی حساب لینے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حکومت، ملکیت، گواہی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اب بادشاہ کو حاکم، ہر شخص کو اپنی چیزوں کا مالک، مشرکین کو وکیل محاسب اور عام لوگوں کو مقدمات کا گواہ مانا جاتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان آیات میں حکومت ملکیت وغیرہ سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف بہ عطائے الہی مانے گئے اسی طرح آیات غیب میں توجہ یہ کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطائی کا ثبوت۔

۵) وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ (پارہ ۲۳ سورہ یس آیت ۶۹)

”اور ہم نے اس کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ انکی شان کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر صیحت اور روشن قرآن۔“

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں اولاً یہ کہ علم کے چند معنی ہیں۔ جانا بلکہ (مشق و تجربہ وغیرہ) اس جگہ علم کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ ان کو اچھا برا صحیح غلط شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی ہیں ایک تو وزن و قافیہ والا کلام (غزل) دوسرے جھوٹی اور وہمی یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور وہمی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔

تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ جمالی کلام ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے نہ کہ معنی اور جمالی باتیں **وَنَفْصِلًا لِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمٌ** بمعنی ملکہ قرآن کریم فرماتا ہے **وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ** اور ہم نے ان کو تمہارا ایک پہناؤ بنانا سکھایا۔

دہمی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔

عَلَّمُوا بَيْنَكُمْ الرَّمْيَ یعنی اپنی اولاد کو تیر اندازی سکھاؤ۔

وَالْأَصْحَ أَنَّهُ كَانَ لَا يَحْسِنُهُ وَلَكِنْ كَانَ يُمَيِّزُ جَيِّدَ الشِّعْرِ وَرَدِّيهِ

”زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے تھے لیکن اچھے اور ردی شعر میں فرق فرما لیتے تھے۔“

روح البیان یہی آیت **إِنَّا لَنُحَرِّمُ عَلَيْهِ إِنَّمَا هُوَ إِنْشَاءُ الشِّعْرِ** آپ کے لئے شعر بتانا منع تھا۔ شعر کے معنی ہیں جھوٹا کلام کفار ملکہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں۔ **كُلُّ هُوَ شَاعِرٌ** اس شعر سے مراد جھوٹا کلام تو ان کے اس بقول اس کی تردید اسی آیت نے کر دی کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ **إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ** وہ تو نہیں مگر صیحت اور روشن قرآن یہاں اگر شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس عبارت سے آیت کا کیا تعلق ہوگا۔

عدارک یہی آیت

أَيُّ مَا عَلَّمْنَا النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشِّعْرِ أَوْ مَا عَلَّمْنَاهُ بِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ الشِّعْرَ عَلَىٰ مَعْنَى أَنَّ الْقُرْآنَ لَيْسَ بِشِعْرٍ

”یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔“

خازن یہی آیت۔

وَلَمَّا نَفَىٰ أَن يَكُونَ الْقُرْآنُ مِنْ جِنْسِ الشَّعْرِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ

”جبکہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور روشن کتاب۔“

قِيلَ إِنَّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالُوا إِنَّ مُحَمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا يَقُولُهُ شِعْرٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَكْدِيماً لَهُمْ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشَّعْرَ

”کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تہذیب کیلئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔“

تنبیہ اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو وزن بگڑ جاتا۔

دیکھو اسی خازن میں ہے۔

أَيَّ مَا يَسْهَلُ لَهُ ذَلِكَ وَمَا يُصْلِحُ مِنْهُ بِحَيْثُ لَوْ أَرَادَ نَظَمَ شِعْرٍ لَمْ يَتَأْتِ لِلذَّكَ مَرَاكٍ أَى جَعَلْنَاهُ

بِحَيْثُ لَوْ أَرَادَ قِرَاءَةَ شِعْرٍ لَمْ يَتَسَهَّلْ

”یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست نہ آدا ہوتا تھا اگر کسی شعر کو نظم فرمایا کیا ارادہ فرماتے تو نہ ہو سکتا تھا یعنی ہم نے آپ کو اس طرح کیا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو۔“

تفسیر کبیر وَمَا يَتَسَهَّلُ لَهُ حَتَّى أَنَّهُ إِنْ تَمَثَّلَ لَهُ بَيْتٌ شِعْرٍ سَمِعَ مِنْهُ مُزَاحِفًا

”آپ کو شعر آسان نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ادا فرمانے کا ارادہ فرمادیں تو آپ سے ٹوٹا ہوا سنا جاتا ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور بڑے بڑے شعر اور علماء کا پڑھ نہیں سکتے بہت سے نعت خواں اور قوال علم شعر نہیں رکھتے مگر شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روٹی پکانا جانتے نہیں مگر اچھی بری، موٹی باریک خوب جان لیتے ہیں۔

آپ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور مشق نہ تھی۔ نہ کہ شعر کی پہچان نہ تھی۔ یہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كَانَ أَحَبَّ الْحَدِيثِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ وَأَيْضًا كَانَ أَبْغَضَ الْحَدِيثِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ

”حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا اور نہایت ناپسند بھی۔“

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی جیسے کہ لَاكُلِّ شَيْءٍ مَا خَلَقَ اللَّهُ بَاطِلٌ

اگر اچھے برے شعر کی پہچان نہیں تو یہ تعریف فرمانا کیسا؟ شعر سے مراد جمالی یعنی غیر مفصل کلام اور معنی ہیں۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ الشَّيْخُ الْأَكْبَرُ أَعْلَمُ أَنَّ الشَّعْرَ مَحَلٌّ لِلْجَمَالِ وَاللَّغْوِ وَالتَّوَرِيَةِ أَى مَارَمَزْنَا مُحَمَّدًا عَلَيْهِ

السَّلَامُ شَيْئًا وَلَا أَلْهَمْنَا وَلَا خَطَبْنَاهُ بِشَيْءٍ وَنَحْنُ نُرِيدُ شَيْئًا وَلَا جَعَلْنَا لَهُ الْخِطَابَ حَيْثُ لَمْ يَفْهَمْ

”جانتا چاہیے کہ شعر اجمالی اور بچھلے اور اشاروں کا مقام ہے یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لئے کسی چیز کے اشارے نہ کئے اور نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ کچھ فرمائیں اور خطاب کچھ کریں اور ان سے اس طرح اجمالی کلام نہ فرمایا کہ سمجھ میں نہ آوے۔“

﴿ مِنْهُمْ مَن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ (پارہ ۲۴ سورہ ۳۰ آیت ۷۸)

”ان نبیوں میں سے کسی کا احوال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔“

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توہمیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صراحت ذکر کی نفی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحت بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیلی کی نفی ہے۔ اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وحی ظاہر میں سب کا بیان نہ ہوا۔ وحی خفی میں سب کا ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر صادی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ عَلِمَ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ تَفْصِيلًا كَيْفَ لَا وَهُمْ مُخْلَقُونَ مِنْهُ وَخَلَقَهُمْ لَيْلَةَ الْأَسْرَاءِ فِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَلَكِنَّهُ الْعِلْمُ الْمَكْنُونُ وَإِنَّمَا تَرَكَ بَيَانُ قَصَصِهِمْ لِأَمْتِهِ رَحْمَةً بِهِمْ فَلَمْ يُكَلِّفْهُمْ إِلَّا بِمَا كَانُوا يُطِيقُونَ

”حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیل جان لیا۔ کیونکہ نہ جانیں وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور شب معراج بیت المقدس میں آپ کے حقدار بنے لیکن یہ علم کنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے چھوڑ دیے امت کے لئے ان پر رحمت فرماتے ہوئے پس ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے۔

هَذَا الْإِنشَاءُ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ مِنْهُمْ مَنْ لَّمْ تَقْضُصْ عَلَيْكَ لَأنَّ الْمَنْفِيَّ هُوَ التَّفْصِيلُ وَالنَّاسِئُ هُوَ الْجَمَالُ أَوِ النَّفْيُ مُقَيَّدٌ بِالْوَحْيِ الْجَلِيِّ وَالتَّبَوُّثُ مُتَحَقِّقٌ بِالْوَحْيِ الْخَفِيِّ

یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِنْهُمْ مَنْ لَّمْ تَقْضُصْ عَلَيْكَ کیونکہ نفی تو علم تفصیل کی ہے اور ثبوت علم اجمال کا ہے یا نفی وحی ظاہر (قرآن) کی ہے۔ اور ثبوت وحی خفی (حدیث) کا ہے۔

قرآن فرماتا ہے كَلَّا نَقْصُصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُ بِهِ فُؤَادَكَ

”اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔“

۷) يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَنْجَبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (پارہ ۷ سورہ ۵۵ آیت ۱۰۹)

”جس دن اللہ جمع فرمادیا رسولوں کو۔ پھر فرمادیا کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔ تو ہی غیوب کا خوب جاننے والا ہے۔“

مفسرین نے اس آیت کریمہ کو دو تفسیریں فرمائی ہیں اولاً یہ کہ خدا یا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ اذکار یہ عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفی نفی فرمانے کا وقت ہوگا اس وقت انبیاء نے فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کریں گے ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے۔ جس پر انست مصطفیٰ علیہ السلام انبیاء کرام کی گواہی دے گی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَعَلَىٰ هَٰذَا الْقَوْلِ إِنَّمَا نَقُصُّ عَنْ أَنْفُسِهِمْ وَإِنْ كَانُوا أَعْلَمَاءَ لَأَنْ عِلْمُهُمْ صَارَ كَلَامًا عِلْمٌ عِنْدَ اللَّهِ

”پس اس قول کی بناء پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے علم کی نفی کی اگرچہ وہ جانتے تھے کیونکہ علم اللہ کے علم کے سامنے شل نہ ہونے کے ہو گیا۔“

مدارک قَالُوا ذَلِكْ تَأْذِنًا أَيْ عِلْمُنَا سَاقِطٌ مَعَ عِلْمِكَ فَكَانَتْ لَا عِلْمَ لَنَا

”ان انبیاء نے یہ عرض کیا ادا یعنی ہمارا علم تیرے علم کے ساتھ ساقط ہے پس گویا ہم کو علم ہی نہیں۔“

تفسیر کبیر یہی آیت۔ إِنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمَّا عَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ عَالِمٌ لَا يَجْهَلُ حَلِيمٌ لَا يَسْفَهُ عَادِلٌ لَا يَظْلِمُ عَلِمُوا أَنَّ قَوْلَهُمْ لَا يَفِيدُ خَيْرًا وَلَا يَدْفَعُ شَرًّا فَلَا ذَبَ فِي السُّكُوتِ وَتَفْوِضِ الْأَمْرِ إِلَى اللَّهِ وَعَدَ لَهُ فَقَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بِيضَادٍ يَهِيَ آيَتِ وَقِيلَ الْمَعْنَى لَا عِلْمَ لَنَا إِلَىٰ جَنْبِ عِلْمِكَ

” (ازخازن) انبیاء کرام نے جب جان لیا کہ اللہ عالم ہے بے علم نہیں۔ حلیم ہے سخی نہیں۔ انصاف والا ہے ظالم نہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو بھلائی کا فائدہ دے گی اور نہ مصیبت کو دفع کرے گی۔ پس ادب خاموشی میں ہے اور معاملہ کو اللہ کے عدل کی طرف سپرد کر دینے میں ہے لہذا انہوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے علم کے مقابل علم نہیں۔“

روح البیان یہی آیت إِنَّ هَٰذَا الْجَوَابَ يَكُونُ فِي بَعْضِ مَوَاطِنِ الْقِيَمَةِ وَتَرْجِعُ عُقُوبَتُهُمْ إِلَيْهِمْ فَيَشْهَدُونَ عَلَىٰ قَوْمِهِمْ أَنَّهُمْ بَلَّغُوا الرِّسَالَةَ وَأَنَّ قَوْمَهُمْ كَيْفَ رَدُّوا عَلَيْهِمْ

یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہوگا۔ اور اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور ہمارے قوم نے کیا جواب دیا (مخلصا)۔

۸) وَمَا أَدْرِ مَا يُفَعَّلُ بِي وَلَا بِيَكُم ” اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاویگا اور تمہارے ساتھ کیا۔“

اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی نہ کسی اور کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے رد قول ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں روایت کی لٹھی ہے نہ کہ علم کی۔ وراثت اٹکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیر وحی اپنے قیاس سے یہ امور نہیں جانتا۔ وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے سے پہلے کی ہے۔ لہذا یہ منسوخ ہے۔ تفسیر صاوی میں ہے یہی آیت۔

مَخْرَجَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى عَلَّمَهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ مَا يَعْمَلُ بِهِ وَالْمُؤْمِنِينَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
إِجْمَالًا وَتَفْصِيلًا

”کہ ان سے اور مؤمنین سے اور کافروں سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا جاویگا۔ کہ ان سے اور مؤمنین سے اور کافروں سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔“

علامہ عبدالرحمان محمد شقی رسالہ تاریخ منسوخ میں فرماتے ہیں۔ وَمَا أَدْرِ مَا يُفَعَّلُ بِي وَلَا بِيَكُم نُسَخَ بِقَوْلِهِ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ آيَاتِ مَا أَدْرِ مَنْسُوخَ هِيَ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فَرِحَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالُوا وَالْعَزَى مَا أَمَرْنَا وَآمَرَ مُحَمَّدٌ إِلَّا وَاحِدٌ أَوْ مَالَهُ عَلَيْنَا مِنْ مُزِيَّةٍ وَفَضْلٍ لَوْ لَا أَنَّهُ مَا ابْتَدَعَ مَا يَقُولُهُ لَا خَبْرَهُ الَّذِي بَعَثَهُ بِمَا يُفَعَّلُ بِهِ فَانْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ (الآية) فَقَالَتِ الصَّاحِبَةُ هَيِّنَا لَكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَدْ عَلِمْتَ مَا يُفَعَّلُ بِكَ فَمَاذَا يُفَعَّلُ بِنَا فَانْزَلَ اللَّهُ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ (الآية) وَانْزَلَ وَيَبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا وَهَذَا قَوْلُ أَنَسٍ وَقَتَادَةَ وَعِكْرَمَةَ قَالُوا إِنَّمَا هَذَا قَبْلُ أَنْ يُخْبَرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهِ وَأَنَّمَا أُخْبِرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهِ عَامَ الْحَدِيثِ فَتَسَخَّرَ ذَلِكَ

”جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات وعزى کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے انکو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گمراہ کرنا کہتے ہوتے تو ان کو بھیجے والا خدا نہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کریگا تو رب نے یہ آیت اتاری لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ پس صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتری کہ داخل فرمایا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں (آلائی) اور یہ آیت اتری کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے یہ حضرت انس اور قتادہ و عکرمہ کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور علیہ السلام کو ان کی مغفرت کی خبر دی گئی مغفرت کی خبر آچکھو یہیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔

اگر کوئی کہے کہ یہ آیت لَا أَدْرِ خبر ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت سے علماء فتح خراج کہتے ہیں جیسے وَإِنْ تَبَدُّوا (الآیہ) لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا سِوَا نَفْسِهِ منسوخ ہے ایسے ہی لَا أَدْرِ کو ابن عباس و انس و ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ منسوخ مانا (تفسیر کبیرہ منشورہ وابو سعد) دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا۔ قُلْ لَا أَدْرِ اور قل امر ہے۔ فتح کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر اور معنی میں حکم ہیں جیسے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ بِاللَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ وغیرہ ان جیسی خبروں کا فتح جاز ہے چوتھے یہ کہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفاسیر اور احادیث پر ہے جس سے فتح ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے مذکور بالا مطلب نہ بیان کئے جاویں تو صد ہا احادیث کی مخالفت ہوگی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن لَوَاءُ الْحَمْدِ ہمارے ہاتھ میں ہوگا آدم و آدمیان ہمارے جہنم کے نیچے ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا حوض ایسا ہوگا۔ اس کے برتن اس طرح ہوں گے وغیرہ وغیرہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کئے جو انان جنت کے سردار ہیں۔ فاطمہؓ ہر خاتون جنت کی سردار ہیں۔ کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک آدمی بہت اچھا جہاد کر رہا ہے صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخر کار اس نے خود کشی کی۔ اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہ ہوتا اپنی اور دیگر حضرات کی یہ خبریں کس طرح سنا رہے ہیں وہ تو جس کے ایمان کی رجحانی فرمادیں۔ وہ کامل

مومن ہے۔ اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں، خدا درست سمجھ عطا فرمادے آمین۔

﴿لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ تَعْلَمُهُمْ﴾ (پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۰۱) ”تم ان کو نہیں جانتے ہم انکو جانتے ہیں۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دربار میں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے پھر علم غیب کیسا؟ مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ اور ضرورتاً ان کو بات کے طریقہ سے پہچان لو گے لہذا یہ آیت منسوخ ہے یا یہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے انکو نہیں پہچانتے۔
جمل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ كَيْفَ نَعِيَ عَنْهُ عِلْمُ بِحَالِ الْمُنَافِقِينَ وَ أَتَيْتَهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ
فَالْجَوَابُ أَنَّ آيَةَ النَّفْيِ نَزَلَتْ قَبْلَ آيَةِ الْإِثْبَاتِ

اسی جمل میں زیر آیت۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ہے فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ
السَّلَامُ إِلَّا عَرَفَهُ وَيَسْتَدِلُّ عَلَى فَسَادِ بَاطِنِهِ وَنِفَاقِهِ

اسی جمل میں زیر آیت۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ہے فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ
السَّلَامُ إِلَّا عَرَفَهُ وَيَسْتَدِلُّ عَلَى فَسَادِ بَاطِنِهِ وَنِفَاقِهِ

اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کیوں کی گئی حالانکہ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ میں اس کے جانے کا ثبوت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے اتری ہے اس آیت کے بعد کوئی بھی منافق حضور علیہ السلام کی حرمت میں کلام نہ کرتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام ان کو پہچان لیتے تھے اور اس کے فساد باطن اور نفاق پر دلیل پکڑتے تھے۔
تفسیر بیضاوی یہی آیت۔

خَفِيَ عَلَيْكَ حَالُهُمْ مَعَ كَمَالِ فِطْنَتِكَ وَصِدْقِ فَرَسَتِكَ

”آپ پر ان کا حال باوجود آپ کی کمال سمجھ اور سچی مردم شناسی کے مخفی رہ گیا۔“

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اندازے سے پتہ لگا لینے کی نفی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں کو پہچانتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔
عینی شرح بخاری جلد ۲۲ صفحہ ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَخْرُجْ يَا فُلَانٌ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ فَأَخْرَجَ مِنْهُمْ نَاسًا فَقَضَحَهُ

”حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ پس فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے ان میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا۔“
شرح شفا علی قاری جلد اول صفحہ ۲۲۱ میں فرماتے ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الْمُنْفِقُونَ مِنَ الرِّجَالِ ثَلَاثَةَ مِائَةٍ وَمِنَ النِّسَاءِ مِائَةٌ وَسَبْعِينَ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین مرد تین سو تھے اور عورتیں ایک سو ستر۔“

ہم اثبات علم غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم پر ہماری امت پیش کی گئی۔ لہذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومن کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لئے آئی۔ ان سب دلائل میں مطابقت کرنے کے لئے یہ توجیہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام اظہار غضب کے لئے ہوتا ہے اگر بچہ کو باپ مارنے لگے اور کوئی باپ سے بچائے تو وہ کہتا ہے کہ اس خبیث کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی نفی نہیں۔

۱۰) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَا تَصْلُ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا** حضور علیہ السلام نے عبد اللہ ابن ابی منافق کی نماز جنازہ یا تو پڑھ لی یا پڑھنا چاہی فاروق اعظم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ سنی تب یہ آیت اتری۔ جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ اگر علم غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

جواب اس منافق کا حضرت عباس پر کچھ احسان تھا اور اس کا فرزند قتلص مومن تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ لہذا دینی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تفسیر کبیر و روح البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت تو تھی اور شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جس پر حضور علیہ السلام نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور نہ تھا کہ حبیب کا دشمن ظاہری عزت بھی پاوے۔ لہذا قرآن کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرمادی غرضیکہ اس مسئلہ کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کریم کا کریم غیر اختیاری ہوتا ہے۔ اور پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظم کو پتہ لگ جائے مگر حضور کو پتہ نہ لگے۔

۱۱) **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا** (بارہ سورہ ۱۷ آیت ۸۵)
 ”اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ ملا مگر تھوڑا۔“

مخالفین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے لہذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا اس میں تین امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہذا اس آیت کوئی علم روح کی دلیل بنانا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھوڑا سا دیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ **قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي** کے معنی حضرت قبلہ عالم شیخ مہر علی شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ الرحمۃ نے

سیف چشتیائی میں حضرت محی الدین ابن عربی سے یہ نقل فرمایا کہ **قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي** فرمادو کہ روح امر رب سے ہے۔ یعنی عالم بہت سے ہیں عالم عناصر، عالم امر، عالم امکان وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے کیونکہ اے کافرو تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ روح البیان میں زیر آیت **لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ** ہے۔

لَآئِهٖ تَجَاوَزُ فِیْ بِلَکِ السَّیْلَةِ عَنِ الْعَنَاصِرِ ثُمَّ عَنِ عَالَمِ الطَّبَعِیَةِ ثُمَّ عَنِ عَالَمِ الْأَرْوَاحِ حَتّٰی وَصَلَ اِلَیْ عَالَمِ الْأَمْرِ وَعَنِ الرُّؤْسِ مِنَ الْعَالَمِ الْأَجْسَامِ فَانْسَلَخَ عَنِ الْکُلِّ وَرَآیَ رَبَّہٗ بِالْکُلِّ

”حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم عناصر سے آگے بڑھے پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں تک کہ عالم امر تک جا پہنچے اور سر کی آنکھ عالم اجسام سے ہے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو گئے اور رب تعالیٰ کو کل ذات سے دیکھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی سیر نہیں فرمائی بلکہ خود بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور اپنے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر روح کی کمر خوشی رہ سکتی ہے۔ جس طرح ہم جسم کو کھوجتے ہیں یسوی علیہ السلام آدھے بشر اور آدھے روح تھے کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح **فَاَرْسَلْنَا اِلَیْہَا رُوحَنَا** ہم نے حضرت مریم کے پاس اپنی روح یعنی جبریل کو بھیجا۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی بھونک سے ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔ فتوحات کلیہ باب ۵۷۵ شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

فَكَانَ نَصْفُهُ بَشَرًا وَ نَصْفُهُ الْاٰخَرُ رُوْحًا مُطَهَّرًا مَلٰٓئِکَۃً جَبْرِیْلَ وَهَبَہٗ لِمَرْیَمَ

”حضرت مسیح نصف بشر اور نصف دوم پاک روح ہیں۔ کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو انہیں بخشا۔“

اور ان کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سر تا پا روح ہیں۔

روح البیان نے اسی آیت **لَا تُدْرِكُ** کے ماتحت لکھا ہے۔

الْحَقِیْقَةُ الْمَحْمَدِیَّةُ هِیَ حَقِیْقَةُ الْحَقَائِقِ وَهُوَ الْمَوْجُوْدُ الْعَامُّ الشَّامِلُ

”حقیقت محمدیہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہ ہی وجود عام ہے۔“

لہذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ روح وہ جو امر یعنی کن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ حقیقت محمدیہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ عالم کی روح حقیقی میں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل مراد ہیں۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کائنات؟ جبریل کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ قرآن امر الٰہی ہے نہ شعر ہے نہ جادو۔ جبریل امر الٰہی سے آتے ہیں۔

وَمَا يَسْتَرْزُلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ اسی کبیر میں ہے۔ فَاِذَا كَانَ مَعْرِفَتُ اللّٰهِ تَعَالٰی مُمَكِّنَةً بَلْ حَاصِلُهُ فَاِیْ مَا یُحْصٰی یَمْنَعُ مِنْ مَعْرِفَةِ الرُّوْحِ ”جب حضور علیہ السلام خدا کو پہچانیں تو روح کو کیوں نہ پہچانیں۔“
تیسرے یہ کہ مفسرین و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔
تفسیر خازن نے اسی آیت کے ماتحت لکھا۔

قِيلَ إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلِمَ مَعْنَى الرُّوْحِ لَكِنْ لَمْ يَخْبِرْ بِهِ لِأَنَّهُ تَرَكَ الْاِخْبَارَ كَمَا عَلَّمَا لِنُبُوَّتِهِ
وَالْقَوْلُ الْأَصَحُّ أَنَّ اللَّهَ اسْتَأْذَنَ يَعْلَمُ الرُّوْحَ

”کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن اسکی خبر نہ دی کیونکہ یہ خبر دینا آپکی نبوت کی علامت اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح سے خاص ہے۔ اس عبارت میں علم روح ماننے والوں کو شرک نہ کہا گیا اور شان کے قول کو غلط بتایا۔“
تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

جَلَّ مَنْصَبُ حَبِيبِ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ جَاهِلًا بِالرُّوْحِ مَعَ أَنَّهُ عَالِمٌ بِاللَّهِ وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ وَعَلَّمَكَ
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

”حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ روح سے ناواقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف ہیں رب نے آپ پر احسان جنایا کہ فرمایا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتادیا۔“

تفسیر مدارک یہی آیت۔ وَقِيلَ كَمَا الشَّوَالُ عَنْ خَلْقِ الرُّوْحِ يَعْنِي مَخْلُوقٌ أَمْ لَا لِقَوْلِهِ مِنْ أَمْرِ رَبِّي دَلِيلُ
خَلْقِ الرُّوْحِ فَكَانَ جَوَابًا

”کہا گیا ہے کہ سوال روح کی پیدائش سے متعلق تھا کہ روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان مِنْ أَمْرِ رَبِّي روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے لہذا یہ جواب ہو گیا۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے، مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۴ وصل ایہ ارسائی کفار فقہراء صحابہ را میں شیخ فرماتے ہیں۔

”چہ گوند جرات کند مؤمن عارف کہ نفی علم حقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین کند و داوہ است و اراحق سبحانہ علم ذات و صفات خود فتح کردہ برائے افق تبیین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جب جامعیت وے قطره ایست از دریا و ذرہ ایست از پیدا۔“

احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

وَلَا تَطْنُ أَنْ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مَكْشُوفًا لِرَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ نَفْسَهُ فَكَيْفَ
يَعْرِفُ اللَّهَ شُبْحَنَهُ فَلَا يُعَدُّ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مَكْشُوفًا لِبَعْضِ الْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ

”مؤمن عارف یہ ہمت کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ رب نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا ہے اور ان پر علوم اولین و آخرین کھول دیئے حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ اور جنگل کا ایک ذرہ ہے۔ تم یہ گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو نہ تھی۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا۔ وہ اللہ کو کس طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں کہ روح بعض اولیاء و علماء کو ظاہر ہو۔“

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور کے صدقے سے بعض علماء و اولیاء کو بھی ملا۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا۔ مگر وہ بلا دلیل ہے۔ نیز جب ثبوت نفی کے دلائل ہوں تو ثبوت کو اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کر چکے ہیں۔

۱۲) عَفَّا اللَّهُ عَنْكَ لِمَا أَذْنَتْ لَهُمْ غزوہ جہوک میں بعض منافقین نے غلط بہانہ کر کے شرکت نہ کی۔ حضور علیہ السلام کو ان کی حیلہ سازی کا پتہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جانگی اجازت دے دی اس آیت میں آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل حال آپ پر ظاہر ہوتا۔

جواب نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور ان کے قریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش! آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سے ہوئی تھی؟ عَفَّا اللَّهُ کلمہ دعائیہ ہے نہ کے عتاب۔

۱۳) يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِلُهَا فِيمَ انتَّ مِنْ ذِكْرِهَا (پارہ ۳۰ سورہ ۹۹ آیت ۲۲، ۲۳)

”تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لئے ظہری ہوئی ہے تم کو اس بیان سے کیا تعلق۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی۔ لہذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا۔ جواب صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ بھی عطا فرمایا۔ مفسرین نے اس آیت کی چند توجہیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے مقصود سائلین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپ کے علم کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ **انتَّ مِنْ ذِكْرِهَا** آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جان لینا چاہیے کہ قیامت قریب ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتائے نہیں بھیجے گئے۔

تفسیر صادی یہی آیت۔

وَهَذَا قَبْلَ إِعْلَامِهِ بِوَقْعِهَا فَلَا يَنُفِي أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِجَمِيعِ مَغِيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

”یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیے۔“

روح البیان یہی آیت۔

قَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ إِلَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ وَهُوَ لَا يَنَالُ فِي الْحَصْرِ فِي الْآيَةِ

”بعض مشائخ اصرار کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے وقت جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور یہ قول اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔“

روح البیان میں یہی آیت پارہ ۹ زیر آیت **يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ خَفِيٌّ عَنْهَا** میں بھی ہے اور وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷۰ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیح ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔

تفسیر خازن یہی آیت **وَقِيلَ مَعْنَاهُ فِيمَ انْكَارَ لِسْوَائِهِمْ أَى فِيمَ هَذَا السُّوَالُ ثُمَّ قَالَ أَنْتَ يَا مُحَمَّدُ مِنْ ذِكْرِهَا أَى مِنْ عَلَامَتِهَا لِأَنَّكَ اخِرُ الرُّسُلِ فَكَفَّاهُمْ ذَلِكَ دَلِيلًا عَلَى دُنُوِّهَا**

”کہا گیا ہے کہ **فِيمَا** کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی ان کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں پس ان کو دلیل کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔“

تفسیر مدارک یہی آیت **أَوْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يَذْكُرُ السَّاعَةَ وَيُسْتَلَّ عَنْهَا حَتَّى نَزَلَتْ فَهَوَّ تَعَجُّبٌ مِنْ كَثْرَةِ ذِكْرِهَا**

”یا حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور اسکے بارے میں سوال کئے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اتری پس یہ آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔“

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

مدارک یہی آیت اَوْفِيْمَ اِنْكَارَ لِسْوَٰلِهِمْ عَنْهَا اٰی فِیْمَ هٰذَا السَّوَالِ ثُمَّ قَالَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا وَاَنْتَ اٰخِرُ
 الْاَنْبِیَآءِ عَلَٰمَةٌ مِنْ عَلَٰمَاتِهَا فَلَا مَعْنٰی لِسْوَٰلِهِمْ عَنْهَا
 ”یافیم کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔
 قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں اب انکے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔“
 اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا قیامت کے متعلق پوچھنا لغو ہے آپ خود اس کی علامت ہیں وہ کیوں پوچھتے ہیں۔
 مدارک یہی آیت۔

قِيلَ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا مُتَّصِلٌ بِالسَّوَالِ اٰی یَسْتَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اٰیَاَنْ مَرَّ سَنَهَا وَیَقُوْلُوْنَ اَیْنَ
 اَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ثُمَّ اسْتَأْنَفَ فَقَالَ اِلٰی رَبِّكَ
 ”اور کہا گیا ہے کہ فیم انت سوال سے ملا ہوا ہے یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا
 علم کہاں سے آیا پھر رب تعالیٰ نے اپنی بات شروع کی اِلٰی رَبِّكَ اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے
 ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔

مدارک یہی آیت اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ مَّنْ یُّخَشِّیْهَا اٰی لَمْ تُبْعَثْ لَتُعَلِّمَهُمْ بِوَقْتِ السَّاعَةِ اِنَّمَا اَنْتَ الْغٰی
 ”یعنی آپ اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ ان کو قیامت کے وقت کی خبر دیں۔“
 اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں ورنہ نہیں۔ محض یہ ہودہ ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت
 کے فرائض میں سے نہیں۔ نبی کے لئے تبلیغ احکام ضروری ہے۔
 مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۴ وصل ایذا رسائی کفار کفر و ایمان کا بیان ہے۔
 و بعض علماء علم ساعہ نیز مثل اس معنی مختلف اند ”یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا۔“

(۱۴) یَسْتَلُوْنَكَ کَاَنْتَکَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عَلِمْتُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (ہارہ ۹ سورہ ۷۷ آیت ۱۸۷)
 ”تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اس کو خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“
 مخالفین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو
 قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دینے کی لٹی نہیں۔ دوم یہ کہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے۔
 تفسیر صادی یہی آیت وَالَّذِیْ یَجِبُ الْاِیْمَانُ بِہِ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَنْقُلْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَہُ اللّٰهُ
 بِجَمِیْعِ الْمَغِیْبَاتِ الَّتِیْ تَحْصُلُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ فَہُوَ یَعْلَمُہَا کَمَا ہِیَ عَیْنٌ یَّقِیْنٌ لِّمَا وُرِدَ رُفِعَتْ
 لِی الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِیْہَا کَمَا اَنْظُرُ اِلَیْ کَفٰی ہٰذِہٖ وُورَدَ اَنَّهُ اُطْلِعَ لِی الْجَنَّةَ وَمَا فِیْہَا وَالنَّارَ وَمَا
 فِیْہَا وَغَیْرَ ذٰلِکَ مِمَّا تَوَاتَرَتْ الْاَخْبَارُ وَلٰکِنْ اَمْرٌ بِکِتْمَانٍ بَعْضُہَا

”جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے آپ کو وہ تمام چیزیں بتا دیں جو دنیا اور آخرت
 میں آیا کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں
 اور دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔“

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ یَسْأَلُوْنَكَ عَنْہَا کَاَنْتَکَ حَفِیٌّ یعنی یہ لوگ آپ سے اس طرح
 پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو بتائی دیں گے حالانکہ یہ اسرار الٰہی میں سے ہے اغیار سے چھپاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ
 حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے مگر اظہار کی اجازت نہیں۔

يَسْتَلِكُ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عَلَّمَهَا عِنْدَ اللَّهِ (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت ۶۳)

”لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

جواب تفسیر صادی یہی آیت **إِنَّمَا وَقْتُ السَّوَالِ وَالْأَقْلَمُ يَخْرُجُ نَبِيْنَا عَلَیْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى جَمِيعِ الْمَغْیَبَاتِ وَمِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ**

”یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تھا ورنہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبوں پر مطلع فرمادیا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے۔“

روح البیان یہی آیت۔ **وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ النَّبِيِّ أَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبَ بِغَيْرِ تَعْلِيمٍ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى**

”اور نبی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے غیب جانے۔“

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جانے پر دلیل پکڑنا غلط ہے۔
تفسیر صادی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

الْمَعْنَى لَا يَقْبِضُ عِلْمُهُ غَيْرُهُ تَعَالَى فَلَا يَنْبَغِي أَنْ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَمَا هُوَ كَائِنْ وَمِنْ جُمْلَتِهِ عِلْمُ السَّاعَةِ

”معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرمادیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔“

خوافین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مشکوٰۃ کی وہ ہدایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا **أَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ** مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا۔ **مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ** یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی۔ ورنہ فرماتے **لَا أَعْلَمُ** ”میں نہیں جانتا“ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اسے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی

خبر ہے اور تم کو بھی اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جواب سن کر حضرت جبریل نے عرض کیا۔ **فَأَخْبِرْ عَنْ أَمَّا رَاتِهَا** تو قیامت کی نشانیاں ہی بتا دیجئے اس پر حضور علیہ السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولادنا فرمان ہوگی او کمین لوگ عزت پائیں گے وغیرہ وغیرہ جس کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ ان سے نشان پوچھنا کیا معنی؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا۔
مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے۔

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ ”قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔“

کلمہ اور صحیح کی انگی ملا کر فرمایا۔

بُعِثْتُ أَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ ”ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔“ (مشکوٰۃ باب غلبہ یوم الجمعہ)

یعنی ہمارے زمانہ کے بعد کس قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں۔ کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ نہ ابھی دجال آیا نہ حضرت مسیح و مہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی۔ سنہ ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت تورج الاول میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو کوئی بھی اہم واقعہ ہوا اس سال منسوب کر دیا۔ سال فیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کس طرح بتایا جاسکتا تھا۔ اس دن کے علامات وغیرہ سب بتا دیئے اور جو ذات اس قدر تفصیلی علامتیں بیان کرے وہ بے علم کس طرح ہو سکتی ہے؟ نیز ہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من و عن واقعات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو۔ کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا

کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء دوہلی ہوگی چیزوں میں سے ایک کی انتہا کا علم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدر الافاضل مرشدی استاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایک تقریر کے دوران ارشاد فرمائی۔

اعتراض ۱۶ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ

مَازَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (پارہ ۲۱ سورہ ۳۱ آیت ۳۴)

”بھگت اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے بارش اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بھگت اللہ جاننے والا بتاتا ہے۔“

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کیلئے ثابت کرے وہ شرک ہے اسی کو علوم غمہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی، بارش کب ہوگی، عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شرح مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ **فَسَيُخَمِّسُ لَا يَعْلَمُ هُنَّ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ** یعنی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ہم علوم غمہ کے بارے میں نہایت منصفانہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے ترنائے قبول رکھتے ہیں اولاً اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیرات احمدیہ زیر آیت مذکورہ۔

وَلَكَّ أَنْ تَقُولَ إِنَّ عِلْمَ هَذِهِ الْخَمْسَةِ وَأَنْ لَا يَعْلَمَهَا أَحَدٌ إِلَّا اللَّهُ لَكِنْ يَجُوزُ أَنْ يَعْلَمَهَا مَنْ يُشَاءُ مِنْ

مُحِبِّيهِ وَآوَلِيَّاءِهِ بِقَرِينَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ بِمَعْنَى الْمُخْبِرِ

”اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے ولیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے کھائے اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خیر بمعنی خبر۔“

تفسیر صادی آیت **مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا** کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَيُّ مَنْ حَيْثُ ذَاتُهَا وَأَمَّا بِاعْلَامِ اللَّهِ لِلْعَبِيدِ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ كَمَا لَا نَبِيَّاءَ وَبَعْضُ الْآوَلِيَّاءِ قَالَ تَعَالَى وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ قَالَ تَعَالَى فَلَا يَظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَلَا مَانِعَ مِنْ كَوْنِ اللَّهِ يُطْلِعُ بَعْضَ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ عَلَى بَعْضِ الْمَغْشِيَّاتِ فَتَكُونُ مُعْجَزَةً لِلنَّبِيِّ وَكَرَامَةً لِلرُّسُلِ وَلِذَلِكَ قَالَ الْعُلَمَاءُ الْحَقُّ أَنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ نَبِيٌّ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى تِلْكَ الْخَمْسِ

”یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے بتانے سے جانتا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے انبیاء اور بعض اولیاء رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض ایک بندوں کو بعض غیووں پر مطلع فرماوے تو کوئی مانع نہیں پس یہ علم نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہوگا اسی لئے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرما دیا۔“

تفسیر عرائس البیان زیر آیت **يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ** ہے۔

سَمِعْتُ أَيْضًا مِنْ بَعْضِ الْآوَلِيَّاءِ أَنَّهُ أَخْبَرَ مَا فِي الرَّحِمِ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَرَأَيْتُ بِعَيْنِي مَا أَخْبَرَ

”ہم نے بعض اولیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں سے وہی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔“

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا رَوَى عَنْ الْأَنْبِيَاءِ وَالْآوَلِيَّاءِ مِنَ الْأَخْبَارِ عَنِ الْغُيُوبِ فَيَتَعَلَّمُ اللَّهُ إِمَّا بِطَرِيقِ الْوَحْيِ أَوْ بِطَرِيقِ الْإِلَهَامِ وَالْكَشْفِ وَكَذَلِكَ أَخْبَرَ بَعْضُ الْآوَلِيَّاءِ عَنْ نُزُولِ الْمَطَرِ وَأَخْبَرَ عَمَّا فِي الرَّحِمِ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى فَوَقَعَ كَمَا أَخْبَرَ

”اور جو غیب کی خبریں انبیاء و اولیاء سے مروی ہیں پس یہ اللہ کی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض اولیاء نے بارش آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی تو وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔“

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کرچکے ہیں۔ جو علوم غمہ میں سے ہے۔

ان تقاسیر کی عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اس پر اخصار کرتا ہوں اب رہی مشکوٰۃ شروع کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں جانتا اس کی شرحیں ملاحظہ ہوں امام قسطلی، امام بخاری، امام قسطلانی شرح بخاری میں اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَمَنْ ادَّعَىٰ شَيْئًا مِنْهَا غَيْرَ مُسْنِدٍ إِلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ كَاذِبًا فِي دَعْوَاهُ
 ”میں جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت کئے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔“
 احادیث میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

الْمُرَادُ يَعْلَمُ بِذَوْنِ تَعْلِيمِ اللَّهِ تَعَالَىٰ ”مراد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔“
 ائمہ المدعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ”مراد آنسب کہ بے تعلیم الہی بحساب عقل ایسا را اندام امور الغیب اند کہ کہ جز خداے تعالیٰ کے آں را نداند مگر آنکد دے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی والہام بداند۔“ مراد یہ ہے کہ ان امور غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے اندازہ سے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتا دے۔ وحی یا الہام سے۔
 امام قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ مد میں فرماتے ہیں۔

لَا يَعْلَمُ مَتَىٰ تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ وَالْأَمَنُ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يُطْلِعُهُ عَلَىٰ غَيْبِهِ وَالْوَلِيُّ التَّابِعُ لَهُ يَأْخُذُهُ عَنْهُ
 ”کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالیٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کا تابع ولی ان سے وہ غیب لیتا ہے۔“

انجام الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ باب اشرط الساعتہ زیر حدیث **خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ** ہے۔

أَخْبَرَ الصُّدَيْقُ زَوْجَتَهُ بِنْتُ خَارِجَةَ أَنَّهَا حَامِلَةٌ بِنْتُ فَوْ لَدَتْ بَعْدَ وَقَاتِهِ أَمْ كُلُّوْمُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ فَهَذَا مِنَ الْفِرَاسَةِ وَالظَّنِّ وَيَصَدِّقُ اللَّهُ فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ
 ”صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنت خاریجہ کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہیں۔ لہذا صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق پیدا ہوئیں پس یہ فراست اور ظن ہے خدا تعالیٰ مومن کی فراست کو سچا کر دیتا ہے۔“
 سید شریف عبدالحزیز مسعودی اب الاریز میں فرماتے ہیں۔

هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْآيَةِ وَكَيْفَ يَخْفَىٰ ذَلِكَ وَالْأَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ أُمَّةٍ الشَّرِيفَةِ يَعْلَمُونَهَا وَهُمْ دُونَ الْغَوِثِ فَكَيْفَ بِالْغَوِثِ فَكَيْفَ بِسَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ الَّذِي هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ
 ”حضور علیہ السلام پر ان پانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے ساتھ قطب ان کو جانتے ہیں پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء علیہ السلام کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جن سے ہر چیز ہے۔“
 علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا هُوَ مَعْنَاهُ بَأَنَّهُ لَا يَعْلَمُهَا أَحَدٌ بِذَاتِهِ إِلَّا هُوَ لَكِنْ قَدْ يَعْلَمُ بِهِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ فَإِنَّ لَمْ مَنْ يَعْلَمُهَا وَقَدْ وَجَدْنَا ذَلِكَ بِغَيْرِ وَاحِدٍ كَمَا رَأَيْنَا جَمَاعَةً عَلِمُوا أَمْنِي يُمَوِّثُونَ وَعَلِمُوا مَا فِي الْأَرْحَامِ
 ”حضور علیہ السلام کا فرمانا **إِلَّا هُوَ** اس کے معنی یہ ہیں کہ انکو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ کے بتانے سے جان لیتے ہیں کیونکہ یہاں وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں ہم نے متعدد کو ایسا پایا جیسے ہم نے ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ جان لیتے ہیں کہ کب مر گئے اور جانتے ہیں حکم کے پیکر۔
 یہی علامہ جلال الدین سیوطی خصال شریف میں فرماتے ہیں۔

عَرَضَ عَلَيْهِ مَا هُوَ كَائِنٌ فِي أُمَّتِهِ حَتَّىٰ تَقُومَ السَّاعَةُ

”حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونوالی ہیں۔“

علامہ جوہری شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۴۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا الْاَبْعَدَ اَنْ اَعْلَمَهُ اللهُ بِهَذِهِ الْاُمُورِ الْخَمْسَةِ
”حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لیکے مگر اسکے بعد کہ اللہ نے آجکان پانچوں چیزوں کا علم بتا دیا۔“
جمع النہایہ میں علامہ شتوائی فرماتے ہیں۔

قَدْ وَرَدَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُخْرِجُ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى اَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
”یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے خارج نہ کیا یہاں تک کہ ہر چیز پر مطلع کر دیا۔“
یہی علامہ شتوائی اسی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ لَا يَعْلَمُ هَذِهِ الْخَمْسَ عِلْمًا لَدُنْيَا ذَاتِيًّا بِلَا وَاسِطَةٍ اِلَّا اللَّهُ فَالْعِلْمُ بِهَذَا الصِّفَةِ مِمَّا
اِخْتَصَّ اللَّهُ بِهِ وَاَمَّا بِوَاسِطَةٍ فَلَا يَخْتَصُّ بِهِ
”بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی طور پر بلا واسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اس طرح کا علم خدا سے خاص ہے لیکن علم بالواسطہ وہ خدا سے خاص نہیں۔“

فتوحات دہلیہ شرح اربعین نووی میں فاضل ابن عطیہ فرماتے ہیں۔

الْحَقُّ كَمَا جَمَعَ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يَقْضُ لِنَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى اَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ مَا اَبْهَمَ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهُ اَمَرَ
بِكُنْهٍ بَعْضِ وَالْاَعْلَامِ بِبَعْضٍ
”حق وہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو وفات نہ دی یہاں تک کہ پوشیدہ چیزوں پر خبردار کر دیا لیکن بعض کے چھپانے اور بعض کے بتانے کا حکم دیا۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب بستان محدثین صفحہ ۱۱۴ میں فرماتے ہیں۔ ”نقل می کنند کہ والد شیخ ابن حجر از فرزند می زیست کہیدہ خاطر بحضور شیخ فرمود کہ از پشت تو فرزندمے خواہد آمد کہ بعلم خود خود نیاراپر کند۔“
نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی بچہ نہ جیتا تھا۔ طول دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایسا فرزند ہوگا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔ یہاں تک کہ علوم غریبہ کے نقلی دلائل تھے۔ اسکی عقلی دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم تحفیر الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ حکم ماور میں بچے بننے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا يَأْتِيهِ كَلِمَاتٌ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَأَجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيئٌ أَوْ سَعِيدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ
”یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں بتا کر بھیجتا ہے وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اسکا علم اسکی موت اس کا رزق اور یہ کہ نیک ہے یا بد بخت پھر روح پھونکی جاتی ہے۔“

یہی علوم غریبہ ہیں اور تمام موجودہ اور گزشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کا حسب تقدیر جانتا ہے۔ مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يُخْلَقَ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ
”اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔“

معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں علوم غریبہ ہیں۔ تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء جن کی نظروں محفوظ پر رقی ہے ان کو یہ علوم غریبہ حاصل ہوئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ جیٹاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولاد آدم کی رو میں سیاہ و سفید رنگ میں دکھادی گئیں کہ سیاہ رو میں کافروں کی ہیں سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ ان کے داہنے جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح ہیں یعنی جنتی دوزخی لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو ملامت فرما کر غمگین۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لئے ہوئے مجمع صحابہ میں تشریف لائے۔ اور داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ نام مع ان کے قبال کے ہیں۔ اور آخر میں ان ناموں کا نوٹ بھی لگا دیا گیا ہے۔ کہ کل کتنے۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا۔ **الظَّاهِرُ مِنَ الْاَشَارَاتِ اَنْهُمَا حَسْبَانِ وَقِيلَ تَمَثَّلْ**۔ اشارہ سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھنے میں آ رہی تھیں۔ اسی مکتلۃ باب عذاب القبر میں ہے کہ جو مردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ **فَلَدُّنَا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُولُ هَذَا** ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحانِ مینت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان تو فقط پابندی قانون یا معترض کا منہ بند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آئے والا ہے اس جھگڑا نہ کر مکتلۃ کتاب الزکاح فی عشرة النساء معلوم ہوا کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے جنگ بدر میں ایک دن پہلے زمین پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کا قبر مرے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہوا۔ (مکتلۃ کتاب الجہاد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم خمسہ کا علم اللہ نے بعض بندوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علویں کو عید تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطا کی حادث ہو کر خدا کی مقدرت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ صفت الہی میں شرکت نہ تو کلا جائز نہ بعضاً۔ ان دلائل کے جواب ان شاء اللہ مخالف سے نہ بن سکیں گے۔

اعتراض ۱۶ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ متشابہات آیات کی تاویل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات آیات کا علم نہ تھا۔

جواب اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ** اپنے حبیب کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھادیا تو متشابہات بھی سکھا دیے۔ اسی لئے حنفی مذہب کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا نازل کرنا بیکار ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ **وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ** پر وقف کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ اور مضبوط علماء کے سوا کسی کو نہیں۔

دوسری فصل

ثقی غیب کی احادیث کے بیان میں

مخالفین نبی غیب کے لئے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم نہ دیا بلکہ کسی میں تو ہے۔ **اللّٰهُ اَعْلَمُ** کسی میں ہے مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی۔ کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور یہ تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں۔ نہ بتانا یا پوچھنا یا **اللّٰهُ اَعْلَمُ** فرمانا اور بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود مخفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عالم فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح قطعاً الدالالت ایسی لاؤ۔ جس میں عطائے علم غیب کی نفی ہو۔ مگر ان شاء اللہ نہ لاسکتیں گے۔ یہ جواب نہایت کافی تھا مگر پھر بھی ان کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ **وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ**

اعتراض (۱) مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بچیاں دف بجا کر جنگ بدر کے مقتولین کے مرثیہ کے گیت گانے لگیں ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ ”ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔“

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہ ہی گائے جاؤ جو پہلے گاری تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر ہوتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے۔ سچی بات سے کیوں روکا۔

جواب اولاً تو غور کرنا چاہیے کہ میر مصرع خود ان بچیوں نے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بنانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کافر و مشرک نے بنایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے تھے لہذا یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بنانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور ﷺ نے نہ تو اس شعر بنانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گانے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے اولاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے۔ تو بطور انکسار کہتے ہیں۔ ارے میاں! یہ باتیں چھوڑ دو وہ ہی باتیں کرو۔ یہ بھی انکسار افرمایا۔ دوم یہ کہ کھیل کود، گانے بجانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی اس کے لئے ادب چاہئے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ آج کل نعت خواں کرتے ہیں کہ نعت دمرثیہ کو ملا ملا کر پڑھتے ہیں۔

مرقاۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

لِكَرَامَةِ نَسَبِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَدْرِي أَن يَذْكُرَ فِي أَثْنَاءِ ضَرْبِ الدَّقِّ وَأَثْنَاءِ مَرَاتِبَةِ الْقَتْلِ لِعُلُوِّ مَنْصَبِهِ عَنْ ذَلِكَ

”منع فرمایا کہ علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو۔ کیونکہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہ ہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا زور دف بجانے میں یا مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے۔“

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

”مفتی اند کہ منع آنحضرت ازین قول بجهت آن است کہ دروے اسناد علم غیب است بہ آنحضرت را ناخوش آمد و بعضے گویند کہ بجهت آن است کہ ذکر شریف دے در انجا کہ مناسب نہ باشد۔“

شارحین نے کہا ہے حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اسلئے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے۔ لہذا آپ کو ناپسند آئی اور بعض نے فرمایا کہ آپ کا ذکر شریف کھیل کود میں مناسب نہیں۔“

اعتراض (۴) مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نزدِ رخت کی شاخ مادہ درخت میں لگے تھے تاکہ بھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور ﷺ نے منع فرمایا (اس کام کو عربی میں تلخ کہتے ہیں) انصار نے تلخ چھوڑ دی۔ خدا کی شان بھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرکارِ دو عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا۔

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُورِ دُنْيَاكُمْ ”اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو۔“

معلوم ہوا کہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ مسیح روکنے سے پھل گھٹ جاوینگے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔

جواب حضور علیہ السلام کا فرمانا **اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُورِ دُنْيَاكُمْ** اعلیٰ ہمارا رضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ متاثر کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان۔ اس سے نفی علم مقصود نہیں۔

شرح شفاء علی قاری بحث حجرات میں فرماتے ہیں۔

وَحُصَّةُ اللَّهِ مِنَ الْإِبْلَاحِ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاسْتَشْكِلَ بِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَدَ الْإِنْسَانَ يُسْلِقُونَ النَّحْلَ فَقَالَ لَوْ تَرَ كَثْمُوهُ فَتَرَ كُوهَ فَلَمْ يَخْرُجْ شَيْئًا وَخَرَجَ شَيْئًا فَقَالَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ قَالَ الشَّيْخُ السَّبُوسِيُّ أَرَادَ أَنْ يَحْمِلَهُمْ عَلَى خَرَقِ الْعَوَائِدِ فِي ذَلِكَ إِلَى بَابِ التَّوَكُّلِ وَأَمَّا هُنَاكَ فَلَمْ يَمْتَلُوا فَقَالَ أَنْتُمْ أَعْرَفَ بِدُنْيَاكُمْ وَلَوْ امْتَلُوا وَتَحَمَّلُوا فِي سَنَيْنِ لَكُنْهُوا أَمْرٌ هَذِهِ الْمَحَنَةُ

”اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلخ کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اسکو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ بھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو۔ شیخ سبوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچادیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمادیں کہ تم جانو۔ اگر وہ مان جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔“

ملا قاری اسی شرح شفاء جلد دوم صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ تَبَيَّنَ أَعْلَى كَلَامِهِ أَفَأَلْفُو إِنِّي الْفَنَ تَقَعُ عَنْهُمْ كَلْفَةُ الْمَعَالِجَةِ

”اگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر ثابت رہتے تو اس فن میں فوقیت لے جاتے اور ان سے اس تلخ کی محنت دور ہو جاتی۔“

فصل الخطاب میں علامہ قسری سے نقل فرمایا۔

وَلَا يَعْزُبُ عَنْ عِلْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِقْقَالُ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ مِنْ حَيْثُ مَرَّ بِهِ وَإِنْ كَانَ يَقُولُ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ

”حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشکاری نہ کی تھی اور نہ کاشکاروں کی صحبت حاصل کی۔ مگر نہ مانتے تھے کہ پہلے علم دیا کہ غلہ خوب کاشت کرو۔ اور فرمایا۔

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ ”کہ جو کچھ کاٹو اس کو بالی ہی میں رہنے دو۔“

یعنی گیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی غلہ کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں ان کو کھیتی باڑی کا خفیہ راز کس طرح معلوم ہوا؟ اور فرمایا۔

إِجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي خَفِيفٌ عَلَيْهِمْ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۵۵)

”مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو میں اس کا محافظ اور ہر کام جاننے والا ہوں۔“

یہ ملکی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور حضور کا علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم ہے، معاذ اللہ۔

اعتراض (۳) ترمذی کتاب التفسیر سورہ انعام میں ہے کہ حضرت مسروق عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی شئی کو چھپایا وہ جھوٹا ہے۔

وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يَعْلَمُ فَافِي غَدٍ فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللَّهِ

”اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔“

جواب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ تینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک جہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الریاض وغیرہ میں ہماری کتاب شان حبیب الرحمن سورہ وانعم میں اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ ورنہ بہت سے اسرار الہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ کتاب العلم دوم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جن کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسرار الہیہ ناخرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیقہ کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جاننا ورنہ صد ہا احادیث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آوے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، دجال کی، امام مہدی کی اور وحش

”جس کے دل میں رانگی کے برابر ایمان پاؤ۔ اس کو نکال لے جاؤ۔“

دیکھو جتنی مسلمان دو زنی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو بچھڑاتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ دینار کے برابر یا ذرہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات دیکھ کر بھی خبر نہیں ہوئی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

اعتراض (۶) بخاری جلد اول کتاب الجنازہ میں حضرت ام العلاء کی روایت ہے۔

وَاللّٰهُ مَا دَرٰی وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يُفْعَلُ بِي

”خدا کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔

جواب اس جگہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ درایت کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے اہل و عیال سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الہی سے ہے تو اے ام العلاء تم جو عثمان ابن مظعون کے جنتی ہونے کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو۔ یہ معتبر نہیں۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ ورنہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم اولاد آدم کے سردار ہیں اس روز لواء الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم آدمیان ہمارے چھنڈے کے نیچے ہونگے ان کی مطابقت کس طرح کی جاوے گی۔

اعتراض (۷) بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث اقب میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تہمت صحیح ہے یا غلط اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی۔

جواب اس میں بھی نہ بتانا ثابت ہے نہ کہ نہ جانتا۔ نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو خبر نہ تھی نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے۔

فَاعْلِمْتُ عَلٰی اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا ”میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں۔“

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے، وقت سے پہلے اظہار نہیں اور یہ تو ہو سکتا ہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عذاب فرمایا۔

لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوْا هٰذَا الْفَكْ مُبِيْنٌ (پارہ ۸ سورہ ۲۴ آیت ۱۲)

”یعنی مسلمان مردوں و عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور فوراً کیوں نہ کہا کہ کھلا ہوا بہتان ہے۔“

پتہ لگا کہ نزول براءت سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حرام سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کا فوراً یہ فرمانا **هٰذَا الْفَكْ مُبِيْنٌ** آپ پر واجب نہ تھا کہ کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور اتنا سکوت، یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عزت و عظمت والے کو غلط الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ الزام غلط ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے اندیشہ سے پریشان ہوتا ہے لوگوں میں افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات نزول کے انتظار میں نہ فرمایا جاتا۔ اور پہلے ہی عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل معلوم ہوتے اور پھر مقدمات میں تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقہ الکبریٰ کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جواب ملا۔ اس تاخیر میں صدمہ ہا حکمتیں ہیں۔ اور یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْخَبِيٰثٰتُ لِلْخَبِيٰثِيْنَ وَالْخَبِيٰثُوْنَ لِلْخَبِيٰثٰتِ (پارہ ۸ سورہ ۲۴ آیت ۲۶)

”گندنی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں اور گندے مرد گندنی عورتوں کے لئے۔“

اس گندگی سے مراد گندگی زنا ہے۔ یعنی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں کافر ہو سکتی ہے کہ کفر سخت جرم ہے۔ مگر گھنونی چیز نہیں۔ ہر شخص اس عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے اسی لئے انبیاء کی بیوی کو کبھی خواب میں احتلام نہیں ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ صدیقہ سید الانبیاء کی زوجہ پاک ہیں ان سے یہ تصور ہو سکتا ہی نہیں۔ نیز مرضی الہی یہ تھی کہ محبوبہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دیں اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کہ مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھوائیں کہ نمازی نمازوں میں ان کی عفت کے گیت گایا کریں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرمادیتے تو یہ خوبیاں حاصل نہ ہوتیں غرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے تہمت لگائی۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ ایک شیر خوار بچہ کے ذریعہ پاکدامنی سے پاکدامنی فرمادی۔ حضرت مریم کو تہمت لگی۔ تو شیر خوار روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ کو الزام لگا تو کسی

بچہ یا فرشتہ سے عصمت کی گواہی نہ دلوائی گئی۔ بلکہ یہ گواہی خود خالق نے دی اور گواہی کو قرآن کا جزو بنایا۔ تاکہ یہ گواہی ایمان کا کارکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے۔

تنبیہ ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جانتا ہے۔ نسیان جان کر حافظہ سے نکل جانا۔ ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر ادھر توجہ نہ رہے۔ ایک شخص قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا۔ تیسرا شخص حافظہ کامل ہے۔ اگر کسی وقت کوئی آیت اس پوچھی تو بتا نہ سکا۔ توجہ نہ رہی۔ پہلا تو قرآن سے جا ملے۔ دوسرا ناسی، تیسرا اہل ہوا، انبیاء کرام کو بعض وقت کسی خاص چیز کا نسیان ہو سکتا ہے مگر بعد میں اس پر قائم نہیں رہے۔ قرآن کریم سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے۔ **فَنَسِیَ وَكَلَّمَ نَحْدَهُ عَزْمًا** وہ بھول گئے ہم نے ان کا قصہ نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر لوح محفوظ پر تھی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر ارادہ الہی کہ کچھ مدت کے لئے نسیان ہو گیا۔ قیامت میں شفیع کی تلاش میں سارے مسلمان جن میں محدثین و مفسرین و فقہاء سب ہی ہیں۔ انبیاء کرام کے پاس جائیں گے کہ آپ شفاعت فرمادیں۔ وہ شفاعت تو نہ کریں گے اور نہ شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ خیال سے فرمادیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جاؤ۔ وہاں جاؤ، وہاں جاؤ شاید وہ تمہاری شفاعت کریں۔ حالانکہ دنیا میں سب کا عقیدہ تھا اور ہے کہ قیامت میں شفیع المذنبین حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ یہ ہوا ذہول کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ اگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ ذہول (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہو سکتی ہے۔ بے علمی ثابت نہ ہوگی رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغَافِلِينَ** اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پرواہ تھے غافل فرمایا جاہل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے۔ مگر ادھر دھیان نہیں لگتا ان میں فرماتے ہیں کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا۔

زمعشرش بوئے بیراہن شمیدی چرا در چاہ کعنائش ندیدی !

کہ آپ نے حضرت یوسف کے کہ ربی خوشبو مصر سے تو پائی۔ مگر کنعان کے کنوئیں میں رہے۔ تو آپ معلوم نہ کر سکے۔ جواب دیا۔

بگشت احوال مابرق جہاں است دے پید او دگر دم نہاں است مجھے بر طارم اعلیٰ تفہیم اگے بر پشت پائے خود نہ یلیم

فرمایا کہ ہمارا حال بجلی کی تڑپ کی طرح ہے کبھی ظاہر کبھی چھپا ہوا۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہ کنعان مصر میں قحطی دے رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۶) ”مجھے خدا کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم۔“

روح البیان پارہ ۱۴ از آیات **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ** میں ہے کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے حضرت نوح اتار دئے کہ نام ہی نوح ہوا۔ یعنی نوح اور گریہ زاری کرنے والے۔ حضرت یعقوب کے رونے کے لئے فراق یوسف سب ظاہری تھاور نہ ان کا رونا بلندی درجات کا سبب تھا۔ لہذا ان کا یہ رونا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ **الْمَجَارَ قُطْرَةَ الْحَقِيقَةِ** مثنوی میں ہے۔

عشق الٰہی نیست امیں کار مست حسن الٰہی نکس رخسار مست خوش بیاید نالہ شب ہائے تو ذوقہا دارم بیار بہائے تو بنیامین کو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک حیلہ سے روک لیا۔ بھائیوں نے اگر قسم کھائی اور قاتلے والوں کی گواہی پیش کی کہ بنیامین مصر شاہی قیدی بنائے گئے مگر فرمایا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت ۱۸) ”کہ تمہارے نفس نے تمہیں حیلہ سکھادیا۔“

یعنی یوسف کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی جدا کیا اور بنیامین کو بھی، میری اولاد حضرت یوسف نے حیلہ ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی خبر ہے۔ پھر بظاہر مصر میں یعقوب علیہ السلام کے دو فرزند رہ گئے تھے ایک بنیامین دوسرا یہودا۔ مگر فرماتے ہیں۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ”قریب ہے کہ اللہ ان تینوں کو مجھ سے ملائے۔“

تین کون تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تھے۔ جب زلیخانے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر میں بند کر کے بری خواہش کرنا چاہی تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور دانت تلے انگلی دبا کر اشارہ کیا کہ ہرگز نہیں۔ اے فرزند یہ کام تمہارا نہیں ہے کہ تم نبی کے بیٹے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے۔

وَهُمْ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ”وہ بھی زلیخا کا قصد کر لیتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔“

یہ بھی خیال رہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے خردی کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا اور آپ کو تمیز اور بھیڑیے کی خبر سے ان کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیڑیے نے عرض کیا تھا کہ ہم پر انبیاء کا گوشت حرام ہے، دیکھو تفسیر خازن، روح البیان سورہ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل میں کیوں نہ گئے؟ معلوم ہوا کہ باختر تھے مگر رازدار تھے جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں ملاقات ہوگی۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو بہت سے موقع ملے مگر والد اپنی خبر نہ دی معلوم ہوا کہ حکم کا انتظار تھا کنعان سے بیٹھے ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات دیکھ لیں۔ مگر

حضور علیہ السلام اپنی طبیعت کا ہر صدیق کی بیٹی حضرت صدیقہ کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جو رب انکو اتنا علم دیتا ہے طاقت ضبط بھی دیتا ہے کہ دیکھنے میں مگر بے مرضی الٰہی راز فاش نہیں کرتے ہیں **اللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ** ہماری یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہوگی۔

ان شاء اللہ

اعتراض (۸) حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض ازواج کے گھر شہد ملاحظہ فرمایا اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کے دہن پاک سے مغفیر کی بو آ رہی ہے۔ تو فرمایا کہ ہم نے مغفیر نہیں استعمال فرمایا۔ شہد پیا ہے۔ پھر حضور نے اپنے پر شہد حرام کر لیا۔ جس پر یہ آیت اتری **لِمَ يُخَوِّرُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ** معلوم ہوا کہ اپنے دہن پاک کی بو کا بھی علم نہ تھا کہ اس بو آ رہی ہے یا نہیں۔

جواب اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ **تَبَيَّنَ مَرَضَاتُ اَزْوَاجِكَ** اے حبیب یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لئے ہے نیز اپنے منہ کی بو غیب نہیں محسوس چیز ہے ہر صحیح الدماغ محسوس کر لیتا ہے کیا دیوبندی انبیاء کے حواس کو بھی ناقص ماننے لگے ان کے حواس کی قوت کو مولانا نے بیان فرمایا۔

لفظی گو منکر حنا نہ است از حواس اولیاء بیگانہ است !

اعتراض (۹) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا تو خیبر میں زہر آلود گوشت کیوں کھالیا۔ اگر جانتے ہوئے کھایا تو یہ خود کشی کی کوشش ہے۔ جس سے نبی محصوم ہے۔

جواب اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر ہم پر حکم الٰہی اثر نہ کرے گا۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہ ہم اسے کھالیں تاکہ بوقت وفات اس کا اثر لوٹے اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جاوے راضی برضا تھے۔

اعتراض (۱۰) اگر حضور علیہ السلام کو علم غیب تھا تو بیر معونہ کے منافقین و دعو کے سے آپ سے ستر (۷۰) صحابہ کرام کیوں لے گئے؟ جنہیں وہاں لے جا کر شہید کر دیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں پھنسا یا۔

جواب جی ہاں حضور علیہ السلام کو یہ بھی خبر تھی کہ بیر معونہ والے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ لوگ ان ستر صحابہ کو شہید کر دیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ مرضی الٰہی یہی ہے اور ان ستر کی شہادت کا وقت آ گیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے ابراہیم علیہ السلام تو مرضی الٰہی پا کر فرزند پر چھری لے کر تیار ہو گئے کی یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضائی۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے۔ اور بیر معونہ والے ان ستر کو شہید کر دیں گے۔ اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

تیسری فصل

علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

اعتراض (۱) قتلائی قاضی خاں میں ہے۔

رَجُلٌ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ شُهُودٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْءَةُ خُذَا رَسُولَ رَاكُوهَا كَرِيمٍ قَالُوا اَيَكُونُ كُفْرًا لِاَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِينَ كَانَ فِي الْحَيَاةِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ
 کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا ہم خدا اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے چہ جائیکہ موت کے بعد۔

اعتراض (۲) شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيحًا بِالتَّكْفِيرِ بِاعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُصَاوَصَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ
 ”حنفیوں نے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدا کے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرما دے آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“
 ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب ان دونوں عبارتوں کا اجمالی اور اثری جواب تو یہ ہے کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں۔ لہذا وہ بھی کافر ہوئے کیونکہ ان عبارتوں میں کل یا بعض کا ذکر تو نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو بھی حضور علیہ السلام کو علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک کا مانے یا زیادہ کا۔ تو وہ بھی خیر متائیں مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان میں بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بعض علم غیب مانا ہے۔ مولوی غلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع علم غیب مانا۔ مولوی قاسم صاحب نے تحذیر الناس میں کمال ہی کر دیا کہ ساری مخلوقات سے حضور علیہ السلام کو علم زیادہ مانا اب ان تینوں صاحبوں پر کیا حکم لگایا جاوے گا؟ تفصیلی جواب یہ ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں ہے **قَالُوا** لوگوں نے کہا اور قاضی خان وغیرہ فقہاء کی عادت یہ ہے کہ وہ **قَالُوا** اس جگہ بولتے ہیں جہاں ان کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شامی جلد پنجم صفحہ ۴۳۵ میں ہے۔

لَفْظَةُ قَالُوا اَتَذْكُرُ فِيمَا فِيهِ خِلَافٌ لَفْظُ قَالُوا وہاں بولا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو۔“
 فقہیہ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قوت میں ہے۔

كَلَامُ قَاضِي خَانَ يُشِيرُ إِلَى عَدَمِ اخْتِيَارِهِ لَهُ حَيْثُ قَالَ قَالُوا لَا يَصْلَى عَلَيْهِ فِي الْقَعْدَةِ الْآخِرَةِ فَقِي قَوْلِهِ قَالُوا إِشَارَةً إِلَى عَدَمِ إِسْتِحْسَانِهِ لَهُ وَإِلَى أَنَّهُ غَيْرُ مَرْوِيٍّ عَنِ الْإِمَّةِ كَمَا قُلْنَا فَإِنَّ ذَلِكَ مُتَعَارَفٌ فِي عِبَارَاتِهِمْ لِمَنْ اسْتَقَرَّ أَهَا
 ”قاضی خان کا کلام ان کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا قالا و ان کے قالا کہنے میں اشارہ دہر ہے کہ یہ قول پسندیدہ نہیں اور یہ اماموں سے مروی نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا کیونکہ یہ فقہاء کی عبارات میں شائع ہے اس کو معلوم ہے جو ان کی تلاش کرے۔“
 در مختار کتاب النکاح میں ہے۔

تَزَوَّجَ رَجُلٌ بِشَهَادَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَجْزِئْ قَبْلَ يَكْفُرُ
 ”ایک شخص نے نکاح کیا اللہ اور رسول کی گواہی سے تو نہیں جائز ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جاویگا۔“
 اس عبارت کے ماتحت شامی نے تاتارخانیہ سے نقل ہے۔

وَفِي الْحُجَّةِ ذِكْرٌ فِي الْمُلْتَقَطِ لَا يَكْفُرُ لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ تُعَرَّضُ عَلَى رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَنَّ الرُّسُلَ يَعْرِفُونَ بَعْضَ الْغَيْبِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَا يَظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ قُلْتُ بَلْ ذَكَرُوا وَإِنِّي كُتِبَ الْعَقَائِدُ أَنَّ مِنْ جُمْلَةِ كَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ الْإِطْلَاعُ عَلَى بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ
 ”ملتقط میں ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ تمام چیزیں حضور علیہ السلام کی روح پر عیث کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب جانتے ہیں رب نے فرمایا ہے کہ

پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب پر کسی کو سوائے پسندیدہ رسول کے میں کہتا ہوں کہ کتب عقائد میں ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے بعض شیوں پر مطلع ہوتا بھی ہے۔“

شامی باب المرتدین میں مسئلہ بزاز یہ ذکر فرما کر فرمایا۔

حَاصِلُهُ أَنَّ دَعْوَى الْغَيْبِ مُعَارِضَةٌ لِنَصِّ الْقُرْآنِ يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا إِذَا اسْتَدَّ ذَلِكَ صَرِيحًا أَوْ دَلَالَةً إِلَى سَبَبٍ كَوْنِيٍّ أَوْ الْهَامِ

”اس کا خلاصہ یہ ہے دعویٰ علم غیب نص قرآنی کے خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو صراحت یا دلالت کسی سبب کی طرف نسبت کروے جیسے کہ وحی یا الہام۔“

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزائن الردات میں ہے۔

وَفِي الْمَضْمَرَاتِ وَالصَّحِيحِ أَنَّهُ لَا يَكْفُرُ لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ وَيُعْرِضُ عَلَيْهِمُ الْأَشْيَاءَ فَلَا يَكُونُ كُفْرًا

”مضمورات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا کیونکہ انبیاء کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ پس یہ کفر نہ ہوگا۔“
ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عقیدہ علم غیب پر فتوے کفر کا ناغلط ہے۔ بلکہ فقہاء کا بھی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔
ملا قاری کی عبارت پوری نقل نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔

ثُمَّ اَعْلَمَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمُغَيَّبَاتِ مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا أَعْلَمَهُمُ اللَّهُ وَذَكَرَ الْحَنْفِيَّةُ تَصْرِيحًا بِإِ

لَتَكْفِيرِ الْخ

”پھر جانا کہ انبیاء کرام غیب چیز دیکھ نہیں جانتے سوائے اس کے جو انکو اللہ بتادیں اور جنہوں نے کفر کی تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب جانے۔ الخ“
اب پورا مطلب معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو ملا قاری کفر فرما رہے ہیں نہ کہ عطائی۔ کیونکہ عطائی کو تو مان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کر چکے ہیں کہ ملا علی قاری حضور علیہ السلام کو تمام ماکان و مایکون کا علم مانتے ہیں۔

چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

اعتراض (۱) علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الصفت ہے لہذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے۔

جواب غیب جاننا بھی خدا کی صفت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔ **عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اسی طرح سننا دیکھنا زائد ہونا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم مانا یا کسی کو سبچ یا بھیر یا جی مانا ہر طرح شرک ہوا۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ ہمارا سننا دیکھنا زائد رہنا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی عطا کی اور حادث اور متناہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہیہ کا ہے نیز یہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب مانتے ہو بعض ہی کا سہی۔ اور خدا کی صفت میں کھلا دھبہ ہر طرح شریک کرنا شرک ہے۔ نیز مولوی حسین علی صاحب والہا پھر والے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب بلغۃ النحیر ان زیر آیت **يَعْلَمُ مُسْتَقَرُّهَا وَمُسْتَوْدَعُهَا كُلُّ فِی کِتَابٍ مُّبِیْنٍ** میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں۔ تب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت رہی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

اعتراض (۳) حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا۔ تم کبھی تو کہتے ہو کہ شب معراج منہ میں قطرہ پٹکا یا گیا اس علم غیب ملا اور کبھی کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اس اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کے شانہ پر رکھا۔ جس تمام علوم حاصل ہوئے۔ کبھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے نزول ختم ہونے سے علم غیب ملا۔ اس میں کوئی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے پہلے علم مل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

جواب حضور علیہ السلام کو اس علم غیب ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں تھے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَاَذِمُّ بَيْنَ الطَّيْنِ وَالْمَاءِ اور نبی کہتے ہیں اس کو ہیں جو غیب کی خبر رکھے مگر ماکان و مایکون کی تکمیل شب معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی لئے قرآن میں ہے۔ **يَبَيِّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ** ہر چیز کا بیان، اور معراج میں ہوا **فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ** دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو تمام چیزیں دکھادیں۔ بعد میں ان کے نام بتائے۔ وہ مشاہدہ تھا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو **ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ** کے کیا معنی ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو ملا کہ پر پیش فرمایا لہذا دونوں قول صحیح ہیں کہ معراج میں بھی علم ہوا۔ اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جاوے کہ پھر نزول قرآن سے کیا فائدہ سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نامعلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس ہزار ہا دیگر فائدے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی اگر نزول قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لئے ہے تو بعض سورتیں دوبار کیوں نازل ہوئیں۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

فَاتَحَهُ الْكِتَابُ مَكِّيًّا وَقِيلَ مَدْيَنَةَ وَالْأَصْحٰهُ اِنَّهَا مَكِّيَّةٌ مَدْيَنَةُ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ ثُمَّ نَزَلَتْ بِالْمَدْيَنَةِ

”سورۃ فاتحہ کی ہے اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے اور صحیح تریہ ہے کہ یہ کی بھی ہے اور مدنی بھی اولاً مکہ میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں۔“

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ نمازیں اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے سوال کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورۃ بقرہ مدنی ہے۔ پھر اس کی آخری آیات میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں۔

حَاصِلُهُ اَنَّهُ وَقَعَ تَكَرُّارُ الْوَحْيِ فِيْهِ تَعْظِيْمًا لَّهِ وَاهْتِمَامًا لِّشَانِهِ وَحَيَّ اللهُ اِلَيْهِ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ بِلَا

وَاسْطَةِ جَبْرِئِلَ

”خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مکرر ہوئی حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپ کے اہتمام شان کیلئے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔“

اسی حدیث کے ماتحت لمعات میں ہے۔

نَزَّلَتْ عَلَيْهِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ بِلاَ وَاسِطَۃٍ ثُمَّ نَزَلَ بِہَا جِبْرِیلُ فَأَنبِئَتْ فِی الْمَصَاحِفِ
 ”شبِ معراج میں یہ آیات بغیر واسطہ کے اتریں پھر ان جبریل نے اتار تو قرآن میں رکھیں گئیں۔“
 بتاؤ کہ نزول کس لئے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پہلے نزول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور علیہ السلام کو سارا
 قرآن سناتے تھے۔ مقدمہ نور الانوار تعریف کتاب میں ہے۔

لَاِنَّہُ کَانَ یُنَزَّلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ ذَلَعَتَہُ وَاحِدَۃٌ فِی کُلِّ شَہْرِ رَمَضَانَ جُمْلَتَہُ
 بتاؤ یہ نزول کیوں تھا؟ بلکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تھا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔
 یَا اَہْلَ الْکِتَابِ لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفَوْنَ مِنَ الْکِتَابِ وَیَعْفُو عَنْ کَثِیْرٍ
 (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۱۵)

”یعنی اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے وہ رسول آگئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔“
 اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں تو ان کا ظاہر فرمانا یا نہ فرمانا کیا معنی حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے
 عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے اسی لئے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے غار حرا میں پہلی بار آکر عرض
 کیا اِقْرَأْ آپ پڑھیے یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھیے اور پڑھو اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِعٍ میں
 نہیں پڑھنے والا میں تو پڑھانے والا ہوں پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے لوح محفوظ میں قرآن ہے اور حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ
 ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر وحی کے نبوت کیسی؟ لہذا ماننا ہوگا کہ قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں۔ آج بھی بعض بچے حافظ
 پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اِنَّا الْکِتَابُ رَبِّی نے مجھے کتاب دی۔ معلوم ہوا کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں بعض
 پیغمبروں کے لئے فرمایا اِنِّیْۤاَ الْحُکْمُ صَبِیْۤا ہم نے انہیں بچپن ہی سے علم و حکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے لبت کی
 شفاعت کی۔ حالانکہ سجدہ اور شفاعت حکم قرآنی ہے۔ حضور غوث پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔ نور الانوار کے
 خطبہ میں غلطی کی بحث میں ہے یعنی اِنَّ الْعَمَلَ بِالْقُرْاٰنِ کَانَ جَبِلَتَہُ لَہُ مِنْ غَیْرِ تَکْلَافٍ معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور ﷺ
 کی پیدا انکی عادت ہے ہمیشہ حامد دانی کا ایک پستان پاک چوسا۔ دوسرا بھائی کے لئے چھوڑا۔ یہ عدل و انصاف بھی قرآنی حکم ہے۔ اگر ابتداء سے
 قرآن کے عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرما رہے ہیں۔ دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے
 کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر ان آیتوں میں قیامت تک کی قید لگاتے ہو مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ میں نہ تو قیامت کی قید ہے نہ ماکان و ما یکون کا
 ذکر۔ اور ایک دفعہ خاص ہونے سے آئندہ خصوص کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ لہذا ہم ان آیتوں میں احکام شرعیہ کی قید لگاتے ہیں یعنی
 اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں بلکہ عقلی استثنا ہے کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے مخلوق کا دماغ غیر متناہی علوم نہیں لے
 سکتا۔ برہان تسلسل وغیرہ سے لہذا امتناعی ہوگا۔ احادیث سے پتہ لگا کہ قیامت تک کی حضور نے خبر دی اسی لئے یہ دعویٰ کیا گیا استثنا کا اور حکم ہے اور
 تخصیص کا حکم دوسرا دیکھو اِقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ سے بچے دیوانے حاکمہ خارج ہیں یہ تخصیص نہیں بلکہ استثنا ہے۔
 فقیر نے یہ مختصر تقریر علم غیب کے متعلق کر دی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو رسا کہ مبارک الکھیر العلیاء کا مطالعہ کرو۔ جو کچھ میں نے کہا یہ اس بحر کی
 ایک لہر ہے چونکہ مجھے اور مسائل پر بھی گفتگو کرتا ہے۔ لہذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ وَہُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

حاضر و ناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ حاضر و ناظر کی لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنی ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا المصباح المعیر میں ہے۔ حاضر **حَضْرَةُ** مَجْلِسِ الْقَاضِي وَحَضَرَ
الْغَائِبُ حُضُورًا قَدِمَ مِنْ غَيْبَتِهِ مفتی الارب میں ہے حاضر حاضر شوقہ۔ ناظر کے چند معنی ہیں۔ دیکھنے والا، آنکھ کا محل، نظر، ناک کی
رگ، آنکھ کا پانی۔ المصباح المعیر میں ہے۔ وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ الْأَصْفَرُ مِنَ الْعَيْنِ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ الْإِنْسَانُ شَخْصَةً
قاموس اللغات میں ہے۔ وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ فِي الْعَيْنِ أَوِ الْبَصَرُ بِنَفْسِهِ وَعِرْقٌ فِي الْأَنْفِ وَفِيهِ مَاءُ الْبَصَرِ
مختار الصحاح میں ابن ابی کثیر رازی کہتے ہیں۔ **النَّاظِرُ فِي الْمَقْلَبَةِ السَّوَادُ لَا صَفَرُ الَّذِي فِيهِ الْمَاءُ الْعَيْنِ** جہاں تک
ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تعریف کر لیں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے
وہاں تک ہم ناظر، یعنی دیکھنے والے ہیں مگر وہاں ہم حاضر نہیں۔ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجرے یا گھر میں ہم موجود ہیں وہاں حاضر ہیں کہ
اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور
دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صد ہا کوس پر جا جتندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا
جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو تو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے ان سب معنی کا ثبوت بزرگان دین کے لئے قرآن و حدیث و اقوال علماء

پہلا باب

حاضر و ناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ہیں

پہلی فصل آیات قرآنیہ سر ثبوت

(۱) **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا مُّبِينًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا اللَّهُ بِأَذْنِهِ وَبِرَّ الْجَانِّينَ** (ہارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت ۴۶)
 ”اے غیب کی خبریں بتانے والے پیکر ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دینا اور ڈرنا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانا اور چکا دینے والا آفتاب۔“
 شاہد کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر اور ناظر بھی، گواہ کو شاہد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر تھا۔ حضور علیہ السلام کو شاہد یا تو اس لئے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لئے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عین گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا ہمیشہ اور نذر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کے مگر سن کر حضور علیہ السلام نے دیکھ کر اسی لئے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے مگر گھر میں موجود۔ آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۲) **وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا** (ہارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۴۳)
 ”اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔“

(۳) **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا** (ہارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۴۱)
 ”تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔“
 ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیاء کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیے تھے اور اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے۔ ان کو گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاوے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے ایک تو یہ نبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ میری امت والے قابل گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم۔ انبیاء کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گزشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علم غیب میں کر چکے ہیں۔

(۴) **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ** (ہارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت ۱۲۸)
 ”بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔“

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ **جَاءَكُمْ** میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا **مِنْ أَنْفُسِكُمْ** تمہاری نفسوں میں سے ہے یعنی ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ اور رو ٹکٹے رو ٹکٹے میں موجود اور ہر ایک سے خبردار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں

ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے !

اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو **مِنْكُمْ** کافی تھا **مِنْ أَنْفُسِكُمْ** کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا **عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ** ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو ہماری تکلیف سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں **مِنْ أَنْفُسِكُمْ** کا بیان ہے کہ جس

طرح جسم کے کسی عضو کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف اسی طرح تم کو دکھ ہو تو آقا کو گرائی اس کرم کے قربان۔ **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**

۵) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۶۴)

”اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں۔ اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرمادیں۔ اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں۔ ورنہ پھر ہم فقیر پر دہی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہوگی۔ اور مالدار بھی عمر میں ایک دو بار ہی پہنچتے ہیں اور گناہ دن رات کرتے ہیں۔ لہذا تکلیف **مَافَوْقِ الطَّاقَاتِ** ہوگی لہذا مطلب یہ ہوا کہ وہ تو تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ ادھر منہ نہ ہو جاؤ۔

یار نزدیک تر از من بمن است
دین عجب ہیں کہ من ازوئے دورم
معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں۔

۶) وَمَا رَسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ پھر فرماتا ہے۔ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

”اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔“
معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط۔ لہذا حضور علیہ السلام جہانوں کو محیط، خیال رہے کہ رب کی شان ہے رب الغلین۔ حبیب کی شان ہے رحمتہ للعلین معلوم ہوا کہ اللہ جس کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے لئے رحمت۔

۷) مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (پارہ ۹ سورہ ۸ آیت ۳۳)

”اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔“
یعنی عذاب الہی اس لئے نہیں آتا کہ ان میں آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آئے گا۔
اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں۔ بلکہ روح البیان میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے۔
رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ”جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔“

یہ تمام صحابہ کرام سے خطاب ہے، اور صحابہ کرام تو مختلف جگہ رہتے تھے معلوم ہوا کہ حضور سب جگہ انکے پاس ہیں۔

۸) وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ (پارہ ۷ سورہ ۲ آیت ۷۵)

”اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔“
اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم چشم سر ملاحظہ کرا دیا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے لہذا ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تحقیق بحث علم غیب میں گذر گئی۔

۹) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (پارہ ۳۰ سورہ ۱۰۵ آیت ۱)

”اے محبوب کیا تم نے دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔“

۱۰) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (پارہ ۳۰ سورہ ۸۹ آیت ۶)

”کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کیسا تھکایا کیا۔“

قوم عاد اور اصحاب قبل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے **أَلَمْ تَرَ** کیا آپ نے نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّمَا هُمْ أَهْلُكُنَّا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ (پارہ ۷ سورہ ۲ آیت ۶)

”کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں۔“

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھنا انہوں نے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کفار کے اجڑے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا ذکر کیا مراد ہے اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفروں میں ان مقامات سے گزرتے تھے اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ حضور علیہ السلام نے تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم عاد و غمرہ کے اجڑے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ یہاں نور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

(۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ اذ فرماتا ہے **وَإِذَا قَالُوا رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ** جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا **وَإِذَا قَالَ مُوسٰٓى لِقَوْمِهِ** جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا وغیرہ وغیرہ اس جگہ مفسرین محذوف نکالتے ہیں **أَذْکُرُ** یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی بھالی ہو اور حوجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گزشتہ واقعات حضور کے دیکھے ہوئے ہیں۔ روح البیان نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرما رہے تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے، اگر کوئی کہے کہ نبی اسرائیل سے بھی خطاب ہے **وَإِذْ نَجَّيْنَا نَحْمَ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ** اس وقت کو یاد کرو۔ جبکہ ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے مگر مفسرین یہاں بھی **أَذْکُرُ** و محذوف نکالتے ہیں۔ جواب دیا جاوے گا کہ ان بنی اسرائیل کو تاریخی واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرف ان کو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پڑھنا نہ کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی مورخ کی صحبت میں رہے نہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی اب آپ کو بجز نور نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

(۱۲) **النَّبِیُّ أَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ** ”نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔“ مولوی قاسم صاحب ہانی مدرسہ یونیورسٹی خدیوہ الناس صفحہ ۱۸ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں **أَوَّلٰی** کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں اور زیادہ قریب چیز بھی اچھی رہتی ہے۔ اسی زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

تنبیہ اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں وہ تو قول امام پیش کرے۔ لہذا تم صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر سکتے ہو اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ ہم تقلید کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہادیہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیات و احادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں ان سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔ محامد میں ہے۔

وَمَا فِیْهِمُ الْاَحْکَامُ مِنْ نُّحُوِ الظَّاهِرِ وَالنَّصْرِ وَالْمُفَسِّرِ فَلَیْسَ مُخْتَصَّابِهٖ (اٰی بِالْمُجْتَهِدِ) بَلْ یَقْدِرُ عَلَیْهِ الْعُلَمَآءُ الْاَعْمَ

”جو احکام ظاہر نص و مفسر سے سمجھے جاویں۔ وہ مجتہد سے خاص نہیں۔ بلکہ اس پر عام علماء قادر ہیں۔“ مسلم الثبوت میں ہے۔ **وَاٰیضًا شَاعَ وَذَاعَ اِحْتِجَاجُهُمْ سَلَفًا وَخَلَفًا بِالْعُمُوْمَاتِ مِنْ غَیْرِ نَکِیْمٍ** نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف و ملاف میں بغیر کسی انکار کے شائع ہے۔

قرآن بھی فرماتا ہے **فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکروالوں سے پوچھو۔ اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے ان میں آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں۔ چوتھے یہ کہ مسئلہ حاضر و ناظر پر فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال بھی آئندہ فصلوں میں آ رہے ہیں دیکھو اور غور کرو حاضر و ناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزر چکی ہیں۔ خصوصاً حدیث نمبر ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱ جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں۔ ہم پر ہماری امت اپنی صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام، ان کے باپ و اربوں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کئے جائیں گے خصوصاً مرقاۃ، زرقانی، وغیرہ کی عبارتیں ان کے علاوہ حسب ذیل احادیث اور بھی پیش کی جاویں گی۔

مکتوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے۔

(۱) **فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ**

”تکبرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم انکے (محمد رسول اللہ) کے بارے میں کیا کہتے تھے۔“

اشعۃ المعانی میں اسی حدیث کے تحت ہے یعنی ہذا الرجل کمی گویند آنحضرت راجی خواہند۔ ہذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اشعۃ المعانی میں یہی حدیث ہے یا حاضر ذات شریف دے درعیانے یا اس طریق کہ درقبر مثالی دے علیہ السلام حاضر ساختہ باشند و در دریں جا بشارتے است عظیم مرشتان غمزہ راہ کہ گر بر امیدایں شادی جاں دہندہ زندہ درگور و نہ جائے وار و یا قبر میں ظاہر ظہور آپ کی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا وجود مثالی موجود کر دیتے ہیں اور اس جگہ مشتاقان غمزہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقع ہے۔

حاشیہ مکتوٰۃ میں یہی حدیث ہے۔ **فَقِيلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتَّى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَى عَظِيمَةٌ**

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھادیے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔“

قططانی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔

فَقِيلَ يُكْشَفُ لِلْمَيِّتِ حَتَّى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَى عَظِيمَةٌ لِلْمُؤْمِنِ إِنْ صَحَّ

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھادیے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔“

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرجل معبود دینی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جو تیرے ذہن میں موجود ہیں انہیں تو کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافر میت سے سوال نہ ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی الذہن ہے۔ نیز کافر اس کے جواب میں یہ نہ کہتا۔ میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا تم کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے **لَا أَدْرِي** کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے مگر پہچانتا نہیں اور یہ اشارہ جاری ہے۔

اس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرا کر سوال ہوتا ہے تو اس شخصؑ یعنی بدرالدینی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ کیا کہتا تھا ہذا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا کہ دکھا کر قریب کر کے پھر پوچھتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں اور قبر کہ پہلی رات کو دولہا کے دیدار کی رات کہتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

جان تو جاتے ہی جاہلی قیامت یہ ہے کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا مولانا آسی فرماتے ہیں۔

آج پھولے نہ سائیں کفن میں آسی جس کے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات

ہم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے۔ مردہ کی پہلی شب ہے دولہا کی دید کی شب اس شب پہ عید صدقے اس کا جواب کیسا اسی لئے بزرگان دین کے وصال کے دن کو روز عرس کہتے ہیں، عرس کے معنی ہیں شادی کیونکہ عروس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا کے دیدار کا دن ہے۔

اور ایک وقت میں ہزار ہا جگہ ہزاروں مردے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر و ناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ ملائکہ اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھایا۔

(۲) مکتوٰۃ باب القریض علی قیام الیل میں ہے۔

إِسْتَقِظْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَرَأَى يَقُولُ سُبْحَنَ اللَّهِ مَاذَا أَنْزَلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ

وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ

”ایک شب حضور علیہ السلام گہرائے ہوئے بیدار ہوئے فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر حق تعالیٰ اتارے گئے ہیں۔“
اس سے معلوم ہوا کہ آنکندہ ہونے والے فتنوں کو چشم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ باب الحجرات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نَعَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ زَيْدًا جَعْفَرًا وَابْنَ زَوْاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ أَخَذَ الرَّأْيَةَ زَيْدٌ فَأَصِيبَ إِلَيَّ حَتَّىٰ أَخَذَ الرَّأْيَةَ سَيْفٌ مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ يَعْنِي خَالِدَ ابْنِ الْوَلِيدِ حَتَّىٰ فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

”حضور علیہ السلام نے زید اور جعفر اور ابن زواحد کی ان کی خبر موت آنے سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جہنم ازید نے لے لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جہنم اللہ کی تلوار خالد ابن ولید نے لیا تا آنکہ کہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مودہ جو کہ مدینہ منورہ سے بہت ہی دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں۔

(۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات کے بعد باب وفاۃ النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَإِنْ مَوَّعِدْكُمْ الْحَوْضَ وَإِنِّي لَا نَظَرَ إِلَيْهِ وَأَنَا فِي مَقَامِي

”تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔“

(۵) مشکوٰۃ باب تسوینۃ القف میں ہے۔

أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَائِي ”اپنی صفیں سیدھی رکھی کیونکہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔“

(۶) ترمذی جلد دوم باب العلم باب مَا جَاءَ فِي ذِهَابِ الْعِلْمِ میں ہے۔

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَشَخَّصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هَذَا أَوَانٌ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّىٰ لَا يَقْدِرُوا أَمْنَةً عَلَىٰ شَيْئٍ

”ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ علم لوگوں سے چھین لیا جاوے گا حتیٰ کہ اس پر بالکل قابو نہ پائیں گے۔“

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاۃ کتاب العلم میں فرماتے ہیں۔

فَكَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا نَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ كُتُوبٌ بِأَقْتَرَابِ أَجَلِهِ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ

”جب حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا تو آپ پر آپ کی موت کا قرب ظاہر ہو گیا تو اس کی خبر دے دی۔“

(۷) مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا۔

فَإِنِّي أَرَى الْفِتْنَ تَفْعُ حِلْلٌ يُبَوِّتُكُمْ كَوَقْعِ الْمَطَرِ

”میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں۔“

معلوم ہوا کہ یہ بڑی وجہی فتنے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آنکندہ کے واقعات اور دور قریب کے حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدا کے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے۔

(۸) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ عرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو ہٹا کر نبی بھیجا۔

فَإِنَّمَا عَمْرٌ يَخْطُبُ فَبَجَلٌ يُصِغُ يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ

”عرضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے کہ اے ساریہ یہ پہاڑ کو لو۔“

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ساریہ پہاڑ کو لو۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لیا۔ خدا نے انکو شکست دے دی۔

(۹) امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حارث ابن نعمان اور حارث ابن نعمان رضی اللہ عنہما سے

روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار نے مجھ سے سوال فرمایا کہ اسے حادث تم کس حال میں دن پایا۔ میں عرض کیا کہ سچا مومن ہو کر۔ فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے میں نے عرض کیا۔

وَكَاَنِّي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي بَارِزًا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِيهَا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَنْصَاعُونَ فِيهَا

”میں گویا عرش الہی کو ظاہر دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملنے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔“

اسی قصہ کو شوی شریف میں نقل کیا ہے۔

بہشت جنت ہفت دوزخ پیش من ہست پیدا ہم چوں بت این پیش من
یک بیک دای شام خلق را بچو گندم من زجو در آسپا
کہ بہشتی کہ دزدگانہ کی است پیش من پیدا چو مورد مانی است
من بگویم یا فرد بندم نفس لب گزیدش ممطفی یعنی کہ بس

میرے سامنے ۸ بہشت اور ۷ دوزخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے بھلی میں جو اور گے ہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے یہ سب جھلی اور جھنڈی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کھوں۔ حضور نے ان کا منہ پکڑ لیا کہ بس۔

جب اس آفتاب کے زروں کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، بہشتی و دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کو تین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف، جماعت صحابہ کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ لینا چاہتے ہیں بعد نماز صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی چاہا کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑ لیں۔ مگر چھوڑ دیا تا کہ لوگوں کا علم بالغیب قائم رہے۔ اگر یہ توڑ لیتے تو لوگ تاقیامت اس سے کھاتے رہتے اس سے پتہ لگا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا جسم مدینہ میں ہے ہاتھ جنت الفردوس کے باغ کے خوشہ پر یہ ہے حاضر و ناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ذوقی کشی پر پہنچ کر بیڑا پار کر سکتا ہے۔

تیسری فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء اور علماء امت کے اقوال سے

۱) در مختار جلد سوم باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے۔

يَا حَاضِرُ يَا نَاطِرُ لَيْسَ بِكُفْرٍ ”اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔“

شامی میں اسی کے ماتحت ہے۔

فَإِنَّ الْحَاضِرَ بِمَسِّ الْعِلْمِ شَائِعٌ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَايَهُمْ وَالنَّاطِرُ بِمَعْنَى الرُّؤْيَةِ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى فَالْمَعْنَى يَا عَالَمُ مَنْ رَى

”(بزازیہ) کیونکہ حضور بمعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے کہ نہیں ہوتا تین کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے اور ناظر بمعنی دیکھنا ہے رب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے پس اس کے معنی یہ ہوئے کہ اے عالم اے دیکھنے والے۔“

۲) در مختار جلد اول باب کیفیۃ الصلوۃ میں ہے۔

وَيَقْصِدُ بِالْفَافِ التَّشْهَدَ الْإِنْشَاءَ كَأَنَّهُ يُحْيِي عَلَى اللَّهِ وَيَسَلِّمُ عَلَى نَبِيِّهِ نَفْسِهِ

”التحیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نمازی رب کو تحیہ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے۔“

شامی میں اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَي لَا يَقْصِدُ الْإِخْبَارَ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا وَقَعَ فِي الْمَعْرَاجِ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمِنْ رَبِّهِ وَمِنْ الْمَلَائِكَةِ

”یعنی التحیات میں معراج کے اس کلام کے قصہ کی نیت نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہوا۔“

فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر و ناظر کہنا کفر نہیں ہے اور التحیات میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر سلام عرض کرے التحیات کے متعلق اور بھی عبارات آتی ہیں مجمع البرکات میں شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں۔ ”دے علیہ السلام ہر احوال و اعمال امت مطلق است بر مقرران و

خاصان درگاہ خود مقبض و حاضر و ناظر است۔ ”حضور علیہ السلام امت کے حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور حاضرین بارگاہ کو قبض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ہزوم مسیحی بہ سلوک اقرب السبل بالتوجہ سید الرسل میں فرماتے ہیں۔ باچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت ہست یک کس را دریں مسئلہ خلائی نیست کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز تو ہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر است و مرطالہاں حقیقت را و متوجہاں آنحضرت را مقبض و مربی (ادخال السال) اس اختلاف و مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل و مجاز کے احتمال کے باقی اور دائم ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلبکار اور حاضرین بارگاہ کو قبض رساں اور مربی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح فتوح الغیوب صفحہ ۳۳۳ فرماتے ہیں۔ ”امام الانبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی دنیاوی حی و باقی و منحرف ان دریں جائزین نیست۔“ انبیاء علیہم السلام دنیاوی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی و عمل در آمد فرمانے والے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں۔

مرقات باب مَا یَقَالُ عِنْدَ حَضَرِهِ الْمَوْتُ کے آخر میں ہے۔

وَلَا تَبَاعِدْ عَنِ الْأَوْلِيَاءِ حَيْثُ طَوَّيْتَ لَهُمُ الْأَرْضَ وَحَصَلَ لَهُمْ أَبْدَانٌ مُكْتَسِبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ وَجَدٌ وَهَافِي أَمَا كُنْ مُخْتَلِفَةً فِي أَنْ وَاحِدٍ

”یعنی اولیاء اللہ ایک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں۔“

شفائیں ہے۔ اِنْ لَمْ یَكُنْ فِی الْبَیْتِ اَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ

”جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اس کے ماتحت ملائی قاری شرح شفائیں فرماتے ہیں۔

لَاَنَّ رُوحَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِی بُیُوتِ اَہْلِ الْاِسْلَامِ

”کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے۔“

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوة میں فرماتے ہیں۔ ”ذکر کن اور اور دو بفرست بر دے علیہ السلام و ہاش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات دی نبی تو اور امتاد با جلال و تقسیم و بیت و حیاء بداند کہ دے علیہ السلام ہی بیند و جی شود کلام ترا زیر آ کہ دے علیہ السلام متصف است بصفات الہیہ و یکے از صفات الہی آں است کہ اَنَا جَلِیْسٌ مِّنْ ذُکُرِہِی،“ حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور درود بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے رہو کہ حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تقسیم اور بیت و حیاء سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں۔ امام ابن الجارح مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۳۸ فصل ثانی زیارۃ قبرہ الشریف میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ قَالَ عَلَمَاءُ نَالًا فَرَقَ بَيْنَ مَوْتِهِ وَحَیَوْتِهِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی مُشَاهَدَتِهِ لِأَمْتِہِ وَمَعْرِفَتِهِ بِأَحْوَالِہِمُ وَبِیَاتِہِمُ وَعَزَائِمِہِمُ وَخَوَاطِرِہِمُ وَذَالِکَ جَلَّتْ عِنْدَہُ لَاخْفَاءُ بِہِ

ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات دنیا و دین اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں یہ آپ کو بالکل ظاہر ہے۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملائی قاری فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الْغَزَالِی سَلَّمَ عَلَیْہِ اِذَا دَخَلْتَ فِی الْمَسْجِدِ فَإِنَّہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَحْضُرُ فِی الْمَسْجِدِ

”امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں جاؤ تم حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں۔“

ضمیمہ الریاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے۔

الْأَنْبِیَاءُ عَلَیْہِمُ مِنْ جِہَنَّمِ الْأَجْسَامُ وَالطَّوَاهِرِ مَعَ الْبَشَرِ وَبَوَاطِنُہُمْ وَقَوَاهُمْ الرُّوحَانِیَّةُ مَلَکِیَّةٌ وَلِلذَاتِ مَشَارِقُ الْأَرْضِ وَمَقَارِبُهَا تَسْعُ أَطِیْطُ السَّمَاءِ وَتَسْمُ رَاغَتَہُ جَبْرِیْلُ اِذَا أَرَادَ النَّزُولَ اِلَیْہِمُ

”انبیائے کرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملکی ہیں اسی لئے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چڑچڑاہٹ سنتے ہیں اور جبریل کی خوشبو پالیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں۔“

دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے۔

وَقِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ اَرَأَيْتَ صَلَوةَ الْمُصَلِّينَ عَلَيْكَ مِمَّنْ غَابَ وَ مَن يَأْتِي بَعْدَكَ مَا حَالَهُمَا عِنْدَكَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلَوةَ اَهْلِ مُحَبِّبِي وَ اَعْرِفُهُمْ وَ تَعْرِضُ عَلَيَّ غَيْرِهِمْ عَرَضًا.

”حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے درود تو خود سنتے ہیں اور انکو پہچانتے ہیں اور غیر محبتین کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

شفاء قاضی عیاض جلد دوم میں ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ اِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ اَقُولُ السَّلَامَ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ

”علمقرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔“

اس کی تائید ابوداؤد ابن ماجہ باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مدارج النبوۃ صفحہ ۳۵۰ جلد دوم قسم چہارم و سلم حیات انبیاء میں ہے۔ ”اگر بعد ازاں گوید کہ حق تعالیٰ جس قدر شریف را حالتے و قدرتے عظیمہ است کہ در ہر مکان کے خواہد تشریف بخشد خواہ بعینہ خواہ بمثل خواہ بر آسمان و خواہ بر زمین خواہ در قبر یا غیر دے صورتے دارد باوجود نبوت نسبت خاص بھم در ہر حال۔“ اس کے بعد اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت و قدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔ مصباح الہدایت ترجمہ معارف المعارف مصنف شیخ شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے۔ ”بس باید کہ بندہ بچھان کہ حق سبحانہ را پیوستہ بر جمیع احوال خود خواہ براد باطن و واقف و مطلع بیند رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر و باطن حاضر و اندہ تا مطالعہ صورت تعظیم و وقایع اور ہموارہ بہ محافظت آداب حضرتش دلیل بود از مخالفت دے سر ادا علاقا شرم دارد و بیچہ دقیقہ از وقایع آداب صحبت او فرو نہ گزارو۔“ پس چاہئے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کے ہر حال میں ظاہر و باطن طور پر واقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن جانے تاکہ آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تعظیم و وقار کرنے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے اور آپ کی ظاہر و باطن میں مخالفت سے شرف کرے اور حضور علیہ السلام کی محبت پاک کے ادب کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔

فقہاء و فقہاء علماء امت کے ان اقوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہوا اب ہم آچکے یہ دکھاتے ہیں کہ نمازی نماز میں حضور ﷺ کے متعلق کیا خیال رکھے اس کے متعلق ہم درختار اور شاہی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگان دین کی عبارتیں سنئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے۔ اشعۃ المعانی کتاب الصلوۃ باب التثبید اور مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۳۵ باب غیم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ”و بعضی عرفا گفتہ اند کہ ایں بہت سریان حقیقت محمدیہ است در راز موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذرات مصلیان موجود حاضر است پس مصلی را باید کہ معنی آگاہ باشد و ازیں شہود عاقل نہ بود تا انوار قرب و اسرار معرفت منور و قائم گردد۔“ بعض عارفین نے کہا کہ اتحیات میں یہ خطاب اس لئے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کئے ہے۔ پس حضور ﷺ نمازوں کی ذات میں موجود حاضر ہیں نمازی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ قرب کے نور اور معرفت کے ہمیدوں سے کامیاب ہو جاوے۔ احیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل موسم نماز کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

وَأَحْضِرْنِي قَلْبِكَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ شَخْصَهُ الْكَرِيمَ وَقُلْ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَتُهُ اللَّهُ وَ بَرَكَاتُهُ اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور کہو السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَتُهُ اللَّهُ وَ بَرَكَاتُهُ اسی طرح سر قافۃ باب التثبید میں ہے۔ مسک الختم میں نو اب صدیق حسن خان بھوپالی وہابی صفحہ ۲۳۳ پر وہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعۃ المعانی کی اتحیات کے بارے میں لکھی نمازی کو چاہئے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر اتحیات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں۔

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
ی بیمنت عیان و دعای فرستمت
عشق کی راہ میں دور و قریب کی منزل نہیں ہے
میں تم کو دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں !
علامہ شیخ محمد فرماتے ہیں۔

وْخُوطِبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُنَّاهُ اِشَارَةً اَنَّهُ تَعَالٰی يَكْشِفُ لَهُ عَنْ الْمُصَلِّينَ مِنْ اَمْتِهِ حَتَّى يَكُوْنَ كَالْحَاضِرِ يَشْهَدُ لَهُمْ بِالْعَقْلِ اَعْمَالُهُمْ وَ لِيَكُوْنَ تَذَكُّرُ حُضُورِهِ سَبَّا لِمَزِيْدِ الْخُشُوعِ وَالْخُضُوعِ

”حضور علیہ السلام کو نماز خطاب کیا گیا شاید کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں سے نمازیوں کا حال آپ پر ظاہر فرمادیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ مثل حاضر کے ہوتے ہیں اس کے اعمال کو سمجھنے میں اور اس لئے کہ آپ کی حاضرت کا خیال زیادتی خشوع و خضوع کا سبب ہو جاوے۔“

مسئلہ حاضر و ناظر پر بعض فقہی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ زوج شرق میں ہو اور زوجہ مغرب میں اور بچہ پیدا ہو۔ اور زوج کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اسی کا ہے شاید یہ ولی اللہ ہو اور کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو۔

دیکھو شامی جلد دوم باب ثبوت النسب شامی جلد سوم باب المرتدین مطلب کرامات اولیاء میں ہے۔

وَطَنِي الْمَسَافَةِ مِنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ زُوَيْتَ لِي الْأَرْضُ وَيَذُلُّ عَلَيْهِ مَا قَالُوا فِيمَنْ كَانَ فِي الْمَشْرِقِ وَتَزَوُّجِ امْرِئًا بِالْمَغْرِبِ فَآتَتْ بِوَلَدٍ يَلْحَقُهُ وَفِي انتِثَارِ خَاصِيَةِ إِنَّ هَذِهِ الْمَسْئَلَةَ تُؤَيِّدُ الْجَوَائِزَ ”اور راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے کہ میرے لئے زمین سمیت دی گئی۔ اس پر وہ مسئلہ دلالت کرتا ہے جو فقہانے کہا کہ کوئی شخص مشرق میں ہو اور مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے پھر وہ عورت بچہ بنے تو بچہ اس مرد سے ملحق ہوگا اور ثنار خاصہ میں ہے کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہونے کی تائید کرتا ہے۔“

شامی یہی مقام۔ وَالْإِنْصَافُ مَا ذَكَرَهُ الْأَمَامُ النَّفِيُّ جِئْنَا سَيْلَ عَمَّا يُحْكِي أَنَّ الْكَعْبَةَ كَانَتْ تَزُورُ وَاحِدًا مِنَ الْأَوْلِيَاءِ هَلْ يَجُوزُ الْقَوْلُ بِهِ فَقَالَ نَقَضَ الْعَادَةَ عَلَى مَسَبِيلِ الْكَرَامَةِ لِأَهْلِ الْوَلَايَةِ جَائِزٌ أَهْلُ السُّنَّةِ ”انصاف کی بات وہی ہے جو امام نفی نے اس وقت کہے جبکہ ان سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعبہ ایک ولی کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لئے خلاف عادت کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لئے عالم میں پھر لگاتا ہے۔

تفسیر روح البیان سورہ ملک کے آخر میں ہے۔

قَالَ الْأَمَامُ الْغَزَالِيُّ وَالرُّسُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ الْخِيَارُ فِي طَوَافِ الْعَالَمِ مَعَ أَرْوَاحِ الصَّحَابَةِ لِقَدَرَةِ كَثِيرٍ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ

”امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں یہ فرمانے کا ہے صحابہ کرام کی روحوں کے ساتھ اختیار ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔“

انتہاء الاذکیاء فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صغیر نے فرماتے ہیں۔

النَّظَرُ فِي أَعْمَالِ أُمَّتِهِ وَالْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالِدُّعَاءُ بِكُشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ وَالتَّرَدُّدُ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ وَالْبَرَكَةُ فِيهَا وَخُضُوعُ جَنَازَةٍ مِنْ صَالِحِي أُمَّتِهِ فَإِنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ مِنْ أَشْعَالِهِ كَمَا وَرَدَتْ بِذَلِكَ الْحَدِيثُ وَالْأَثَارُ

”اپنی امت کے اعمال میں نگاہ رکھنا ان کے لئے گناہوں سے استغفار کرنا ان سے دفع ہلاکی و عافیت اطراف زمین میں آنا جانا اس میں برکت دینا اور اپنی امت میں کوئی صالح آدمی مر جاوے تو اس کے جنازے میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں جیسے کہ اس پر احادیث اور آثار آئے ہیں۔“

امام غزالی اللہ من الضلال میں فرماتے ہیں۔ ”ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در بیداری انبیاء و ملائکہ اور ہمہ کلام می شوند بایشان۔“

”صاحب دل حضرات جاگتے ہوئے انبیاء و ملائکہ کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔“

امام جلال الدین سیوطی شرح صدور میں فرماتے ہیں۔

إِنْ اِعْتَقَدَ النَّاسُ أَنَّ رُوحَهُ وَمَثَلَهُ فِي وَهْبِ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَالْمَوْلِدِ وَخَتَمِ رَمَضَانَ وَقِرَاءَةِ الْقَضَائِدِ يَحْضُرُ جَزَارٌ ”اگر لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کی روح اور آپ کی مثال مولود شریف پڑھنے اور ختم رمضان اور نعت خوانی کے وقت آتی ہے تو جائز ہے۔“

مولوی عبدالحی صاحب رسالہ ترویج ایمان تشریح حکم شرب الدخان میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نعت خواں تھا اور حنفی پچھا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں۔ مگر جب حقاً جاتا ہے۔ تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک ہر وقت عالم کی ذرہ ذرہ پر ہے اور نماز تلاوت، قرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجال میں اسی طرح صالحین کی نماز جنازہ میں خاص طور پر اپنی جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا ہے۔

فَإِنَّهُ لَمَّا كَانَ أَوَّلَ مَخْلُوقٍ خَلَقَهُ اللَّهُ 'كَانَ شَهِيدًا بِوَحْدَانِيَّتِهِ الْحَقِّ وَشَهِيدًا بِمَا أُخْرِجَ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُودِ مِنَ الْأَرْوَاحِ وَالنُّفُوسِ وَالْأَجْرَامِ وَالْأَرْكَانِ وَالْأَجْسَادِ وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيَوَانِ وَالْمَكِّ وَالْجِنِّ وَالشَّيْطَانِ وَالْإِنْسَانِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لِئَلَّا يَشُدَّ عَنْهُ مَا يُمَكِّنُ لِلْمَخْلُوقِ وَاسْرَارِ أَعْمَالِهِ وَغَيْبَاتِهِ

”چونکہ حضور علیہ السلام اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لئے اس کی وحدانیت کے گواہ ہیں اور ان چیزوں کو مشاہدہ کرنے والے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے ارواح، نفوس، اجسام، معدنیات، نباتات، حیوانات، فرشتے اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار اور عجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہے۔“

اسی جگہ کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

فَشَاهَدَ خَلْقَهُ وَمَا جَرَى عَلَيْهِ مِنَ الْاِكْرَامِ وَالْاِخْرَاجِ مِنَ الْجَنَّةِ بِسَبَبِ الْمُخَالَفَةِ وَمَاتَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِلَى الْآخِرِ مَا جَرَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَشَاهَدَ خَلْقَ إِبْلِيسَ وَمَا جَرَى عَلَيْهِ

”حضور علیہ السلام نے حضرت آدم کا پیدا ہونا انکی تعظیم ہونا اور خطا پر جنت سے طہید ہونا اور پھر توبہ قبول ہونا آخر تک کے سارے معاملات جو ان پر گزرے سب کو دیکھا اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گذرا اس کو بھی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے عالم ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالات کا مشاہدہ فرمایا۔

یہی صاحب روح البیان کچھ آگے چل کر اسی مقام پر فرماتے ہیں۔

فَالْبَعْضُ الْكِبَارُ إِنَّ مَعَ كُلِّ سَعِيدٍ رَافِقَهُ مِنْ رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ هِيَ الرَّقِيبَةُ الْقَتِيدَةُ عَلَيْهِ وَلَمَّا قُبِضَ الرُّوحُ الْمُعَمَّدِيُّ عَنِ أَدَمَ الَّذِي كَانَ بِهِ ذَانِمًا لَا يَحْضِلُ وَلَا يَنْسَى جَرَى عَلَيْهِ مَا جَرَى مِنَ النَّسْيَانِ وَمَا يَتَّبِعُهُ بَعْضُ الْكَابِرِ نَفْسُهُ فَهُوَ سَعِيدٌ كَسَاحَةِ حُضُورِ عَلَيْهِ السَّلَامِ كِي رُوحٌ رَهَقِي هُوَ أَوْ يَهِي رَقِيبٌ حَتَّى سِرَافِهِ أَوْ حَسَّ وَفَتْ رُوحٌ مُحَمَّدِي كِي تَوْجِدَ دَائِمِي

حضرت آدم سے ہٹ گئی تب ان سے نسیان اور اس کے نتائج جھوٹے۔“

ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔

روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفیٰ ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو حضور کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی پے تو جہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

وَ إِذَا سَمِعْتَ فَعَنْكَ قَوْلًا طَيِّبًا وَ إِذَا نَظَرْتَ فَلَا أَرَى إِلَّا كَمَا!

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں

اور جب دیکھتا ہوں تو آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا

چوتھی فصل

حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

تخذیر الناس صفحہ ۱۱ میں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں کہ **النَّبِيُّ اُولٰٓئِیْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ** کو بعد لحاظ صلہ **مِنْ اَنْفُسِهِمْ** کے دیکھے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔ ترجمہ صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی صفحہ ۱۳ میں چوتھی ہدایت جب عشق کے بیان میں کہنے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں۔ ”اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رجائی کوشش اور جذب کی موجیں احدیث کے دریاؤں کی تہ میں کھینچ کر لے جاتی ہے تو **اَنَا الْحَقُّ** اور **لَیْسَ فِیْ حُبِّیْ سِوٰی اللّٰہِ** کا آواز وہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی **کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَنَصْرَهُ الَّذِیْ یتَصَّرِبُہٗ وَیَدَّہُ الَّذِیْ یتَطَشُّ بِہَا** اور روایت کی رو سے **لِسَانُہُ الَّذِیْ یتَكَلَّمُ بِہٖ** اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فانی اللہ ہو جاتا ہے۔ تو خدا کی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوٹا اور بڑا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے یہی حاضر و ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان فانی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جائے تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فانی اللہ کون ہو سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوئے۔ امداد السلوک صفحہ ۱۱ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

”ہم مرید یقین دانہ کو روح شیخ متعبد یک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگرچہ از شیخ دور است اما روحانیت اور دور نیست چوں اس امر محکم دار و ہر وقت شیخ را بیان و دار و درو در لب قلب پیدا آید و ہر دم مستفید بود۔ شیخ را قلب حاضر آرد وہ بلسان حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القاء خواهد کرد و مگر ربط نام شرط است و بسبب ربط قلب شیخ را انسان قلب با ناطق شیخ و دو بسوئے حق تعالیٰ راہے کشا کند و حق تعالیٰ اور اس حدیث کی کند۔“

”مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگرچہ عیر کے جسم سے دور ہے لیکن عیر کی روحانیت دور نہیں جب یہ بات پختہ ہوگئی تو ہر وقت عیر کی یاد رکھے اور دل تعلق اس سے ظاہر ہو اور ہر وقت اس سے ظاہر ہو اور ہر وقت اس سے فائدہ لیتا رہے مرید واقعہ جات میں عیر کو محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے مانگے عیر کی روح اللہ کے حکم سے ضرور القا کر گئی۔ مگر پورا تعلق شرط ہے اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ سے دل کی زبان گویا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف راہ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اس کو صاحب الہام کر دیتا ہے۔“

اس عبارت میں حسب ذیل فائدے ہیں (۱) عیر کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہنا (۳) عیر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے عیر سے مانگے (۵) عیر مرید کو القا کرتا ہے (۶) عیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔ جب عیر میں یہ طاقتیں ہیں تو جو مانگے اور انسانوں کے شیخ اشیوخ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات ماننا کیوں شرک ہے؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی پھیر دیا **اللّٰہُ الْحَمْدُ** سب تقویۃ الایمان شتم۔ حفظ الایمان صفحہ ۷ میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ ابو یزید سے پوچھا گیا **طَبِیْعَہٗ** زمین کی نسبت۔ تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں دیکھو واپس مشرق سے مغرب تک ایک لفظ میں قطع کر جاتا ہے۔

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ آغاخان مشرق سے مغرب تک پہنچ جانا اہل اللہ کو تو کیا کفار و شیاطین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ تقویۃ الایمان کے لحاظ سے شرک ہے۔ مک المصنفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی دہلوی کی عبارت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ النقیات میں السلام علیک سے خطاب اس لئے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے ذرہ ذرہ میں موجود ہیں۔ لہذا نمازی کی ذات میں موجود حاضر ہیں۔ ان عبارات سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہے۔

پانچویں فصل

حاضر و ناظر ہونا کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جان کمالات کے دیگر انبیائے کرام یا آئندہ اولیائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے وہ سب بلکہ ان سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام کو عطا فرمادیے بلکہ حضور ہی کے ذریعہ سے ان کو ملے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فَيَهْدِيهِمْ هُمْ اَقْتَدِهْ** آپ ان سب کی راہ چلو۔

اس کی تفسیر روح البیان میں ہے۔

فَجَمَعَ اللَّهُ كُلَّ خَصْلَةٍ فِي حَبِيبِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ”اللہ نے ہر نبی کی خصلت حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی۔“
مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ بد بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نیز مولوی محمد قاسم صاحب تحذیر الناس صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں اور انبیاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر امتوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ قل اور نکس محمدی ہے اس قاعدے پر بہت سے دلائل قرآن و احادیث و اقوال علماء سے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مگر چونکہ مخالفین اس کو ماننے ہیں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلم ہے کہ جو صفت کمال کسی مخلوق کو ملی وہ تمام علی وچا کمال حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا عطا کیا گیا ماننا پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا کس کس مخلوق کو عطا ہوا۔ ہم اس بحث حاضر و ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر و ناظر ہونے کے تین معنی ہیں ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو شل کف دست کے دیکھنا۔ ایک آن میں عالم کی سیر کر لینا اور صد ہا کوس پر کسی کی مدد کر دینا اس جسم یا جسم مثالی کا متعدد جگہ موجود ہونا۔ یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں۔

(۱) روح البیان اور خازن تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر میں پارہ ۷ سورہ انعام۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّهُ رُسُلُنَا جُعِلْتَ الْاَرْضُ لِمَلِكِ الْمَوْتِ بِدَلِ الطَّيْشِ يَتَنَاولُ مِنْ حَيْثُ شَاءَ
”یعنی ملک الموت کے لئے ساری زمین طشت کی طرح کر دی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں لے لیں۔“
اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے۔

لَيْسَ عَلَىٰ مَلِكِ الْمَوْتِ صَعُوبَةُ قَبْضِ الْأَرْوَاحِ وَإِنْ كَثُرَتْ وَكَانَتْ فِي أَمْكِنَةٍ مُتَعَدِّدَةٍ
”ملک الموت پر جو جس قبض کرنے میں کوئی دشواری نہیں اگرچہ رو جس زیادہ ہوں اور مختلف جگہ میں ہوں۔“
تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

مَإِينَ أَهْلِ بَيْتٍ شَعْرًا وَلَا صَدْرًا إِلَّا مَلِكُ الْمَوْتِ يُطِيفُ بِهِمْ يَوْمَ مَرَاتِينِ
”کوئی خیمہ اور مکان والے نہیں مگر ملک الموت ہر روز ان کے پاس دو بار جاتے ہیں۔“

مشکوٰۃ باب فصل الاذان میں ہے کہ جب اذان اور تکبیر ہوتی ہے تو شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے پھر جہاں یہ ختم ہوئیں کہ پھر موجود اس ناری کی رفتار کا یہ عالم ہے۔

جب ہم سوتے ہیں تو ہماری ایک روح جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے جسے روح سیرانی کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے۔
وَيُسَبِّحُ أُخْرَىٰ اور جہاں کسی نے جسم کے پاس کھڑے ہو کر اس کو اٹھایا وہ ہی روح جو ابھی مکہ معظمہ یا مدینہ پاک میں تھی آتا فنا جسم میں آکر داخل ہوگئی اور آدمی بیدار ہو گیا۔

روح البیان زیر آیت **وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ** ہے۔

فَإِذَا انشَبَعَتِ مِنَ النَّوْمِ عَادَتْ الرُّوحَ إِلَىٰ جَسَدٍ بِأَسْرَعٍ مِنْ لَحْظَةٍ

”یعنی جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو روح جسم میں ایک لمحہ سے بھی کم میں لوٹ آتی ہے۔“

ہمارا نور نظر آن کی آن میں آسمانوں پر جا کر زمین پر آ جاتا ہے ہمارا خیال آن واحد میں تمام عالم کی سیر کر لیتا ہے بجلی تار ٹیلیفون اور لائوڈ سپیکر کی قوت کا

اعتراض ۵ ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے۔

لَا يُبَلِّغُنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي شَيْئًا فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُخْرَجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمُ الصَّدْرِ

”کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دل آیا کریں۔“

اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو خبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو ایسے ہی خبر دیتی۔

جواب

انبیائے کرام کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رات ہی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ رہنا ضروری نہیں۔ اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں جاتی امداد اللہ صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ اب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کسی کی طرف سے ناراض نہ بناؤ۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے **ذُرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ** جب تک ہم تم کو چھوڑے رہیں تم بھی چھوڑے رہو۔

اعتراض ۶ نفی میں ہے۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِبًا ابْلَغْتُهُ

”جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں اور دور سے بھیجتا ہے تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی ورنہ پہنچائے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب

اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں۔ اور دور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے ہم حاضر و ناظر کے ثبوت میں دلائل الخیرات کی وہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم بنفس نفیس خود سن لیتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچا دیا جاتا ہے تو درود قریب سے مراد ولی دوری قریبی ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے۔

گر بے منی و پیش در یعنی

گر با منی دور یعنی پیش منی

پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ ورنہ نالکہ بندو گئے اعمال بارگاہ الہی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی پیشی میں بندوں کی عزت ہے کہ درود پاک کی برکت سے ان کا یہ رتبہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہ امام کی بارگاہ میں آگیا۔ **صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توبہ قبول نہیں۔ دیکھو شامی باب المرتدین کیونکہ یہ توہین حق العباد ہے جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا اگر توہین کی حضور کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق العباد کیوں کرنی۔ نسبت اسی وقت حق العباد بنتی ہے جب اس کی خبر اس کو ہو جاوے جس کی نسبت کی گئی ورنہ حق اللہ رات ہی ہے۔ دیکھو شرح فقہا کبیر مصنف ملا علی قاری۔

کتاب جلاء الافہام مصنف ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ صفحہ ۳۷ حدیث نمبر ۱۰۸ میں ہے۔

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا يُبَلِّغُنِي صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ قُلْنَا بَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي

”یعنی کوئی کہیں سے درود شریف پر سے مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعد وفات بھی رہیگا۔“

جلاء افہام مطبوعہ ادارہ المطابع المشرقیہ صفحہ ۷۳ میں انہیں الجلیس مصنف مولانا جلال الدین سیوطی صفحہ ۲۲۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَصْحَابِيْ اِخْوَانِيْ صَلُّوْا عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ الْاِثْنَيْنِ وَ الْجُمُعَةِ بَعْدَ وَفَاتِيْ اَسْمَعُ صَلَوَاتِكُمْ بِاَلْوَا سِطَةِ

”یعنی ہر جمعہ و ہر کو جمعہ پر درود زیادہ پڑھو میری وفات کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔“

اعتراض ۸ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

مَنْ قَالَ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ بِكُفْرٍ ”جو کہے کہ مشائخ کی رو میں حاضر ہیں جاتی ہیں وہ کافر ہیں۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین و الوائز الہیہ از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا قدرت بر جمیع مقدرات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے لئے خدا کی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سننا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے۔ کسی اور میں ماننا صریح کفر ہے۔ بزاز یہ فقہ کی معتبر کتاب ہے وہ حکم کفر دے رہی ہے۔

جواب

فتاویٰ بزازیہ کی ظاہر عبارت کے ذم میں تو مخالفین بھی آتے ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ ہم امداد السلوک مصنف مولوی رشید احمد صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جانے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ بزازیہ کی عبارت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جانے ہر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا علم بھی مانے تو کافر ہے اب مخالفین بھی ارواح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام علیین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں۔ وہاں تو حاضر مانینگے ہی۔ بس کہیں بھی مانا کفر ہوا۔ تیسرے اس لئے کہ ہم اس بحث حاضر و ناظر میں شامی کی عبارت پیش کر چکے

ہیں کہ یہ حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم اھلۃ البدعات اور اشیاء العلوم بلکہ ثواب صدیق حسن خاں جو پالی وہابی کی عبارت بیان کر چکے ہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ** کہے۔ اب ان اکابر فقہاء پر بڑا بڑا یہ کاغذی جاری ہوگا یا نہیں لہذا امانت ہوگا کہ بڑا بڑا یہ میں جس حاضر و ناظر ماننے کو کفر قرار دیا جا رہا ہے وہ حاضر و ناظر ہونا ہے جو صفت الہیہ ہے یعنی ذاتی، قدیم، واجب، بغیر کسی جگہ میں ہوئے کہ ایسا حاضر ہونا رب کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں، پہلے سوال کے جواب میں ہم فتاویٰ رشیدہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ کی عبارت اور براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ مولوی رشید احمد دہلوی صاحبان بھی اس فتوے میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشائخ و انبیاء کی قدرت تمام تقدورات الہیہ پر اللہ کی طرف ماننا کفر ہے ورنہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب **وَنُکُونُ الرَّسُولَ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا** کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ ان کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

اعتراض ۸ اگر حضور حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہذا آیا تو حضور نور نہیں یا نور ہیں مگر ہر جگہ حاضر نہیں۔

جواب اس کے دو ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی نیز فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی نیز رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر پھر بھی رات کو اندھیرا ہوتا ہے لہذا آیا تو فرشتے قرآن مجید۔ خدا تعالیٰ نور نہیں یا حاضر نہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لئے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہئے بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اعتراض ۹ بعض مخالفین جب کوئی راستہ نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اہلس میں ہر جگہ پہنچ جائیں گی طاقت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک الموت میں یہ طاقت تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ دیگر مخلوق کے کمالات و تغیروں میں یا حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ مولوی قاسم صاحب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ ”رہا غل اس میں بسا اوقات غیر نبی نبی سے بڑھ جاتے ہیں“ رجوم المذنبین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو تخت بلقیس لانے کی طاقت حضرت سلیمان میں نہ تھی اور آصف میں تھی ورنہ آپ خود ہی کیوں نہ لے آتے اسی طرح پد بند نے کہا کہ **اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ خَبْرًا** اے سلیمان میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جس کی خبر آپ کو نہیں تھی نہ پد بند کی آنکھ زمین کے اندر کا پانی دیکھ لیتی ہے اسی لئے وہ حضرت سلیمان کی خدمت میں رہتا تھا کہ جنگل میں زمین کے اندر کا پانی بتائے اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ انبیاء کے علم و طاقت سے غیر نبی بلکہ جانوروں کا علم و طاقت زیادہ ہو سکتا ہے۔

جواب غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبارات ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہاں اعتراض خود اپنے مذہب کو چھوڑنا ہے۔ شفاء شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے فلاں کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کبھی کسی کمال میں کسی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر ۸۰ سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے اور کہے کہ میری عبادت تو ۸۰ سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل پچیس برس کی۔ لہذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ بے دین ہے۔ ان کے ایک سجدے کا جو ثواب ہے وہ ہماری لاکھوں برس کی عبادت سے کہیں بڑھ کر ہے صرف یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الہی، درجہ اور ثواب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شان نبی تو بہت بلند و بالا ہے۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ میرے صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ پھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ ہمن بنی اسرائیل نے ایک ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثواب کیسے پائیں تو آیت کریمہ اتری **لَیْسَ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَہْرِ** شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی اے مسلمانوں تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت بنی اسرائیل کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جس مسجد پاک کے ایک گوشہ میں سید الانبیاء آرام فرما ہیں یعنی مسجد نبوی وہاں کی ایک رکعت پچاس ہزار کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ جن کے قریب میں ہماری عبادت ایسی پھونکنی چلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اس طرح یہ کہنا کہ آصف ابن برخیا میں تخت لانے کی طاقت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض بیہودہ بکواس ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَقَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا اَبِیْکَ بِہٖ قَبْلِ اَنْ یُّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ**

(پارہ ۹ سورہ ۲۷ آیت ۲۰)

”اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت بلقیس کو آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے حاضر خدمت کر دوں گا۔“

معلوم ہوا کہ آصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کو اسم اعظم یاد تھا جس سے وہ تخت لائے۔ ان کو یہ علم حضرت سلیمان کی برکت سے ملا۔ پھر یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں یہ قدرت ہو اور ان کے استاذ سیدنا سلیمان علیہ السلام میں نہ ہو رہا یہ کہ پھر آپ خود نہ لائے وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کام نہ کرنا خدا کا کام ہے نہ کہ سلاطین کا وہ بدیہ سلطنت چاہتا ہے کہ خدام سے کام لیا جاوے۔ بادشاہ اپنے نوکروں سے پانی منگوا کر پیتا ہے تو کیا خود اس میں پانی لینے کی طاقت نہیں۔ رب العالمین دنیا کے سارے کام فرشتوں سے کراتا ہے کہ بارش برسانا، جان نکالنا، پیٹ میں بچہ بنانا سب ملائکہ کے سپرد ہے تو کیا خدا میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کیا فرشتے خدا سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔

تفسیر روح البیان نے زیر آیت **فَصَبَّامُ شَهْرَيْنِ مُتَابِعِينَ** پارہ ہجتم سورہ نساء بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان کا آصف کو ملتقی تخت لانے کا حکم دینا اس لئے تھا کہ آپ نے اپنے درجہ سے اتنا نہ چاہا یعنی یہ کام خدام کا ہے۔ اسی طرح ہر بد کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جسکی آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی آپ کو خبر نہ تھی۔ ہر بد سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی یہ کہہ یا ہذا اس سے سند نہیں پکڑی جا سکتی۔ نیز ہر بد نے عرض کیا کہ **أَحْطَطُ بِمَالِمْ نَحْطُ بِهِ** میں وہ بات دیکھ کر آیا جو آپ نہ دیکھی یعنی اس ملک میں آپ بایں جسم شریف مشاہدہ فرمانے نہ گئے خبر کی نفی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ خبر تھی مگر غشا والی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام ایک ہر بد چڑیا کے ذریعہ ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کے پاس بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو سکتے اگر حضرت سلیمان کو خبر نہ تھی تو آصف ابن برخیا بغیر کسی سے پتہ پوچھے یمن کے شہر سبائیں باقیس کے گھر پہنچے اور ان کی آن میں تخت کیسے لے آئے؟ معلوم ہوا کہ سارا یمن حضرت آصف کے سامنے تھا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو باپ کا پتہ معلوم تھا۔ مگر وقت سے پہلے اپنی خبر نہ دی تاکہ قحط سالی پڑے اور آپ کی شان دنیا کو معلوم ہو۔ پھر باپ سے ملاقات ہو۔ نیز زمین کے نیچے کا پانی معلوم ہونا ہر بد کی یہ خدمت تھی سلاطین ان کاموں کو آپ نہیں کرتے۔ مشکوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا کہ ایک بار حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے موزے اتار کر رکھ دینے کا ایک چیل نے جھپٹ کر ایک موزہ اٹھا لیا اور پر لے جا کر اناکر کے پھینک دیا۔ جس میں سے سانپ نکلا۔ حضور علیہ السلام نے چیل سے دریافت فرمایا کہ تو نے میرا موزہ کیوں اٹھا یا؟ عرض کیا کہ جب میں اڑتی ہوئی آپ کے سر مبارک کے مقابل آئی تو آپ کے سر سے آسان تک وہ نور تھا کہ اس میں آکر مجھ پر زمین کے ساتوں طبق روشن ہو گئے۔ اس سے میں نے آپ کے موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا تو اس خیال سے اٹھا لیا کہ شاید آپ بے توجہی میں اس کو بچھن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جاوے مولینا فرماتے ہیں۔

مار در موزہ بہ یختم از ہوا ! نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ

پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔

گرچہ ہر شے خدا مارا نمود دل دریں لحظہ بخت مشغول بود

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آج بہت حیر بارش آئی اور آپ قبرستان میں تھے آپ کے کپڑے کیوں تر نہ ہوئے؟ فرمایا کہ عائشہ تم نے کیا اوڑھا ہوا ہے؟ عرض کیا کہ آپ کا تہبند شریف فرمایا۔

گفت بہر آں نمود اے پاک حبیب چشم پاکت را خدا باران غیب !

نیست این باران ازیں ابر شام ہست باران دیگر و دیگر سام !

اے محبوبہ اس تہبند شریف کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے۔ یہ بارش نور کی تھی نہ کہ پانی کی بارش۔ اس کا بادل اور آسمان ہی دوسرا ہے۔ اے عائشہ یہ کسی کو نظر نہیں آیا کرتی۔ تم نے ہمارے تہبند کی برکت سے اس کو دیکھ لیا۔ ہر بد کی آنکھ کو یہ طاقت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پانی ڈالنے کی برکت سے ملی اور حضرت سلیمان کی صحبت سے۔

اعتراض ۹ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ پاک حاضر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب جب خدا ہر جگہ ہے تو کہہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر معراج میں حضور علیہ السلام کے عرش پر جانے کا کیا فائدہ تھا؟ جناب مدینہ منورہ دارالسلطنت ہے۔ اور خاص جگہ کا جیسے کہ برقی طاقت کے لئے پاور ہاؤس بلکہ اولیاء اللہ کی قبور مختلف پاوروں کے قصبے ہیں۔ ان کی بھی زیارت ضروری ہے۔

اعتراض ۱۰ اگر حضور حاضر و ناظر ہیں تو تم لوگ نماز کی امامت کیوں کرتے ہو ہر جگہ حضور ہی امام ہونے چاہئیں۔

جواب کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں کہ حضور کی موجودگی میں کوئی امامت نہیں کر سکتا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کی حیات شریف میں ۱۷ نمازیں پڑھائیں حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے حضور کی موجودگی میں نماز فجر پڑھائی خود حضور انور ﷺ نے ان کے پیچھے ایک رکعت پڑھی۔ جناب امامت کے لئے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے حضور حاضر ہیں اور تمام جہاں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں مگر وہ تو نظر نہیں آتے ناظر ہیں مگر منظور نہیں نیز اب آپ یہ نماز کسی کو نہیں پڑھاتے کہ یہ نمازی اسی عالم کی چیز ہے حضور دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وضو پر اب نماز فرض نہیں ہم پر فرض ہے فرض والا فعل والے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا۔

حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ نبی کی تعریف اور ان کے درجات کے بیان میں

عقیدہ نبی وہ انسان ہیں جن کو اللہ نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لئے بھیجا (شرح معانی) لہذا نبی نہ تو غیر انسان ہو اور نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ (بازہ ۷۱ سورہ ۲۱ آیت ۷)

”اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر ان مردوں کو جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ جن، فرشتہ، عورت وغیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔ عقیدہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان اور عالی نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ان کو عطا ہوتے ہیں۔ ذلیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہار شریعت) بخاری جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس حضور ﷺ کا فرمان عالی پہنچا کہ اَسْلِمَ تَسْلِمَ اسلام لے آ سلامت رہے گا۔ تو ہرقل نے ابوسفیان کو بلا کر حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ **كَيْفَ نَسَبُهُ فِيكُمْ** تم میں ان کا خاندان و نسب کیسا ہے؟ ابوسفیان نے کہا **هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ** وہ ہم میں نہایت اعلیٰ خاندان والے ہیں یعنی قریشی ہاشمی و مطہری ہیں **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اس کے جواب میں ہرقل نے کہا **وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي قَوْمِهَا** ہمیشہ انبیائے کرام عالی قوم و اعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام عالی خاندان میں تشریف لاتے ہیں۔

نتیجہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاذ اللہ بھنگیوں، چماروں، ہندوؤں، بدھ اور جینی وغیرہ میں ان ہی کی قوم سے آئے۔ لہذا لالہ گرو، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لئے ان کو برائے کہو۔ قرآن فرماتا ہے۔ **لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ** ہر قوم میں ہادی ہیں۔ نیز عورتیں بھی نبی ہوئی ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے۔ **وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ** وغیرہ لہذا یہ عورتیں نبی ہیں۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں ازل تو اس لئے کہ وہ آیت پوری نہیں بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُبَدِّرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ تم ڈرسانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا ہادی ہو نا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ قوم میں اس ہی قوم سے ہادی ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ اشراف قوم میں نبی آئے۔ دیگر قومیں بھی ان کے ماتحت رہیں۔ حضور علیہ السلام قریشی ہیں۔ مگر پنهان، شیخ، سید غرضیکہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں نیز لفظ **هَادٍ** عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لئے رہبر ہوئے۔ بلکہ مہادیو، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن و حدیث نے ان کی خبر نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعہ ان کا پتہ لگا وہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں۔ کسی کے منہ پر ہاتھی کی سی سوڈ۔ کسی کے چوڑے رنگور کی سی دم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے اور ان کی صورتیں بھی۔

رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ (بازہ ۷۲ سورہ ۵۳ آیت ۲۳)

”یہ تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔“

جب ان کے ہونے کا ہی یقین نہیں تو انہیں نبی مان لینا کون سی عقلمندی ہے۔

دوسرا قول اس لئے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القا یا الہام کیا گیا تھا جسے قرآن نے **أَوْحَيْنَا** سے تعبیر کیا وحی بمعنی الہام بھی آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے **وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّعْلِ** آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی یہاں وحی بمعنی دل میں ڈالنا ہے حضرت مریم کو وہ وحی تبلیغی نہ تھی اور نہ وہ تبلیغ احکام کے لئے بھیجی گئی۔ نیز فرشتے کا ہر کلام وحی نہیں اور ہر وحی تبلیغی نہیں بعض صحابہ نے ملائکہ کے کلام سنے ہیں اور بوقت موت اور قبر و حشر میں سب ہی ملائکہ سے کلام کریں گے حالانکہ سب نبی نہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

عقیدہ کوئی شخص اپنی عبادات و اعمال سے نبوت نہیں پاسکتا۔ نبوت محض عطاء الہی ہے۔ **اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ** اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں اپنی رسالت رکھے اور غیر نبی خواہ غوث ہو یا قلیب ابدال یا کچھ اور نہ تو نبی کے برابر ہو سکتا ہے نہ اس سے بڑھ سکے یہ چند امور خیال میں رہیں۔

پہلا باب

اس بیان میں کہ نبی علیہ کو بشر یا بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ جن یا بشر یا فرشتہ نہیں ہوتے یہ دنیاوی احکام ہیں۔ ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ کیونکہ وہ ہی ابو البشر ہیں اور حضور علیہ السلام اس وقت نبی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام آب وکل میں ہیں خود فرماتے ہیں **كُنْتُ نَبِيًّا وَادِمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ** اس وقت حضور نبی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور علیہ السلام کو یا محمد یا کہ اے ابراہیم کے پاب یا اے بھائی یا داد وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے۔ اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا تو کافر ہے۔ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ شخص حضور علیہ السلام کو **هَذَا الرَّجُلُ** یہ مرد اہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع الرحمن وغیرہ عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے۔ شعراء جو اشعار میں یا محمد لکھ دیتے ہیں وہ بھی موقع کی وجہ سے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ **صلى عليه وسلم** کہہ لے، اسی طرح جو کہتے ہیں کہ۔

واہ کیا جو دو کرم ہے شہ بطنی تیرا

یہ تیرا بھائی ناز کا کلمہ ہے جیسے اے آقا میں تیرے قربان۔ اے ماں تو کہاں ہے؟ اے اللہ تو ہم پر رحم فرما! اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔
(۱) قرآن فرماتا ہے۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پارہ ۱۸ سورہ ۲۴ آیت ۶۳)

وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (پارہ ۲۶ سورہ ۲۹ آیت ۲)
”رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرا جو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جاویں اور تم کو خبر نہ ہو۔“

ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے ”مخوانید اور ایام مبارک اوچنانکہ می خوانید بعضے از شما بعض را بلکہ گویند یا رسول اللہ یا نبی یا تقویر و توفیق۔“ نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ تو قیر و عزت کے ساتھ۔

تفسیر روح البیان زیر آیت **لَا تَجْعَلُوا** ہے۔

وَالْمَعْنَى لَا تَجْعَلُوا نِدَاءَكُمْ إِيَّاهُ وَتَسْمِيَتَكُمْ لَهُ كَنِدَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا لِاسْمِهِ مِثْلُ يَا مُحَمَّدُ وَيَا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ وَلَكِنْ بَلَقِبِهِ الْمُعْظَمِ مِثْلُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَيَا رَسُولَ اللَّهِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَيَا أَيُّهَا الرَّسُولُ
”معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا ابن عبد اللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ جیسا کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول۔“

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین و محدثین سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جاوے عدا میں، کلام میں، ہر ادب میں۔
(۲) دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو الدا ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام لے کر پکارے یا اس کو بھیا وغیرہ کہے۔ تو اگرچہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائیگا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔ حضور علیہ السلام تو خلیفہ اللہ الاعظم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ مگر میں بہن ماں بیوی بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جدا گانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جو ان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے ایسے ہی جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ان کے پیشوا مولوی اسلمیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کر دی دیکھو صراط المستقیم کا خاتمہ۔ محاذ اللہ

(۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرمائے۔ اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب کو یاد کرنا جرم ہے کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم حکومت کے عطا کئے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب کی طرف سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

۴) خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا ایا مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المرسل یا ایہا المدثر وغیرہ بیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ انبیاء کو بھر کہتے تھے۔

قَالُوا اَمَّا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَلَنْ اَطْعَمَ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذَا الْخُسُوفُ (پارہ ۸ سورہ ۳۶ آیت ۱۵)

”کافرو نے نہیں ہوتے مگر ہم جیسے بشر اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو غیر وہ غیرہ۔“

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں اسی طرح مساوات بتانا یا انبیاء کرام کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ اس نے کہا۔

خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ”خدا یا تو نے مجھے آگ سے اور انکوٹی سے پیدا فرمایا۔“

مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مردے یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

اعتراض نمبر ۱ قرآن فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پارہ ۲۳ سورہ ۴۱ آیت ۶) ”اے محبوب فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔“

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر انہیں تو آیت معاذ اللہ جھوٹی ہو جاوے گی۔

جواب اس آیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے **قُلْ** اے محبوب آپ فرمادو۔ تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکار تو اسے فرمادیں یہ نہیں کہ **قُولُوا** اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلَنَا اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ **قُلْ** میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو تم نہ کہیں گے۔ ہم فرمائیں گے۔

شَهِدُوا مَبَشِّرًا وَاَوْفِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاَذْنِهِ وَسِرًا خَفِيًّا ہم تو فرمائیں گے **يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ يَا أَيُّهَا الْمَدَنِيُّ** وغیرہ ہم تو آپ کی شان بڑھا سکتے ہیں۔ آپ انکار یا فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے، چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے لہذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ انہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آواز میں نکال کر شکار کرتا ہے۔

اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار میں سے ہی ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا **اَيُّكُمْ مِثْلِي** طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تاکہ طوطا اپنا آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز ہے انبیاء کرام رب کا آئینہ ہیں آواز زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینہ مشغول دوست۔ یہ عکس کا لحاظ ہے دوسرے اس

طرح کہ **مِثْلُكُمْ** پر آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آ رہا ہے۔ **يُوْحٰى اِلٰى + يُوْحٰى اِلٰى** کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ زید دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا۔ اور دوسرے حیوانات اور شے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بتا دیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر بشریت اور شان مصطفیٰ میں ۲۷ درجہ کا فرق ہے اولاً بشر پھر شہید پھر متقی پھر ولی پھر ابدال پھر اداتار پھر قطب پھر غوث پھر غوث الاعظم پھر تاجی پھر صحابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر محمد رحمتہ للعالمین وغیرہ یہ ۲۷ مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہوتا ہمارے کتاب شان حبیب الرحمان میں ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے کیونکہ مکملہ موجود عظیم ہر جگہ بولا جاتا ہے۔ جس طرح ہماری موجودیت اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔

مولانا مشغولی میں فرماتے ہیں۔

بہر حق سوئے غرباں یک نظر

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر

”حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار ہا جبرئیلی حیثیت سے اعلیٰ ہے۔“

تیسرے اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے۔ **مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ** رب کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا چراغ کی طرح روشنی ہے۔ اسی طرح قرآن میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلَّامٍ يَبْجَاخِيهِ إِلَّا آمَنَّا لَكُمْ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۳۸)

”نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔“

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے آلو جیسا ہے ہرگز نہیں نیز انما کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی

یعنی میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں جیسے ہر دت ماروت کا کہنا **إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ**

چوتھے اس طرح کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان عبادات، معاملات غرضیکہ کسی شے میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم

ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے **أَنَا رَسُولُ اللَّهِ** میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھی ہوئی

چیزوں پر کہ رب کو جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمایا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہے ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ حضور علیہ السلام کے لئے چار یعنی آپ پر

زکوٰۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی شروع کتاب الزکوٰۃ۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض حضور علیہ السلام پر چھ یعنی تہجد بھی فرض **وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبَّحْهُ**

نَافِلَتُهُ لَكَ ہم کو چار بیویوں کی اجازت حضور علیہ السلام کے لئے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد

دوسرے نکاح کر سکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں **وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ** کسی کے نکاح میں نہیں آسکتی

وَلَا تَنْكِحُوا الْأَزْوَاجَ مِنْ بَعْدِهِ أَبْنَاءُ ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور کی میراث نہ بنے ہمارا بیٹا شاپ کا نہ پناہ پاک۔ حضور ﷺ

کے فضیلت شریفی امت کے لئے پاک (دیکھو شامی باب الانحاس) حرقات باب احکام المیاء فصل اول میں ہے **ثُمَّ اخْتَارَ كَبِيرُ**

أَصْحَابِنَا طَهَارَةً فَضْلًا اسی مراقبہ باب الستر کے شروع میں ہے۔ **وَلِذَا أَحْبَبَهُ أَبُو طَيْبَتِهِ فَشَرِبَ دَمَهُ** اسی طرح مدارج

النبوة میں جلد اول و صل عرق شریف صفحہ ۲۵۵ میں بھی ہے۔ یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے درندہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ ہم کو اس ذات

کریم سے کوئی نسبت نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے مثل حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو نہیں کوئی تمہارا ہم رب نہ کوئی تمہارا ہم پایا

اس قدر فرق عظیم کے ہوتے ہوئے مشابہت کے کیا معنی۔

پانچویں اس طرح کہ اس آیت میں ہے **بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** یہ نہیں ہے کہ **إِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ** بشر کے معنی ہیں ذو بشرہ۔ یعنی ظاہری چہرے مہرہ والا۔

بشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو۔ تو معنی یہ ہونے کہ میں ظاہر رنگ و روپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے

ہیں مگر حقیقت یہ ہے **يُوحَىٰ إِلَيَّ** ہم صاحب وحی ہیں۔ یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور علیہ السلام کے

اعضاء مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الہی تو دیکھو کہ منہ کا لعاب شریف کھاری کنویں میں پڑے پانی کو ٹیٹھا کر دے۔ حدیبیہ کے خشک کنوئیں

میں پڑ جاوے تو پانی پیدا کر دے حضرت جابر کی ہانڈی میں پڑ کر شور باور بولیاں بڑھا دے۔ آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے صدیق کے

پاؤں میں پھنک کر سانپ کے زہر کو دفع کرے۔ عبداللہ ابن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پھنک کر بڑی جود دے۔ حضرت علی کی دیکھی ہوئی آنکھ سے لگے تو کل

الجواہر کا کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی دوا بھی اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر عضو شریف کی برکات دیکھنا ہیں تو ہماری کتاب شان

حبیب الرحمان کا مطالعہ کرو۔ ہمارے ہر عضو کا سایہ حضور ﷺ کے کسی عضو کا سایہ نہیں پسند پاک میں مشک و عنبر سے بہتر خوشبو۔

چھٹے اس طرح کہ شیخ عبدالحق مدارج النبوة جلد اول باب سوم و صل از الہیہات میں فرماتے ہیں و در حقیقت تشابہات اند علماء آں رامعانی لائقہ

تا دیلات را لائقہ کردہ راجع بحق ساختہ اند۔ ”یہ آیات حقیقت میں تشابہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تاویلیں کر کے حق کی

طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح **بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** فَوْقِ أَيْدِيهِمْ يَأْتِيهِمْ نُورُهُ كَمِشْكَاةٍ وغیرہ آیات جو بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم

ہوتی ہے وہ تشابہات ہیں۔ اسی طرح **إِنَّمَا بَشَرٌ** وغیرہ آیات جو بظاہر شان مصطفیٰ کے خلاف ہیں تشابہات ہیں لہذا ان کے ظاہر سے دلیل

چکنا چلا ہے۔

ساتویں اس طرح کے روزہ وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا **إِنَّكُمْ مِثْلِي** تم میں ہم جیسا کون ہے؟ پیٹھ کر لٹل پڑھنے کے بارے میں فرمایا **لِكُنِّي لَسْتُ تَخَاحِدُ فِتْنَكُمْ** لیکن ہم تمہاری طرح نہیں۔ صحابہ کرام نے بہت موقعوں پر فرمایا **إِنَّمَا مِثْلُهُ** ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کون ہے؟ احادیث تو فرماری ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

آٹھویں اس طرح کہ تفسیر سورہ مریم میں **تَكْبِيْعَصَ** کے تحت ہے کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری، صورت حقیقی، صورت ملکی بشریت کا ذکر **إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ حَقِّی** کا ذکر ہوا۔ **مَنْ رَانِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ** جس نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا صورت ملکی کا ذکر **لِي مَعَ اللَّهِ** **وَقَدْ لَا يَسْعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ** بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں مقرب فرشتہ کی محاش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سدرہ بنجہ کی طاقت جبریلی ختم ہوگئی۔ مگر حضور علیہ السلام کی بشری طاقت کی ابھی ابتداء نہ تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ **بَشَرٌ مِثْلَكُمْ** میں یہ تو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو۔ نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف اسی طرح عبد اللہ ہوں نہ اللہ ہوں نہ ابن اللہ ہوں عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسائی علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صمد یا معجزات دیکھو یہ نہ کہہ دینا بلکہ عبد اللہ و رسول۔

تفسیر کبیر شروع پار ۱۲ زیر آیت **فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا** قصہ نوح میں ہے کہ نبی بشر اس لئے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات کو ان کی ملکی طاقت پر محمول کر لیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے غرضیکہ انبیاء کی بشریت ان کا کمال ہے لہذا آیت کا مقصود یہ ہوا کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں۔ تم تو کھادو۔

دسویں اس طرح کہ بہت سے الفاظ وہ ہیں جو تغیر اپنے لئے استعمال فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے مگر دوسرا کوئی ان کی شان میں یہ کہے تو گستاخی ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے عرض کیا **رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا بِنُفُسِ عَلِيهِ السَّلَامِ** نے رب سے عرض کیا **إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا **فَعَلَيْتُهَا إِذَا أَنَا مِنَ الصَّالِّينَ** لیکن کوئی دوسرا اگر ان حضرات کو ظالم یا ضال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

اعتراض؟ حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **وَإِذَا كَرِهُوا أَحَاكُم** تم اپنے بھائی کا (دادا) احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمارے بھائی ہیں۔ مگر بڑے بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔

(۳) قرآن فرماتا ہے۔

وَالِیْ مَدِیْنٍ أَخَاهُمْ شُعْبًا وَالِیْ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا وَالِیْ عَادَ أَخَاهُمْ هُودًا (پارہ ۸ سورہ آیت؟)

”ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدین ثمود اور عاد کا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیاء امتوں کے بھائی ہوتے ہیں۔“

جواب حضور علیہ السلام نے اپنے کرم کریمانہ سے بطور تواضع و انکسار فرمایا **أَخَاكُم** اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ کو لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب و صالح و ہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے۔ یہ بتانے کے لئے **أَخَاهُمْ** فرمایا یہ کہاں فرمایا کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام کو برابری کے القاب سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ پاب بھی گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔

اعتراض؟ قرآن کہتا ہے **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ** مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام بھی مومن ہیں لہذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوتے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا جاوے۔

جواب پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے قرآن میں ہے **الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ** اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ لہذا انہی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ۔ نیز بھائی کی بیوی بھابھی ہوتی ہے اور اس نکاح حلال اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے (قرآن کریم) لہذا امی ہمارے لئے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں۔ اور حضور علیہ السلام عین ایمان۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فَالصَّدَقُ فِي الْغَارِ وَالصَّدِيقُ لَمْ يُرَيَا ”یعنی غار ثور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔“

حضور علیہ السلام اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت مومن میں ہم اور طرح کے مومن ہیں اسکی تفصیل ہم جواب نمبر ۱ بیان کر چکے ہیں۔

اعتراض ۵ حضور علیہ السلام اولاد آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاتے اور زندگی گزارتے ہیں بیمار ہوتے ہیں، موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے انکو بشر یا اپنا بھائی کیوں نہ کہا جاوے۔

جواب اس کا فیصلہ مشغولی میں خوب فرمادیا ہے۔

گفت ایک مباشر ایٹاں بشر
ما و ایٹاں بستہ خوابم دخور !
ایں نہ دانستم ایٹاں از غمی
ہست فرقتے در میاں بے انتہا
ہر دو یک گل خورد و زبور و حل
زاں کے شد نیش زان دیگر غسل
ہر دو گول آہو گیا خورد ند و آب
زیں یکے سرگیش شد و زان مشکتاب
ایں خورد گرد و پلیدی زیں جدا
واں خورد گرد وہمہ نور خدا

کفار نے کہا ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں وابستہ ہیں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ مجز اور شہدی کسی ایک ہی پھول چوٹی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں ہرن ایک ہی دانہ پانی کھاتے ہیں۔ مگر ایک سے پاخانہ اور دوسرے سے مٹک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے نبی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔

یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب اور قرآن یکساں ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک کاغذ پر ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حروف تجزیہ کی دونوں نہیں ایک ہی پلےس میں چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد بانڈی۔ ایک ہی الماری میں رکھی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے۔ مگر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہوگئی۔ تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے ان کو معراج ہوئی ان کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام انبیاء و اولیاء ان کے خدام بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف بادشاہ تو کیا مالک کو بھی نہ ملے۔

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ ”حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں“

يَا قُوتٌ حَجَرٌ لَا كَالْحَجَرِ ”یا قوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں“

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہئے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر کلمہ میں **عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** کیوں کہتے ہو؟

جواب یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بنیت اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا **خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ** اور **أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا** لہذا یہ الفاظ تعظیماً کہنا جائز ہے اور بشر کہنا حرام ہے جیسے **رَاعِنًا** اور **أَنْظُرْنَا** ہم معنی ہیں۔ مگر **رَاعِنًا** کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

عبد دیگر عہدہ چیزے دگر
او سراپا انتظار او منتظر

حضور کی عبدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے اور رب کی عظمت سے ہماری عبدیت چمکی وزیر بھی شاہی خادم ہے اور سپاہی بھی مگر وزیر سے بادشاہ کی شان کا ظہور اور شاہی نوکری سے سپاہی کی عزت۔

اعتراض ۶ شاکل ترمذی میں حضرت صدیقہ کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں **كَانَ بَشَرٌ مِنَ الْبَشَرِ** حضور علیہ السلام بشروں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمانا چاہا۔ تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ کو حلال ہے۔ دیکھو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور کا بھائی بتایا۔

جواب بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے اور احکام ہیں۔ حضرت صدیقہ یا صدیق رضی اللہ عنہما عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشر نہ کہتے تھے یہاں ضرورتاً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے صدیقہ الکبریٰ کا تو یہ فرما رہی ہیں

کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گذری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس خطاب پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری اولاد حضور کو حلال ہوگی یا نہیں؟ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیل نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ کو فرما دیا **هَذَا أَخِي** یہ میری بہن ہیں حالانکہ وہ آپ کی بیوی تھیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت سارہ اب آپ کو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

ہم ان حضرات کا عام محاورہ دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام رشتہ میں صدیقہ کے زوج اور سیدنا علی کے بھائی حضرت عباس کے بھائی کی اولاد ہیں۔ مگر یہ حضرات جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج نے فرمایا، یا حضرت عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی نے یہ فرمایا۔ سب یہی فرماتے ہیں **قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہتے تو ہم کینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ بھائی کہیں۔

نسبت خود بسکت کردم و بس مطلق
زانکہ نسبت بسکت کوئے تو شد بے ادبی است
ہزار بار بشویم دہن بھوک و گلاب
ہنوز نام تو محققن کمال بے ادبی است
جناب شروع اسلام میں تو یہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے۔ وہ پہلے کچھ صدقہ دے بعد میں عرض کرے۔

قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَا جِئْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ (بارہ ۲۸ سورہ ۵۸ آیت ۱۲)

”یعنی اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو۔ تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔“

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کئے (تفسیر نازنن یہی آیت) پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتہ لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کرو۔ لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کرو پھر بھائی کہنا کہاں رہا؟

بحث نداء یا رسول اللہ یا نعرہ یا رسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ ان کی ظاہری زندگی پاک میں بھی اور بعد وفات شریف بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یا رسول اللہ یا ایک جماعت مل نعرہ رسالت لگائے۔ یا رسول اللہ ہر طرح جائز ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب

نداء یا رسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو نداء کرنا قرآن کریم فعل ملائکہ صحابہ اور عمل امت سے ثابت ہے قرآن کریم نے بہت مقامات میں حضور علیہ السلام کو نداء فرمائی **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ**۔ وغیرہ ان تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے۔ ہاں دیگر انبیائے کرام کو ان کے نام سے پکارا یا موسیٰ، یا عیسیٰ، یا یحییٰ، یا ابراہیم، یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پیارے پیارے القاب سے نداء فرمائی۔

یا آدم است یا پدر انبیاء خطاب **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** خطاب محمد است

بلکہ قرآن کریم نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کو پکارو مگر اچھے القاب سے **لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا** اس میں حضور علیہ السلام کو پکارنے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ اوروں کی طرح نہ پکارو۔

قرآن نے فرمایا **ادْعُوهُمْ لِأَسْمَاءِهِمْ** ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو۔ اس آیت میں اجازت ہے کہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارو۔ مگر ان کو ابن حارثہ کہو ابن رسول اللہ نہ کہو۔ اسی طرح کفار کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مددگاروں کو اپنی امداد کیلئے بلا لیں **وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ دُونَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ**

مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا **يَا مُحَمَّدُ أَخِيرَنِي عَنِ الْإِسْلَامِ** ندایا پائی گئی۔ مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا۔ **يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللَّهَ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ** نداء پائی گئی۔ ابن ماجہ باب صلوة الحاجہ میں حضرت عثمان ابن عفیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے ان کو یہ دعا ارشاد ہوئی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ وَاتَّوَجَّهْ اِلَیْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلَی رَبِّیْ فِی حَاجَتِیْ هَذِهِ لِتَقْضِیَ اَللّٰهُمَّ فَشَقِّعْ فِیْ قَالَ اَبُو اسْحَقْ هَذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ

”اے اللہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور تیری طرف حضور علیہ السلام نبی الرحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں یا محمد ﷺ میں نے آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تاکہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ میرے لئے حضور کی شفاعت قبول فرما ابو اسحق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔“

یہ دعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں ندایا بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے۔

عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے۔

ثُمَّ يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِیَّ اللَّهِ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ

”اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں **وَيَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِیْفَتَهُ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ فِي الْعَارِ**

پھر فرماتے ہیں **فَيَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظْهَرَ الْإِسْلَامِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُكَسِّرَ الْأَصْنَامِ** یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام ہوا اے رسول اللہ کے سچے جانشین۔ آپ پر سلام ہو

اے رسول اللہ ﷺ کے عار کے ساتھی۔ اور حضرت فاروق کو یوں سلام کرے کہ آپ پر سلام ہوا اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو۔ اے اسلام کو

چکانے والے آپ پر سلام ہوا۔ بتوں کو توڑنے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس میں حضور علیہ السلام کو بھی نداء ہے اور حضور کے پہلو میں آرام

فرمانے والے حضرت صدیق و فاروق کو بھی۔ اکابر امت اولیاء ملت مشائخ و بزرگان دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یا رسول اللہ کہتے ہیں۔

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مَنْ أَلُو ذُبِيهِ

”اے بھترین مخلوق آپ کے سوا میرا کوئی نہیں“

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں۔

سَوَاكَ عِنْدَ خُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

”کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں“

يَا رَحْمَتَهُ لِّلْعَالَمِينَ أَدْرِكَ لِّلَّذِينَ الْعَابِدِينَ

”اے رحمتہ للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو“

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

مَحْبُوسُ أَيْدِي الظَّالِمِينَ فِي مَوْكِبِ الْمُرْدِهِمْ

”وہ اس ازدحام میں ظالموں کی قید میں ہے“

نہ آخر رحمتہ للعالمینی دُحْر و ماں چرا فارغ نشینی !

زنجبوری بر آمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

جدا کی سے عالم کی جان نکل رہی ہے۔ یا نبی اللہ رحم فرما۔ کیا آخر آپ رحمتہ للعالمین نہیں ہیں پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جَنَّتْكَ قَاصِدًا

اے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے رضا و اکامیدوار ہوں۔ اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

ان اشعار میں حضور کو ندا بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے استعانت بھی اور یہ ندا دور سے بعد وفات شریف ہے۔ تمام مسلمان نماز میں کہتے ہیں۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ کو پکارنا واجب ہے۔ التحیات کے متعلق ہم شامی اور

اشعۃ المعانی کی عبارتیں حاضر و ناظر کی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو یہ گفتگوئی تنہا یا رسول اللہ کہنے کے۔ اگر بہت لوگ مل کر نعرہ رسالت

لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ جب ہر شخص کو یا رسول اللہ کہنا جائز ہو تو ایک ساتھ ملکر بھی کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کو ملانے سے مجموعہ مباح ہی ہوگا

جیسے بریانی حلال ہے۔ اس لئے حلال چیزوں کا مجموعہ ہے نیز اس کا ثبوت صراحت یہی ہے۔

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث الحجۃ میں حضرت برادر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک داخل ہوئے۔

فَصَعِدَ الرَّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطَّرِيقِ يُنَادُونَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ

اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ

”تو عورتیں اور مرد مگر کی چھوڑ کر چڑھ گئے اور بچے اور غلام لگی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔“

اس حدیث مسلم سے نعرہ رسالت کا صراحت ثبوت ہوا اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام نعرہ لگایا کرتے تھے۔ اسی حدیث ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام

نے جلوس بھی نکالا ہے اور جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہل مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے

اور جلوس نکالتے (دیکھو مشکوٰۃ و بخاری وغیرہ) جلسہ کے معنی ہیں بیٹھک یا نشست، جلوس اس کی جمع ہے جیسے جلدہ کی جمع جلود۔ یعنی کوڑہ نماز ذکر

الہی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور حج کا ذکر جلوس کہ اس میں گھوم پھر کر ذکر ہوتا ہے قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت سیکڑہ کو ملا نکلے بٹھل

جلوس لائے۔ بوقت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں نے حضور کا جلوس نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرتا بھی باعث ثواب ہے۔ لہذا یہ مروج

جلوس اس اصل کی نقل ہے اور باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

نداء، یا رسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (پارہ ۱ سورہ ۱۰ آیت ۱۰۶)

”اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہ پہنچا سکیں۔“

معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا منع ہے۔

وَيَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ

”خدا کے سوا ان کو پکارتے ہیں جو ان کے لئے نافع و مضر نہیں۔“

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے۔

جواب

ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دعا ہے اس مراد بلانا نہیں بلکہ پوجنا (دیکھو جلالین اور دیگر تفاسیر) معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیات اس معنی کی تائید کرتی ہیں رب فرماتا ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر ان آیات کے یہ معنی نہ کئے جاویں تو ہم نے جو آیات و احادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کئے جن میں غیر خدا کو پکارا گیا ہے سب شرک ہوگا۔ پھر زندہ کو پکارو یا مردہ کو سامنے والے کو پکارو یا دور والے کو سب ہی شرک ہوگا، روزانہ ہم لوگ بھائی بہن دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عالم میں کوئی بھی شرک سے نہ بچا۔ نیز شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آواز دینا پکارنا اس میں کون سے صفت الٰہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

(۲) فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا عَلٰی جُنُوبِكُمْ ”پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام نہ پکارتے بلکہ صرف خدا ہی کا ذکر کرنا چاہیے۔

جواب

اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا نادانی ہے۔ آیت تو یہ فرماری ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ بغیر وضو نہ ہو، بعد رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم نہ ہو بلا عند غیثہ کر یا لیٹ کر نہ ہو مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندیاں اٹھ گئیں۔ اب کھڑے بیٹھے لینے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ امر فَادْكُرُوا اللَّهَ وجوب کے لئے نہیں صرف جواز کے لئے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کر دو خواہ غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کے لئے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی تقیض نہیں تاکہ ذکر اللہ کے واجب ہونے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی تقیض عدم ذکر اللہ ہے، تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی تقیض مان بھی لی جاوے تب بھی ایک تقیض کے واجب ہونے سے دوسری تقیض زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا فرض ہونا فصل کی صفت ہے نہ کہ عدم فصل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ (پارہ ۵ سورہ ۳ آیت ۸۰)

”جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔“

جب کلمہ نماز حج درود خطبہ اذان غرض کہ ساری عبادات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذکر داخل اور ضروری ہے تو نماز سے خارج الٹا ذکر اٹھتے بیٹھتے کیوں حرام ہوگا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں اس طرح تَبَّتْ يَدَايِيْ لَهٗب اور سورہ منافقون اور وہ آیات جن میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی آیات ہیں۔ ہر کلمہ پڑھنا ثواب ہے اگرچہ ان آیات میں مذکور کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام الٰہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہو۔ مگر رحمت الٰہی یا نور الٰہی محمد رسول اللہ کا ذکر اللہ نہ ہو یہ کیا انصاف ہے؟ قرآن میں ہے قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون نے کہا قَالَ پڑھنے پڑھنے پر پچاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نیکیاں ملیں اور محمد رسول اللہ کا نام لیا تو شرک ہو گیا۔ یہ کیا عقل ہے؟ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فریق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے اور ان

کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اسی طرح حضرت آدم فراق حضرت حوا میں، حضرت امام زین العابدین فراق امام حسین میں اٹھنے بیٹھنے ان کے نام بجا کرتے تھے اور بڑبان حال یہ کہتے تھے۔

حال من درجہرت والدکم از یعقوب نیست اور پسر کم کردہ پو من پدر کم کردہ امم

بتاؤ ان پر یہ حکم شرک جاری ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو آج تو عاشق ہر حال میں اپنی نبی کو یاد کرے وہ کیوں مشرک ہوگا؟ ایک تاجر دن رات تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے طالب علم دن رات ہر حال میں سبق یاد کرتا ہے۔ وہ بھی غیر خدا کا نام چپ رہا ہے وہ کیوں مشرک نہیں۔

نوٹ یتا مگر محتاج میں ہمارا اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ عنایا رسول اللہ پر مناظرہ ہوا۔ ثناء اللہ صاحب نے یہی آیت پیش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کئے ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنی میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک نفیض کے واجب ہونے سے دوسری نفیض حرام ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی نفیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم بدعت ہیں گویا کہ جاہل رہنا سنت ہے پھر ان سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کردو جس سے مخفل میلاد تو حرام رہے اور اخبار المجدیث نکالنا سنت ہو؟ یہ سوالات اب تک ان تمام پر قائم ہیں۔ ابھی وہ زندہ ہیں کوئی صاحب ان سے جوابات دلا دیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب افسوس کہ ثناء اللہ صاحب تو بغیر جواب دیئے دنیا سے چلے گئے کاش کوئی ان کے حقد صاحب جواب دے کر ان کی روح کو خوش کریں۔

اعتراض ۱ بخاری جلد دوم کتاب الاستیعان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے التحیات میں **السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَتُہُ اللّٰہُ وَبَرَکَاتُہُ سَکَہَیَا فَلَئِمَّا قَبِضَ فُلْنَا السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم** جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا **السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ**۔ یعنی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَظَاهِرُ مَا أَنَّهُمْ کَانُوا یَقُولُونَ السَّلَامُ عَلَیْکَ بِكَافٍ الْخَطَابِ فِی حَیَاةِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِمَا مَاتَ تَرَکُوا الْخَطَابَ وَذَكَرُوہُ بِلَفْظِ الْغَیْبَةِ فَصَارُوا یَقُولُونَ السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ
 ”حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں اسلام علیک کاف خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا اور کہنے لگے۔“

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہوا کہ التحیات میں اسلام علیک کہنا زندگی پاک مصطفیٰ علیہ السلام میں تھا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی نداء کو چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے التحیات میں سے نداء کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے خارج میں یا رسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی شرک ہے۔

جواب بخاری اور یعنی کی یہ عبارت تو آپ کے خلاف بھی ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے التحیات کے بدلے کاکلم نہ دیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی التحیات اختیار فرمائیں۔ مگر دونوں التحیات میں **السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ** ہے غیر مقلد بھی خواہ ثنائی ہوں یا غزنوی یہی خطاب والی التحیات پر سہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے التحیات کو بدلا اور حدیث مرفوعہ کے مقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لئے تبدیل نہ کیا کہ نداء غائب حرام ہے۔ ورنہ زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی التحیات نہ پڑھتے۔ آخر یمن، خبیر، مکہ مکرمہ، نجد، عراق تمام جگہ نماز ہوتی تھی۔ تو اس میں وہی التحیات پڑھی جاتی تھی۔ نداء غائب برابر ہوتی تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور نداء والی التحیات ہر جگہ پڑھی جا رہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شبہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے التحیات سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ التحیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات شریف کے بعد دوسری پڑھنا۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۷۷ میں ہے۔ ”لہذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں۔ ورنہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا۔ بہر حال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہو کہ بعض صحابہ کا یہ فعل حجت نہیں ورنہ لازم آوے گا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا۔ اور منع نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدلانا نہ کھلنے۔“

بلکہ مرقات باب التہجد اخیر فصل میں ہے۔ **وَأَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ الْخُفْهُورَ وَآيَةُ أَبِي عَوَّانَةَ وَرِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ أَصَحُّ فِيهَا أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلْ مِنْ فِهْمِ الرَّائِي عَنْهُ وَلَقَطَهَا فَلَمَّا قَبِضُ قُلْنَا سَلَامٌ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ فَقَوْلُهُ قُلْنَا سَلَامٌ يَعْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ بِهِ اسْتَمَرَرْنَا عَلَى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ** اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے التحیات ہرگز نہ بدلی یہ صرف راوی کی فہم ہے نہ کہ اصل واقعہ۔

(۴) بعض وہابی یہ کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے بغیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یا رسول اللہ یا غوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو نداء دیا کرتے ہیں ”سن اے باد صبا“ وغیرہ کہ وہاں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوا سنتی ہے آج کل عام وہابی یہی غلط فہمیش کرتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں اسی پر زور دیا ہے۔

جواب دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنے جو پکارنے والے سے دور ہو۔ رب تعالیٰ تو شرک سے بھی زیادہ قریب ہے خود فرماتا ہے۔

لَحْنٌ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ”ہم تو شاہِ برگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ”جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو فرما دو کہ قریب ہیں“

لَحْنٌ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ (پارہ ۲ سورہ ۵۶ آیت ۸۵)

”ہم اس پتار سے بمقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔“

لہذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سنتا ہے ہر آواز اس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اور اگر مان لیا جاوے کہ دور کی آواز سننا اس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے لہذا چاہیے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہو جاؤ گے سب کو بہرا جانو۔ نیز جس طرح دور کی آواز سننا خدا کی صفت ہے اسی طرح دور کی چیز دیکھنا۔ دور کی خوشبو پالینا بھی تو صفت الہی ہے اور ہم غیب اور حاضر دنیا ظہری بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لئے دور و نزدیک یکساں ہیں۔ جب ان کی نظر دور قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور و نزدیک کی آوازیں سن لیں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ وصف ان کو بہ عطاء الہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دور کی آواز انبیاء و اولیاء سنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو پالی اور فرمایا۔ **إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ** بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو مقام نہاد میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت ساریہ نے وہ آوازیں لی (دیکھو مشکوٰۃ باب الکرامات فصل ثالث) حضرت فاروق کی آنکھ نے دور سے دیکھا حضرت ساریہ کے کان نے دور سے سنا۔ تفسیر روح البیان و جلالین و مدارک وغیرہ تفاسیر میں زیر آیت **وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ** ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام روجوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بند چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں۔ سب نے وہ آوازیں لی۔ جس نے لبیک کہہ دیا وہ ضرور حج کرے گا ورنہ جہنم میں رہے گا وہ کبھی حج نہیں کر سکتی کیسے یہاں تو دور کے علاوہ پیداؤں سے پہلے سب نے حضرت غلیل کی آوازیں لی یہ شرک ہوا یا نہیں؟ اسی طرح حضرت غلیل نے بارگاہ رب غلیل میں عرض کیا کہ سوئی مجھے دکھا دے کہ تو مردے کو کس طرح زندہ فرمائے گا تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو **فَمَ ادْعُهُنَّ يَا صَبَّاحُ** پھر انہیں پکارو دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ دُور سے ہوئے آئے تو کیا اولیاء اللہ ان جانوروں سے بھی کم ہیں؟ آج ایک شخص لندن میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آلہ کے ذریعہ میری بات سنتا ہے یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوتِ نبوتِ ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرت انبیاء قوتِ خدا داد سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ پھر پکارے یا رسول اللہ الغیث تو کیوں شرک ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چوٹی کی آواز دور سے سنی۔ وہ کہتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطَمَنَّكُمْ سُلَيْمَنُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (پارہ ۱۹ سورہ ۲۷ آیت ۱۸)

”اے چوہنوا اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں (پارہ ۱۹ سورہ نمل)“

تفسیر روح البیان وغیرہ اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تین میل سے چوٹی کی یہ آواز سنی خیال کرو کہ چوٹی کی آواز تو تین میل کا فاصلہ کہئے یہ شرک ہوا کہ نہیں؟ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتی ہے اور زائرین کو دیکھتی اور پہچانتی ہے اسی لئے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہئے اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آہستہ آواز کو سنتا کہ سر دور کی آواز سنتا ہے۔ کہو شرک ہوا یا نہیں؟ ہم بحث علم غیب اولیاء اللہ میں مشکوٰۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا ولی خدا کی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ اپنی قوت سے عطا فرما دے۔ وہ اگر دور سے سن لے تو کیوں شرک ہے؟ مخالفین کے معتمد اور معتبر عالم مولوی عبداللہ صاحب لکھنؤی فتاویٰ عبدالحی کتاب العقائد صفحہ ۴۳ میں اس سوال کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ **لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ** حضور علیہ السلام کی شان ہے اور **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ** حضور علیہ السلام کی صفت ہے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔ جبکہ آپ چہل روزہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مادر مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت سے مجھ کو رونا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ ان دنوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ حکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ حکم مادر میں تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والدہ ماجدہ کے حکم میں ہی عرش و فرش کی تمام آوازیں سنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے لڑے تو جنت سے حور نکال کر اسے طاعت کرتی ہے (مشکوٰۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوشنری کی جگہ کو حور اتنی دور سے دیکھتی اور سنتی ہے اور پھر اسے علم غیب بھی ہے اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا۔ دور بین سے دور کی چیز دیکھتے ہیں ریڈیو ٹیلیفون سے دور کی آواز سنتے ہیں۔ تو کیا نبوت ولایت کی طاقت بجلی کی طاقت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں حضرت بلال کی قدم کی آہٹ سنی حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی اور اپنے گھر میں تھے۔ یہاں نماز تہجد کے لئے چل پھر رہے ہوں گے وہاں آہٹ سنی جاری تھی اور اگر حضرت بلال بھی تجسم مثالی جنت میں پہنچے تو حاضر و ناظر کا ثبوت ہوا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہ یہی کہے گا کہ وہ تو خدا نے سنایا تو ان حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو خدا اور کی آوازیں سناتا ہے تو یہ سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی ان کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادث۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں خدا کا سننا بغیر کان وغیرہ محضو کے۔ ان کا سننا کان سے اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ اس نداء کے متعلق اور بہت کچھ کہا جاسکتا ہے مگر اسی قدر پر ہی کفایت ہے۔

بڑے علماں تے عقلاں والے او تھے پل نہ اڑدے نے
میں سنیا دیکھ کے اُس نوں پھر بھی کلمہ پڑھ دے نے

بحث اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا

اولیاء اللہ اور انبیاء کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہ ہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی دلی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء و محدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔
قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت ۲۳)
”اور اللہ کے سوا اپنے سارے حاکمین کو بلا لو۔“

اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورہ بنا کر لے آؤ اور اپنی امداد کے لئے اپنے حاکمین کو بلا لو۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۵۲)
”کہا مسیح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔“

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (پارہ ۲ سورہ ۵ آیت ۲)
”مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر نیک کاموں کے اور نہ تقویٰ کے اور نہ مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر گناہ اور زیادتی کے۔“
اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۷)
”اگر مدد کرو گے تم اللہ کے دین کی مدد کریگا وہ تمہاری“

اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کفری ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ نے یحیٰق کے دن ارواح انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد لیا۔

لَتُؤْمِنَنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۸۱)
”کہ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔“
معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد یحیٰق کے دن سے حکم ہے۔

اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۵۳)
”مدد طلب کرو ساتھ صبر اور نماز کے۔“
اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔

وَأَعِينُونِي بِقُرْآنٍ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۵۳)
”مدد کرو میری ساتھ قوت کے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار آہنی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَيُّدِكَ يَنْصُرُهُ وَالْمُؤْمِنِينَ (پارہ ۱۰ سورہ ۸ آیت ۶۲)
”اے نبی رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی۔“

فَرَمَاتَا۔ يَأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (پارہ ۱۰ سورہ ۸ آیت ۶۳)
”اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں۔“

فرماتا ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاُ مَوْلَاةٍ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ (پارہ ۲۸ سورہ ۲۶ آیت ۳)

”یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔“

فرماتا ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ
(پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۵۵)

”یعنی اے مسلمانوں تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں۔“

فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ دوسری جگہ فرماتا ہے نَحْنُ أَوْلِيَاءُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار رہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض۔
موسیٰ علیہ السلام کو جب تلخ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو عرض کیا۔

وَأَجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِ هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي (پارہ ۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۹-۳۰)

”خدا یا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کر دے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کر دے۔“

رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا سہارا کیوں لیا میں کیا کافی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا لینا
سنت انبیاء ہے۔

مکتوٰۃ باب السجود فہلم میں ابن کعب اسلمی سے روایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا۔

سَلِّ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ فَقُلْتُ هُوَ ذَلِكَ قَالَ فَأَعِنِّي عَلَى
نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ

”کچھ مانگ لو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی ہی مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور مانگنا ہے میں نے کہا صرف یہ ہی فرمایا کہ اپنے
نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔“

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور
ہے کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں اَعْنِي اے ربیعہ تم بھی اس کام میں
میری اتنی مدد کرو زیادہ نوافل پڑھا کرو یہ بھی غیر اللہ سے مدد طلب ہے۔ اسی حدیث پاک کے تحت اشعۃ المعانی میں ہے۔ ”واذ لاق سوال کہ
فرمود سل وخصیص نہ کرو بطلو بے خاص معلوم ہے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ہرچہ خواہد باذن پروردگار خود بدہ۔“

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَرَفَتْهَا ”اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری“

وَمِنْ غُلُومِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ ”بدر گاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن“

سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کچھ مانگ لو کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے۔ جو
چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں۔ کیونکہ دنیا و آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر
دنیا و آخرت کی خیر چاہتے ہوں تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ ست رہے اور تین سو سال تک رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کعبہ پاک ہو اور رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر کعبہ
میرے محبوب کے مداوے کے پاک نہیں ہو سکتا۔ تو تمہارا دل ان کی نظر کرم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔

نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ هُوَ الْجُودُ اِبَالْكُونَيْنِ وَالتَّوَجُّهُ اِلَى خَالِقِهِنَّ یعنی دونوں جہان اوروں کو بخش دینا اور خود
خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہی بخشے گا جو خود ان کا مالک ہوگا۔ ملکیت ثابت ہوئی۔
شیخ عبدالحق کی ان عبارات نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔
ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔

محمد از تو سے خواہم خدا را خدایا از تو عشق مصطفی را

یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں

اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں

حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا
اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لئے دعا سے
مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پا لیتے۔ مگر کس شان میں تَوَّابًا رَحِيمًا تو یہ قبول فرمانے والا مہربان یعنی آپ کے پاس آنے سے
ان کو خدا مل جاتا۔

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری نگلی میں

اعتد المذمات کی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت فرمایا ہے فِعْطَى لِمَنْ شَاءَ مَا شَاءَ کہ حضور علیہ السلام جس کو چاہیں
دے دیں تفسیر کبیر جلد سوم پارہ ۲ سورہ انعام ذرا آیت وَلَوْ أَسْرَكُوا الْحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ہے۔

وَمَا أَتَيْنَاهَا إِلَّا أَنْبِيَاءَ وَهُمْ أَلْبِينُ أَعْطَاهُمُ اللَّهُ تَعَالَى مِنَ الْغُلُومِ وَالْمَعَارِفِ مَا لَا جَبَلِهِ يَقْدِرُونَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي بَوَاطِنِ
الْخَلْقِ وَأَرْوَاحِهِمْ وَابْتِغَاءُ عَطَايِهِمْ مِنَ الْقُدْرَةِ وَالْمَكْنَةِ مَا لَا جَبَلِهِ يَقْدِرُونَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي ظَوَاهِرِ الْخَلْقِ
”تیسرے ان میں انبیاء ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں۔ جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی
ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت و قوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔“

اسی تفسیر کبیر پارہ ۲ السَّمِ وَأَذَقَال رَيْكُ لِلْمَلِكَةِ اس کی تفسیر میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی
جنگل میں بھنس جائے تو کہے۔

أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ يَرْحَمُكُمْ اللَّهُ ‘ ‘اے اللہ کے بند میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔“

تفسیر روح البیان سورہ مائدہ پارہ ۲ ذرا آیت وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ہے کہ شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں۔ مجھ کو رب نے قدرت
دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرداؤں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم اصلاح کی دعا کرتے ہیں۔
مشوٰی شریف میں ہے۔

اولیاء راہست قدرت ازالہ تیر جنت باز گر واند زراہ!

اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کر لیں

اعتد المذمات شروع باب زیارت القبر میں ہے امام غزالی گفت ہر کہ استمداد کردہ شود بوی در حیات استمداد کردہ سے شود بوی بعد از وفات کیے
از مشائخ گفت دیدیم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تسریا ایشاں در حیات خود یا پیشتر۔ تو سے گویند کہ امداد قوی نزاست
و سن سے گویم کہ امداد میت قوی تر و اولیاء را تصرف در اکون حاصل است و آں نیست مگر ارواح ایشاں را و ارواح باقی است۔ ”امام غزالی نے فرمایا
کہ جس سے زندگی میں مدد ملتی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد ملے گی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ
قبروں میں بھی وہی عمل در آمد کرتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ
مردہ کی امداد زیادہ قوی اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر ان کی روح کو کیونکہ ارواح باقی ہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ باب زیارت القبر میں ہے۔

وَأَمَّا إِلَّا سِمْدًا ذُ بَاهِلِ الْقُبُورِ فِي غَيْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوِ الْأَنْبِيَاءِ فَقَدْ أَنْكَرَهُ كَثِيرٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ
وَأَبْتَهُ الْمَشَائِخُ الصُّوفِيَّةُ وَبَعْضُ الْفُقَهَاءِ قَالَ الْأَمَامُ الشَّافِعِيُّ قَبْرُ مُوسَى الْكَاطِمِ تَبْرِيَقُ مُعْجَرَبٍ
لَا جَابِيَةِ الدُّعَاءِ وَقَالَ الْأَمَامُ الْغَزَالِيُّ مَنْ يُسْتَمَدُّ فِي حَيَاتِهِ يُسْتَمَدُّ بَعْدَ وَفَاتِهِ

”نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہانے انکار کیا اور مشائخ صوفیاء اور بعض فقہاء نے اسکو ثابت کیا
ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ سوئی کاظم کی قبر قبولیت دعا کیلئے آرمودہ تریاق ہے اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد ملے گی جاسکتی
ہے اس سے بعد وفات بھی مدد ملے گی جاسکتی ہے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے میں
اختلاف ہے علمائے ظاہرین نے انکار کیا صوفیاء کرام اور فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔

حصن حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے۔ **وَأَن أَرَادَ عَوْنًا فَلْيَقُلْ يَا عَبْدَ اللَّهِ أَعِينُونِي يَا عَبْدَ اللَّهِ أَعِينُونِي يَا عَبْدَ اللَّهِ أَعِينُونِي** ”جب مدد لینا چاہے تو کہہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔“ اس کی شرح الحدیثین میں ملا علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

إِذَا انْقَلَبَتْ ذَاتُكَ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ يَا عَبْدَ اللَّهِ أَحْسِبُوا ”یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ اے اللہ کے بندو اسے روک دو۔“
عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

الْمُرَادُ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْجِنِّ أَوْ رِجَالُ الْغَيْبِ الْمُسْمُونُونَ بِأَبْدَالِ ”یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال الغیب یعنی ابدال مراد ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں۔ **هَذَا أَحَدُ حَدِيثٍ حَسَنٍ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْمَسَافِرُونَ وَآلَهُ مُجَرَّبٌ** ”یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں۔ ”باید فہمید کہ استعانت از غیر ہو جے کہ اعتماد باشد اور اعوان الہی نہ اند حرام است القات محض بجماعت حق است و اورا یکے از مظاہر عن الہی دانستہ و یکا خانہ اسبابی و حکمت او تعالیٰ در آن نمودہ بغیر استعانت ظاہر ہر نما پدیدور از عرفان نخواہد بود و در شرح نیز جائز و رواست و در انبیاء و اولیاء میں نوع استعانت تعبیر کردہ اند و در حقیقت این نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت محض حق است لا غیر۔“ سمجھنا چاہئے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے اور اس کو انبیاء و اولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنا نہیں ہے لیکن اس کی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۳۶ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ ”افعال عادی الہی را مثل بخشدن فرزند تو سبع رزق و شفاء مریض و امثال ذالک را شرکان نسبت بہ ارواح خبیثہ اصنام نماید کہ فری شوید۔ از تا شمر الٰہی یا خواص مخلوقات ادنی و اند از ادویہ و مغایر یا دعائے صلحاء و بندگان او کہ ہمہ از جناب او و در خواستہ انجا ح مطلب ہی کہ نامدی فہمد و در ایمان ایشان غلط نمی افتد۔“ اللہ کے کام پیسے لڑکا دینا رزق پڑھانا بیمار کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو شرکین خبیثہ روجوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو حکم الٰہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا حفاظ یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے غلط نہیں آتا۔

بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابوالعباس احمد زرونی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔

أَنَا لِمُرِيدِي جَامِعٌ لِشَعَائِهِ إِذَا مَا مَطَى جُورُ الزَّمَانِ بِنَكَبَتِهِ !

وَ إِنْ كُنْتُ فِي ضَيْقٍ وَ كَرْبٍ وَ حَشْتِهِ فَقَادِ بَيَّازُ رُوقِ ابِ بِشْرَعَتِهِ !

میں اپنے مرید کی پراگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں۔ اگر تو غمی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار کر اے زروق! میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورہ یوسف زیر آیت **فَلْيَبْتَ فِي السِّبْحِ بَضْعَ سِنِينَ** ہے **أَلَا سِتْعَانَهُ بِالنَّاسِ فِي دَفْعِ الضَّرِّ وَالظُّلْمِ جَائِزَةٌ** اور خازن زیر آیت **فَلْيَنْسَأُ الشَّيْطَانُ** ہے **أَلَا سِتْعَانَهُ بِالْمَخْلُوقِ فِي دَفْعِ الضَّرْرِ** جائز مصیبت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔

در مختار جلد سوم باب الملقط کے آخر میں کی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لئے ایک عمل لکھا۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا ضَلَّاعَ لَهُ شَيْئٌ وَأَرَادَ أَنْ يُرْذَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فَلْيَقِفْ عَلَى مَكَانٍ عَالٍ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَ يَقْرَأَ الْقَاتِحَةَ وَيَهْدِي ثَوْبَهَا لِلنَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يَهْدِي ثَوْبَهَا لِسَيِّدِي أَحْمَدَ ابْنِ عَلَوَانَ يَقُولُ يَا سَيِّدِي يَا أَحْمَدُ ابْنَ عَلَوَانَ إِنْ لَمْ تَرُدْ عَلَيَّ ضَالِّيَّ وَلَا تَزْعُكَ مِنْ دِيَوَانِ الْأَوْلِيَاءِ فَإِنَّ اللَّهَ يُرُدُّ ضَالَّتَهُ بِرَكْبَتِهِ

”جس کی کسی کوئی چیز کم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا کو چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس

ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو پھر یہ دعا پڑھے اے میرے آقا اے احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز ندی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اسکی گم ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا۔“

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی ان سے گئی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا اس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب درختار نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوُدَىٰ بُدِّلِي بِعُودِكَ وَ اَرْضَنِي بِرِضَاكَ

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُودِ مِنْكَ لَمْ يَكُنْ لَا بِي حَيْفَتِهِ فِي الْاَنَامِ سِوَاكَ ا

”اے موجودات سے اکرم اور نعمت الہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرما دیجئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابوحنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔“
قصیدہ برودہ میں ہے۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مَنْ اَلُوْ ذِبْهِ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

”اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ کے سوا کوئی نہیں جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت“

اگر ہم ان علماء فقہاء کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔ نیز سید الطاهر القاتر تری ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر مستفد ماعلی قاری صفحہ ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

”مَنْ اسْتَعَاثَ بِي فِي شَرْيَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَمَنْ نَادَانِي بِاسْمِي فِي شِدَّةٍ فُرِجَتْ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِي إِلَى اللَّهِ فِي حَاجَةٍ فَصُنِفَتْ لَهُ الْجَنَّةُ“
یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج و غم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھ سے وسیلہ بنائے تو اسکی حاجت پوری ہوگی۔“

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھیر کر ۱۱ بار صلوٰۃ و سلام پڑھے پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے۔

اَيُّدِيْ كُنِّيْ صَبِيْمٌ وَ اَنْتَ ذَّحِيْرَتِيْ وَ اُطْلَمُ فِي الدُّنْيَا وَ اَنْتَ نَصِيْرِيْ

دَعَاؤُ عَلٰى حَامِيِ الْحَمِيْ وَهُوَ مُنَجِّدِيْ اِذَا ضَاعَ فِي الْبَيْدَةِ عَقَالِيْ بِعِيْرِيْ

یہ کہہ کر ماعلی قاری فرماتے ہیں وَقَدْ جَرَّبْتُ ذَالِكَ مَرَارًا فَصَحَّ یعنی بارہا اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست نکلا کہیں کہ حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور حنفیوں کے بڑے محترم عالم ماعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوال فقہاء علماء و مشائخ سے ثبوت دیا اب خود مع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا حاشیہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے اس میں (يَاكَ نَسْتَعِيْنُ) کے ماتحت فرماتے ہیں ”ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے“ بس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہی ہمارا دعویٰ ہے کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند نہ محض وسیلہ مانتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخطر والا باحدہ صفحہ ۶۲ پر ایک سوال و جواب ہے۔

سوال اشعار اس مضمون کے پڑھئے۔ ”یا رسول اللہ کبریا فریاد ہے + یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے + مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ + میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے + کیسے ہیں۔“

الجواب ایسے الفاظ پڑھئے محبت میں اور خلوت میں ہاں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۵ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا ورد پڑھنا کیسا ہے۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنْظِرْ خَالَنَا

يَا رَسُولَ اللَّهِ اِصْمَعْ قَالَنَا !

اِنْنِي فِي بَحْرِ هَمٍ مُغْرَق

خُلْدِي سَهْلٌ لَنَا اَشْكَالَنَا

یا قصیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مِنَ الْوُدْهِ

سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا شعر و رد کرنا مکروہ متزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز، زیادہ سے زیادہ مکروہ متزیہی کہا + قصائد قافی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں۔

مدد کر اے احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم ٹیکس کا کوئی حامی کار

اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی خدا کو بھی بھول گئے + ترجمہ صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۰۳ پر مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مضامین رفیعہ صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں

تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الہدایات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے۔ اَعِينُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لئے رہتے ہیں کہ لوگوں کی مدد کریں ان سے مدد مانگنا جائز ہے + مددگی ہمارا بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استدعا اور جائز ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کرینگے۔

مولوی محمود حسن (صاحب اول کالمہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں۔ ”آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ القصہ آپ اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل و مہر آپ کے ذمہ واجب الادا تھا۔“ صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صفحہ ۶۰ میں مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں۔ ”اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے شیخین پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطعیات و غوثیت اور ابدانیت اور انجی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارات میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر غفلت نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے دیوبندیوں کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب خیاہ القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس کو بروز خیر کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر غلبہ نہیں اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر منصرف ہو جاتا ہے۔ (خیاء القلوب مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ راشدہ کینٹی دیوبند صفحہ ۲۹ کے مراتب کا بیان) غور کرو پیر صاحب نے بندہ کو باطن میں خدا مان لیا عالم میں منصرف۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع کہ صدر پاکستان محمد ایوب خاں صاحب جب امریکہ کے دورے پر کراچی سے روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دیوبندی نے صدر کے بازو پر امام ضامن باندھا اور ۱۰ جولائی ۶۱ء دوشنبہ کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا جس میں آپ صدر کے بازو پر امام ضامن باندھ رہے ہیں۔ امام ضامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا روپیہ مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں امام ضامن اسکے ضامن ہیں۔ ان کے سپرد کرتے ہیں۔ جب مسافر بھرت واپس آوے تب اس روپیہ کی فاتحہ امام حسین کے نام کی جاوے جن کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی لی گئی۔ ان فاتحہ بھی کی گئی ان کی تذر بھی مانی گئی۔ جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا سبحان اللہ کیا ایمان افراد کا م ہے خدا کا شکر ہے کہ دیوبندی بھی اس کے قائل ہو گئے۔

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی علی صاحب جلد ۲ کتاب العقائد والکلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استعانت و استمداد با اعتقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو با اعتقاد و علم قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے۔ خواہ مستمد منہ جی ہو یا میت ”بس فیصلہ ہی فرمادیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر ان سے استمداد جائز ہے۔ اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحیب کے عربی کے اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا۔ جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیم الطیب ترجمہ شیم الحیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۳۵۔

”دھگیری کیجئے میری نبی“	يَا شَفِيعُ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِي
”کنکاش میں تم ہی ہو میرے ولی“	أَنْتَ فِي الْأَضْطِرَارِّ مُعْتَمِدِي
”جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ“	لَيْسَ لِي مَلْجَأٌ سِوَاكَ أَغَثْ
”فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی!“	مُسْنِي الضَّرُّ سَيْدِي سَنْدِي
”ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف“	عَشِيْنِي الدَّهْرُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ
”اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مرے“	كُنْ مُعِيْثًا فَإِنَّ لِي مَذْرِي

”نام احمد چوں چھپے شد حصین“

”پس چہ باشد ذات آں روح الامین“

”نشر الطیب فی ذکر ابن الحیب“

دوسرا باب

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں سے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے حشر نضر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار میں جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گمراہ نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو تمہاری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک ماننے ہو، غرض کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لئے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے مشاء سے ہوتا ہے۔ لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے۔ اپنی اکثر ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضہ ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ بیماری میں شفاء خانہ جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں پچھری جا کر جج سے دکلا کے ذریعہ سے کہو وغیرہ وغیرہ ان مصائب میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی مشاء کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو حکام اسی لئے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب باقی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو سمجھو کہ یہ ہی طریقہ سلطنت الہیہ کا ہے وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرمادے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لئے ملائکہ وغیرہ ہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ محکمے کر دیئے۔ جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی حفاظت، رزق پہنچانا، بارش برساتنا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ ان کی تقدیر لکھنا۔ مدفون میتوں سے سوالات کرنا۔ صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ اور قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرض کہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ انہیں سلطنت کا یہ ہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا قیاس نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں۔

حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا۔

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (پارہ ۱۶ سورہ ۱۹ آیت ۱۹)

”اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا ہوں تاکہ تم کو پاک فرزند دوں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل پشادیتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَانْفُخْ فِيهِ فَيُكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۴۹)

”میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الہی بے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قُلْ يَتُوبُ لَكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ (پارہ ۲۱ سورہ ۳۲ آیت ۱۱)

”فرمادو کہ تم کو ملک الموت و فات دینے جو تم پر مقرر کئے گئے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی جس میں خدائی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔

رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۱۶۴)

”ہمارے محبوب انکو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔“

أَعْنَاهُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ” انکواللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔“

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔

(پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۱۰۳)

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا

”آپ ان کے مالوں سے صدقے وصول فرمادیجئے اور اس سے ان کو پاک فرمادیجئے۔“

معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ

(پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۵۹)

”اور کیا اچھا ہوتا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتی جو اللہ رسول نے انکو دیا اور کہتے نہ اللہ ہم کو کافی ہے اب ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دیں گے۔“

معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ عزت دیتے ہیں مال و اولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ

آیات نے یہ بتایا لیکن مقصد وہی ہوگا کہ یہ حضرات حکومت الہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے وقت اولیاء

اللہ یا انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے۔

قرآن نے فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا

رُحِيمًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۶۴)

”اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے مجھ کو تہوارے پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے محبوب آپ بھی ان کیلئے دعائے مغفرت

فرماتے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔“

عائلیگیری کتاب الحج باب آداب زیارت قبر ائمتہ میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب زائر روضہ پاک پر حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ تودنیا میں تھا۔ قبر میں

تین سوال نکیرین کرتے ہیں۔ اول تو مَنْ رَبُّكَ تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔

ان سوالوں میں اسلام کی ساری باتیں آگئیں۔ مگر ابھی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ میرے گندوالے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراحت

کہلوا لیا کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں ان کے نام کی امداد سے

نجات ہوتی۔ قیامت میں لوگ تنگ آکر شفع کوئی دھونڈیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے تب حساب و کتاب شروع

ہوگا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں

بھی۔ اسی لئے فرمایا **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یعنی ہر جگہ وسیلہ مصطفیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے گنہگار بد عمل اور مسلمانوں کے لئے دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مر جاویں وہ سب

بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے

کفار بھی قائل تھے۔ **وَكَاَنُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا** کہ جب معظمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا

اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبل بنا **فَلَنَتَوَلَّيَنَّكَ قَبْلَتَهُ تَرَضُّهَا** بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کہلایا۔ اور قرآن کی آیات حضور کے نبی

دینی ہونے سے کئی دینی ہیں ورنہ وہ تو عریض ہیں۔

شیطان بلا واسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب سے مار دیا جاتا ہے اگر مدینہ کے راستہ سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہ ہی نتیجہ ان کا بھی ہوگا

جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور

منشاء الہی کے بالکل مطابق ہے جناب معراج میں نماز اولاد پہچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ

رکھیں آخر کیوں؟ اسی لئے مخلوق جانے کہ نماز پہچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد

فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے دودرجہ سے۔ اولاً تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر اور ان کو جو بتا

خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لئے ان کو اللہ یا شرکاء کہتے ہیں۔ یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الہویت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو

عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ابن اللہ یا ثالث ثلاثہ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان اولیاء و انبیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا

مانتے ہیں۔ جیسے اہل دیوبند الماداروں کو مدرسہ کا معاون و مددگار یا طیب و حاکم کوئی حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اختیارات ندئیے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد وغیرہ طلب کرتے ہیں لہذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔ جس کی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے بلاشبہ ایک بت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھری کہ عمارت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکم الہی سے ہے مشرک کا سجدہ خلاف حکم الہی پتھر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ لہذا کیے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ مندر کے پتھر کی تعظیم مشرک ہے مگر مقام ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھری ہے۔

دوسرا باب

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر مخالفین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ یہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔

اعتراض ۱۔ مخلوقہ باب الاءادواتخذہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ”میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔“

جب آپ سے فاطمہ زہرا کی مدد نہ ہو سکی تو دوسروں کی کیا ہوگی؟

جواب یہ اوّل تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پس روح یہاں اسی لئے من اللہ فرمایا۔ مسلمانوں کی حضور ہر جگہ مدد فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْأَخْلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقُونَ پر ہر نگاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گروہوں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل ملکیت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے سوا میرے نسب اور رشتہ کے۔ واقعی دیوبندیوں کی حضور مدد نہ فرمائیں گے۔ ہم چونکہ سجدہ تعالیٰ مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔

اعتراض ۲۔ **إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** (پارہ ۱ سورہ آیت ۴)

”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت مشرک۔ تو غیر خدا کی استمداد بھی مشرک۔

جواب اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز کچھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے۔ **إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ** نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ یا فرمایا گیا **لَهُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ** اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان و زمین کی چیزیں۔ پھر ہم حکام کو حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعوٰی ملکیت بھی کرتے ہیں۔ یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت، مگر بندوں کے لئے یہ عطائے الہی۔

نیز یہ بتاؤ کہ عبادت اور مدد مانگنے میں تعلق کیا ہے؟ کہ اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ تعلق یہی ہے کہ حقیقی معاون سمجھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بت پرست بتوں کی پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں کہ ”کالی مائی تیری دہائی“ وغیرہ اس لئے ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی مشرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہم اس کا محض اچھی طرح پہلے وے چکے ہیں۔ اب بھی مدرسہ کے چندہ کے لئے الماداروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ دہائی کی مدد سے پیدا ہونے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ الماداروں کی مدد سے زندگی گزاری اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر خصال اور درزی کی مدد سے غسل ملا اور کفن پہنا۔ مگر کن کی مدد سے قبر کھدی۔ مسلمانوں کی مدد سے خاک دفن ہوئے پھر اہل قرابت کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہوا۔ پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس سے مدد اور کس وقت۔

اعتراض ۳۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ** معلوم ہوا کہ رب کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

جواب یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں۔ بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے۔ جنہیں کفار نے اپنا نام و مددگار مان رکھا تھا یعنی بت و شیاطین، ولی اللہ وہ جسے رب نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا۔ جیسے انبیاء و اولیاء۔ وائسرائے لندن سے حکومت کرنے کے لئے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کس کو خود

ساختہ حاکم مان لے وہ مجرم ہے۔ سلطانی حکام مانو، خود ساختہ حاکموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حکام سے مدد کو گھر کیلے ناصرین سے بچو۔
موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ۔

اذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی (پارہ ۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۴) ”فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا۔“

آپ نے عرض کیا۔ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰؤُلَاءِ اَیُّہِ اَزْدِیْ (پارہ ۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۹، ۳۰، ۳۱)
”موسیٰ! حضرت ہارون کو میرا وزیر بنادے جس سے میرے بازو قوت ہو۔“

رب تعالیٰ نے بھی نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کسی اور سہارا کیوں لیا؟ بلکہ منظور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ انبیاء ہے۔

اعتراض ۴۔ درحق باب المرتدین کرامات اولیاء میں ہے کہ قول شَيْئًا لِّلّٰہِ قِیْلَ یٰکُفِّرُہُ معلوم ہوا کہ یَا عَبْدَ الْقَادِرِ جِبِلّٰہِ شَيْئًا لِّلّٰہِ کہنا کفر ہے۔

جواب یہاں شَيْئًا لِّلّٰہِ کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لئے کچھ دو۔ رب تعالیٰ تمہارا محتاج ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یتیم کے لئے کچھ دو۔ یہ معنی واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے فرمایا۔ اَمَّا اِنْ قَصَدَ الْمَعْنٰی الصَّحِیْحَ فَالظَّاهِرُ اَنَّہٗ لَا بَاسَ بِہِ لِیَعْنٰی اگر اس سے صحیح معنی کی نیت کی کہ اللہ کے لئے مجھے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے نزدیک شَيْئًا لِّلّٰہِ کا یہ ہی مطلب ہے۔

اعتراض ۵۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے !

جواب

وہ پتھر ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو انبیاء سے
تو سل کر نہیں سکتے خدا سے اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اعتراض ۶۔ خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں؟ ہم اس کے بندے ہیں چاہئے کہ اسی سے حاجتیں مانگیں (تقویۃ الایمان)۔

جواب ہم خدا کے بندہ خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن بھیج رہا ہے۔ کہ اسی سے گزشتہ تقریر۔ اور خدا نے ان بندوں کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے۔

حاکم حکیم دارو دو دیں یہ کچھ نہ دیں مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے !

اعتراض ۷۔ قرآن کریم نے کفار کو کفر یہ بیان کیا ہے کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ بتوں سے مدد مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔

جواب اور تم بھی مشرک ہوئے انبیاء پوچھ لو اور حاکم سے مدد مانگ کر، یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریر میں بیان کر چکے ہیں۔
رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ عَلَنَ اللّٰہُ فَلَن تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۵۲)

”جس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ اس کا مددگار کوئی نہیں ہوتا مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کے لئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔“

اعتراض ۸۔ شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت غلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا اے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں غلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد نہ طلب کرتے۔

جواب یہ وقت امتحان تھا، اندیشہ تھا کہ حرف شکایت منہ سے نکالنا رب کو ناپسند ہوگا۔ اسی لئے غلیل اللہ نے اس وقت خدا سے بھی دعائے کی بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جاتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعائے نہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت مرتضیٰ نے نہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے۔

اعتراض ۹۔ زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مردہ میں نہیں۔ لہذا یہ شرک ہے۔

جواب قرآن میں ہے وَإِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اس میں زندہ اور مردے کا فرق کہاں۔ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کے نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مردے کی اس مسئلہ ادھی مطلقاً شرک ہونی چاہئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ڈھائی ہزار برس بعد امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدد فرمائی کہ شب معراج میں پچاس نمازوں کی بجائے

پانچ کراویں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نمازیں پانچ رہیں گی مگر بزرگان دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر پھر دو پچاروں کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔ استمداد کے منکرین کو چاہئے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔ نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ جالو۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (بقرہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۵۴)

”جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔“

جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہ خدا میں مارے جاویں گے۔ مگر یہ بلاوجہ زیادتی ہے اس لئے کہ آیت میں لوہے کی تلوار کا ذکر نہیں ہے جو حضرات عشق الہی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (روح البیان) اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ جو ذوب کمرے، جل جاوے، طاعون میں مرے، عورت زانیگی کی حالت میں مرے۔ طالب علم مسافر وغیرہ سب شہید ہیں۔ نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں، باقی سب مردے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا لازم آوے گا۔ حالانکہ سب کا مشترکہ عقیدہ ہے کہ حضرات عیالات کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مردے سے مدد مانگنے کی تحقیق بہ ہم ثبوت استمداد میں کر چکے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد ملی جاسکتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جاوے اور اس کی کچھ تحقیق پورے حکمرانوں اور سفراء یا رت قبور میں بھی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تفسیر صادی آخر سورہ قصص وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ آخَرَ کی تفسیر میں ہے۔

فَجَنِّدْ فَلَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى مَا زَعَمَهُ الْخَوَارِجُ مِنْ أَنَّ الطَّلَبَ مِنَ الْغَيْرِ حَيًّا وَمِمَّا شَرَكْتَ فَإِنَّهُ جَهْلٌ مُرَكَّبٌ لِأَنَّ سُؤَالَ الْغَيْرِ مِنْ إِجْوَاءِ اللَّهِ النَّفْعُ أَوْ النَّصْرُ عَلَى يَدِهِ قَدْ يَكُونُ وَاجِبًا لِأَنَّهُ مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْأَسْبَابِ وَلَا يُنْكِرُ الْأَسْبَابَ إِلَّا الْجَاهِلُونَ

”یعنی یہاں لاتدرع کے معنی ہیں نہ پوجو بلکہ اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔ خارجیوں کی یہ بکواس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعہ سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔“

اس عبارت سے غمن باتیں معلوم ہوئیں (۱) غیر خدا سے مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے (۲) اس طلب کا انکار خارجی کرتے ہیں (۳) لاتدرع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکارنے کی یا مدد مانگنے کی۔

اعتراض ۱۰ بزرگان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھا پے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست و پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد کی طرح لغو ہے۔ اس کی برائی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ **وَأَنْ يَسْأَلَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِيدُوا مِنْهُ** اولیاء اپنی قبروں سے کبھی بھی مدد نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے۔

جواب یہ تمام کمزوریوں اس جسم خاکی پر اس لئے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح ہے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں، بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتی اور قدموں کی آواز سنتی ہے۔ خصوصاً ارواح انبیاء رب تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ** پہلی گھڑی گزشتہ گھڑی سے آپ کے لئے بہتر ہے اور استمداد اولیٰ کی روح سے ہے۔ یہ نہ جسم عرضی سے کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں نیز وہ پتھروں کو اپنا مددگار جانتے ہیں جن میں روح بالکل نہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ آیت **يُجْعَلُونَهُ عَادًا يُجْهِدُونَهُ عَادًا** کی تفسیر میں ہے کہ حضرت خالد دمر نے زہریا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضور علیہ السلام نے خیبر میں زہر کھایا۔ مگر بوقت وفات اثر ظاہر ہوا کہ انہوں نے مقام حقیقت میں رہ کر زہر پیا تھا۔ اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقت بشریت کا ظہور تھا کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہذا اب اثر ظاہر ہوا۔ ان حضرات کو قبر کی کبھی تو کیا عالم کو پلٹ دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس جانب توجہ نہیں۔ خانہ کعبہ میں تین سو برس بت رہے رب نے دور نہ کیے تو کیا خدا کمزور ہے اپنے گھر سے نباست دور نہ کر سکا؟ رب سمجھ دے۔

اعتراض ۱۱ حضرت علی اور امام حسین میں اگر کچھ طاقت ہوتی تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ

کر سکے۔ تو تمہاری مصیبت کیا دفع کریں گے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَأَنْ يَسْأَلَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفِيدُوا مِنْهُ**

جواب ان دفع مصیبت کی طاقت تو تھی۔ مگر طاقت کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی۔ مویٰ علیہ السلام کا عصا فرعون کو بھی

کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا امام حسین رضی اللہ عنہ میں طاققت تھی کہ کربلا میں حوض کوثر منگالیتے فرات کی کیا حقیقت تھی مگر رضی اللہ عنہ الہی
تھے۔ دیکھو رمضان میں ہمارے پاس پانی ہوتا ہے۔ مگر حکم الہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے بخلاف بتوں کے کہ ان میں طاققت ہی نہیں۔ لہذا یہ
آیت انبیاء و اولیاء کے لئے پڑھنا ہے دینی ہے۔ یہ بتوں کے لئے ہے۔ حضرت حسین کے ٹانگے ہار اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہاویے یہ
پانی جنت سے آتا تھا۔

بحث بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنی اور اس کے اقسام وہ احکام ہیں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات ہیں۔

پہلا باب

بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ **قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ** (ہزارہ ۲۶ سورہ ۲۶ آیت ۹) ”فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔“

نیز فرماتا ہے۔ **يَبْدِئُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** ”آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔“

نیز فرماتا ہے۔ **وَرَهْبَانِيَّتَهُ ابْتَدَعُوا آهَامًا كُتِبْنَا هَا عَلَيْهِم**

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا، وغیرہ۔

مرقاۃ مشکوٰۃ باب الاعصام بالکتاب والسنة میں ہے

قَالَ النَّوْدِيُّ اَلْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ غُيِّرَ عَلَيْهِ مِثَالِ سَبَقَ ”بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔“

اب بدعت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو دافع سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے۔ حسنہ، سیئہ دوسرے دو معنی سے ہر بدعت سیئہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں لہذا احادیث و اقوال علماء آپس میں متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے، عیسائی، یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جبریہ، قدریہ، مرجیہ، پکڑ الوی، غیر مقلد، دیوبندی عقائد بدعت اعتقادی ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور ﷺ کا خیال نماز میں بتل گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارہویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شامی سے اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّتَهُ ابْتَدَعُوا مَا كُتِبْنَا هَا عَلَيْهِم الْاِبْتِغَاءَ بِضَوَانِ اللّٰهِ پھر فرماتا ہے۔ **فَاتَّبَعْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْهُمْ اٰجْرَهُمْ** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانا ایجاد کیا

رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں جو اسے بھانہ سکھانے پر عتاب آیا۔ فرمایا گیا۔ **فَمَارِعَوْهَا حَقٌّ وَعَاتِيَهَا دِيْكُمْ** ایجاد

بدعت پر عتاب نہیں ہوا بلکہ نہ بھانے پر۔ معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا **بِئْسَ اَخِيْرُ الْاُمُوْر**

اَوْ دَمَهَا لہذا چاہئے کہ مسلمان محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ مشکوٰۃ باب الاعصام کی پہلی حدیث ہے کہ **مَنْ اَحْدَثَ فِيْ**

اَمْرٍ نَّا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے تاکہ

معنی عقیدے اس لئے کہے ہیں کہ دین عقائد کا ہی نام ہے اعمال فروغ میں بے نمازی گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بدعت یا تو گمراہ ہے یا کافر۔

اس کے تحت مرقات میں ہے۔

وَالْمَعْنٰی اَنَّ مَنْ اَحْدَثَ فِي الْاِسْلَامِ رَاٰیًا فَهُوَ مَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ اَقُوْلُ فِي وَصْفِ هٰذَا الْاَمْرِ اِشَارَةً اِلٰی اَنَّ

اَمْرَ الْاِسْلَامِ كَمَلٌ ”معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا الامر کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا۔“

جابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوٰۃ باب الایمان بالقدرد میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا **بَلَّغْنِي أَنَّهُ قَدْ أَحَدَثَ فَإِنْ كَانَ أَحَدَثَ فَلَا تَقْبِضُوا لَهُ مِنِّي السَّلَامُ** مجھے خبر لی کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں۔

يَقُولُ يَكُونُ فِي أُمَّتِي خَسَفٌ وَمَسَخٌ أَوْ قَدْ تَفَاهَلَ الْقَدَرُ

”حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنسا صورت بدانا یا پتھر برسا ہوگا قدر یہ لوگوں میں۔“
معلوم ہوا کہ وہ قدر یہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو منکر فرمایا۔
درمئی کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے۔

وَمُبْتَدِعُ أَيِّ صَاحِبٍ بِدْعَةٍ وَهِيَ اعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوفِ عَنِ الرَّسُولِ

”بدعتی امام کے پیچھے نماز کروہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام معروف ہیں۔“
ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور برے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقاد یہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھالے پر مدد دی۔ یعنی بدعت اعتقاد یہ والے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے ”جس بدعت میں ایسی شد بدعتیہ وہ بدعت فی العقائد ہے۔ جیسا کہ روافض خوارج کی بدعت ہے۔
بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد و اختراع وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بعد۔
مرقات باب الاعتصام میں ہے۔

وَفِي الشَّرْعِ أَحْدَاثٌ مَا لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔“

اشعۃ اللمعات میں یہی باب ”بدانکہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است“ جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے۔
ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر **نِعْمَتُهُ الْبِدْعَةُ هَذِهِ** یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو جسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عہدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین پڑھنا یا کہ لاؤ بھیک پر نماز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی بذریعہ مکرمین کے آواز پانچا نا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ اس قسم کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔ اشعۃ اللمعات جلد اول باب الاعتصام زیر حدیث **وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَالَّةٌ** ہے ”وآنچه موافق اصول و قواعد است و قیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند و آنچه مخالف آں باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت گمراہی کہتے ہیں۔“

مشکوٰۃ باب العلم میں ہے۔

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ شَيْئًا حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهُ وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ شَيْئًا سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وَزُرْهَُا وَزُرْ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ
جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں گیا اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کا خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے۔ اور برے کام نکالنا گناہ کا موجب۔

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابوحنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ هَذِهِ أَحَادِيثٌ مِنْ قَوَائِدِ الْإِسْلَامِ وَهُوَ أَنَّ كُلَّ مَنْ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّرِّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ وَزْرِ مَنْ اقْتَدَى بِهِ فِي ذَلِكَ وَكُلُّ مَنْ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الْخَيْرِ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ كُلِّ مَنْ يَعْمَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری بیروی کرینوالوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اسکو قیامت تک کے سارے بیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔
اس سے بھی معلوم ہوا کہ بدعت ثواب ہے اور بری بدعت گناہ۔ بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اسکی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔
مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ”جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی رائے نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“
دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ اشعۃ الملععات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ ”و مراد چیز ہے است کہ مخالف و غیر آن باشد“ اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔
اسی مشکوٰۃ باب الاعتصام تیسری فصل میں ہے۔

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السَّنَةِ فَتَمَسَّكَ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ
”کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے۔ لہذا سنت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔“
اس کی شرح میں اشعۃ الملععات میں ہے ”وچوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت خواہ بدود۔“ اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والے ہوگا۔
اس حدیث اور اسکی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیدہ یعنی بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ اسکی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسنا اور بدعت سیدہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اسی جگہ دھوکا ہوتا ہے۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسنا اور بدعت سیدہ۔ اب یاد رکھنا چاہئے کہ بدعت حسنا تین طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت جائز، بدعت مستحب، بدعت واجب۔ اور بدعت سیدہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت مکروہ اور بدعت حرام۔ اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔
مرقات باب الاعتصام بالکتاب والسنة میں ہے۔

الْبِدْعَةُ أَمَّا وَاجِبَةٌ كَتَعْلُمِ النُّحُوِّ وَتَدْوِينِ أَصُولِ الْفِقْهِ وَ أَمَّا مُحَرَّمَةٌ كَمَذْهَبِ الْجَبْرِیَّةِ وَأَمَّا مَنذُوبَةٌ كَأَحْدَاثِ الرُّوَاطِطِ وَ الْمَدَارِسِ وَ كُلِّ إِحْسَانٍ لَمْ يُعْهَدْ فِي الصُّدْرِ الْأَوَّلِ كَالْتَرَاوِیْحِ أَى بِالْجَمَاعَةِ الْعَامَّةِ وَأَمَّا مَكْرُوهَةٌ كَذُخْرِ قَرَفَةِ الْمَسْجِدِ وَأَمَّا مُبَاحَةٌ كَالْمُصَافَحَةِ عَقِيبَ الصُّبْحِ وَ التَّوَسُّعِ بِلَذِيزِ الْمَائِكِلِ وَ الْمَشَارِبِ

”بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم کو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا اور یا جائز ہے جیسے فخری نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔“
شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے۔

أَى صَاحِبِ بِدْعَةٍ مُحَرَّمَةٍ وَإِلَّا فَقَدْ تَكُونُ وَاجِبَةٌ كَنَصَبِ الْأَدِلَّةِ وَ تَعْلُمِ النُّحُوِّ وَ مَنذُوبَةٌ كَأَحْدَاثِ نَجْوَرٍ بِأَطْ وَ مَدْرَسَةٍ وَ كُلِّ إِحْسَانٍ لَمْ يَكُنْ فِي أَصْدَرِ الْأَوَّلِ مَكْرُوهَةٌ كَزُخْرِ قَرَفَةِ الْمَسْجِدِ وَ مُبَاحَةٌ كَالْتَّوَسُّعِ بِلَذِيزِ الْمَائِكِلِ وَ الْمَشَارِبِ وَ الْفِيَّابِ كَمَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ

”یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی جیسے کہ دلائل قائم کرنا اور علم کو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زینت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔“

ان عبارات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ و اصول فقہ قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اعراب لگانا یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں کے درس وغیرہ بنانا۔

بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسہ اور سیرہ کی پہچان تو بتا دی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے والی ہو۔ وہ بدعت سیرہ۔ اور جو ایسی نہ ہو۔ وہ بدعت حسہ ہے۔ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔

بدعت جائز ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے۔ جیسے پتھر کھانے کھانا وغیرہ۔ اس کا حوالہ مرقاۃ اور شامی میں گذر گیا۔ ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

بدعت مستحبہ وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور اس کو عام مسلمان کا ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کار ثواب جانتے ہیں۔ اس کو کرنے والا ثواب پاویگا۔ اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

مرقات باب الاقسام میں ہے۔

وَرَوَى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ مَازَاةُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَفِي حَدِيثٍ مَرْفُوعٍ وَلَا تَجْتَمِعُ أُمِّي عَلَى الضَّلَالَةِ

”حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جائیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث مرفوعہ میں ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔“

مشکوٰۃ کے شروع میں ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّا نَوَىٰ ”اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جو نیت کرے۔“

کلمہ ہر مسلمان چھکے یا ذکر کرتا ہے۔ یہ چھ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلاثہ میں پتہ بھی نہیں تھا۔

قرآن قرآن شریف کے تیس پارہ بنانا۔ ان میں رکوع قائم کرنا۔ اس پر اعراب لگان اس کی منبری رو پہلی جلدی تیار کرنا۔ قرآن کو بلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلاثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

حدیث حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معطل، یہ مدلس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔ دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حرام و حلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرض کہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلاثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

اصول حدیث یہ ن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے۔ اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

فقہ اس پر آج کل دین کا دار و مدار ہے۔ مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلاثہ میں ذکر نہیں۔

اصول فقہ و علم کلام یہ علم بھی بالکل بدعت ہے۔ ان کے قواعد ضوابط سب بدعت۔

نماز نماز میں زبان سے نیت کرنا۔ بدعت، جس کا ثبوت قرون ثلاثہ میں نہیں۔ رمضان میں بیس تراویح پر پہنچنے کا بدعت ہے۔

خود امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نَعَمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ روزہ اظہار کرتے وقت زبان سے دعا کرنا۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ اے خدا اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ اَللّٰهُمَّ بِالصَّوْمِ

لَكَ عَزَازَةٌ بدعت ہے۔

زکوٰۃ زکوٰۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قرون ثلاثہ میں یہ تصویر والے سکے نہ تھے نہ ان سے زکوٰۃ جیسی عبادت ادا ہوتی تھی۔ موجودہ سکے سے غلوں سے فطرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہیں۔

درمقار جلد اول بحث مستحبات و ضومیں ہے۔

وَمُسْتَحَبُّهُ وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَىٰ وَمَا أَحَبَّهُ السَّلَفُ

”مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہوا اور کبھی چھوڑا ہوا اور وہ کام جسے گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں۔“

شامی جلد چہم بحث قربانی میں ہے۔

فَإِنَّ النَّبَاتِ تَجْعَلُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ ”کیونکہ نبات خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے۔“

اسی طرح مرقاۃ بحث نبات میں بھی ہے۔

ان احادیث و فقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو چائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عند اللہ بھی کار ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ برا۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا۔ **ان شاء اللہ**

بدعت واجبہ وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہوا اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم خود غیرہ پڑھنا اس کے حوالے گزر چکے۔

بدعت مکروہہ وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔ اگر سنت غیر مکروہہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تخریجی ہے۔ اور اگر سنت مکروہہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تخریجی۔ اسکی مثالیں اور حوالے گزر گئے۔

بدعت حرام وہ نیا کام جس کوئی واجب چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹا دینا ہوا۔

در مختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا ۸۱ھ میں ایجاد ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جو کہ بارے میں فرماتے ہیں۔

فَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَيْهِ أَنَّهُ غَيْرُ مَكْرُوهٍ لِأَنَّ الْمُتَوَاتِرَ لَا يَكُونُ مَكْرُوهًا وَكَذَلِكَ تَقُولُ فِي الْأَذَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْخَطِيبِ فَيَكُونُ بِدْعَتَهُ حَسَنَةً إِذْ مَرَّاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ
اس سے معلوم ہوا کہ جو چائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے۔
آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

ایمان مسلمان کے بچہ بچہ کو ایمان جمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلاثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

حج ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا۔ موٹروں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ سوار یاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طہریت طہریت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں مراقبہ، چلے، پاس انفس، تصویر شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلاثہ میں کبھی پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے شریعت و طہریت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی، یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچکر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔ تو بدعت سے بچنا کار کیا؟

دنیلوی چیزیں آج کل دنیا میں وہ چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں۔ جن کا خیر الفرون میں نام و نشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تگ، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لٹافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلیف استعمال کرتے ہیں۔
بلوہ دیوبندی، وہابی، بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

لطیفہ ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دولہا کے پھولوں کے سہرا بندا ہوا تھا۔ جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور نے باندھا نہ صحابہ کرام نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے بتاؤ کوئی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا بندا ہو لوگوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا چکے تو دولہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دولہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے۔ حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضور نے لئے نہ صحابہ نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دولہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ غم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ ہے ان بزرگوں کی بدعت۔

دوسرا باب

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات و جوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

اعتراض ۱ بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔ لہذا

محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تارلیٹیون، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ **مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا**

هَذَا مَالِيَسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسن نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

جواب دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے **كُلُّ مُحَدَّثٍ**

بِدْعَةٍ (مختلہ باب الاعصام) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز ہم اھعیہ اللغات اور مراقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے

ہیں کہ انہوں نے عمدہ کھانے، اچھے کپڑے، بدعت جائزہ میں داخل کئے ہیں۔ یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا لہذا یہ قید لگانا غلط

ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں۔ جس پر ثواب ملے۔ مستحبات، نوافل، واجبات، فرائض

سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ

مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے۔ **حَتَّى اللَّقْمَةِ تَرَفَعَهَا فِي**

إِمْرَاءٍ بَكَ یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب۔ لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ

کھانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیوبند کا مدرسہ وہاں کا نصاب دورہ حدیث، منجملہ لے کر

مدرسین کا پڑھانا، امتحان اور تعطیلات کا ہونا، آج قرآن پاک میں اعراب لگانا، قرآن و بخاری چھاپنا، مصیبت کے وقت شتم بخاری کرنا جیسا کہ

دیوبند میں چندہ روپیہ کے کرکرایا جاتا ہے۔ بلکہ سارا فن حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کافذ پر جمع کرنا۔ اس میں

رکوع بنانا۔ اس کے تیس سید پارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ **ﷺ** کے زمانہ میں ان سے کوئی کام نہ ہوا

تھا۔ بولو یہ حرام ہیں یہ حلال؟ پچھارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ شریف نے ہی کیا تصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لئے حرام ہوں کہ حضور **ﷺ** کے

زمانہ میں نہ تھا اور اوپر کئے ہوئے سب کا حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کریں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع

مانع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں بدعت، شرک، دین، عبادت اور اب بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر

مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس مذہب بچ جاوے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر

غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ انکی ایسی صحیح تعریف کرو جس سے محفل میلاد حرام ہو۔ اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا

شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد دین اسلام اور کہہ دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہذا چاہئے کہ اپنے اس بے

اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اہلسنت والجماعت میں داخل ہوں (الوافقی)۔ وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔ اس کے حقائق ہم عرض کے چکے ہیں

یا تو ناسے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو **لَیْسَ مِنْهُ** سے مراد وہ اعمال ہیں۔ جو خلاف سنت یا

خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسن کوئی چیز ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ

ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا۔ نیز شامی، اھعیہ اللغات اور مراقاۃ کی عبارات پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے

جائز، واجب، مستحب، مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو شتم کر دینے بھی حرام ہیں۔ نیز مسائل فقہیہ اور

اشغال صوفیہ جو خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، جنبلی اور طریقت کے چار سلسلے

قادری، چشتی، نقشبندی، سموردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہاد یہ اور اعمال،

ذلیفے، مراقبے، چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں، چھکلا، ایمان، مجمل و مفصل قرآن کے تیس

پارے، حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، یہ حسن ہے یا معطل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب، جلسہ دستار بندی، سند

لینا، بگڑی بندھوانا، ان چیزوں کا کٹکس قرآن وحدیث میں نام بھی نہیں کوئی دیوبندی وہابی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث میں نہیں دکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کر سکتا، غرض کہ شریعت وطریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسلمیل صاحب صراط مستقیم صفحے پر فرماتے ہیں۔ ”نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات و ریاضات و عبادات کی تعین میں جو راہ ولایت کے مہادی ہیں کوشش کی ہے لیکن حکم ہر حق وقتی ہر نکتہ مقامی دارد۔“ ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہیں۔“ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تصوف کے اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے۔ کہیں کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے؟ ماننا پڑے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ برا ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

اعتراض؟ مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہوگا۔ وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاعصام میں ہے۔

(۱) **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّشِيدِينَ الْمُهَدِّدِينَ تَمَسُّوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ**

”تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑ لو۔“

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔ (۲) مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

خَيْرُ أُمَّتِي قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ إِنَّ بَعْدَ ذَلِكَ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيُخَوَّنُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ

”میری امت میں بہتر گروہ میرا ہے پھر وہ جو ان متصل میں پھر وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھر گئی اور جو خیانت کریں گے۔ امین نہ ہوں گے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا، تبع تابعین کا، اور پھر شر اور خیر کا زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے۔

نیز مشکوٰۃ باب الاعصام میں ہے۔

(۳) **تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مَلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي**

”میری امت کے تجزے فرقے ہو جائیں گے ایک کے سوا سب جہنمی ہیں۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کون ہے؟ فرمایا جس پر ہم اور ہمارے صحابہ ہیں۔“

معلوم ہوا صحابہ کرام کی بیروی جنت کا راستہ ہے اس لئے ان کے ایجادات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔

مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

(۴) **أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ قَبَائِبِهِمُ اقْتَدَيْتُمْ إِهْتَدَيْتُمْ**

”میرے صحابہ (رعوان اللہ علیہم) تاروں کی طرح ہیں تم جسکے پیچھے ہو لو ہدایت پا لو گے۔“

اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی بیروی باعث نجات ہے لہذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں۔ کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔

جواب یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ الملتعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہو۔ اس میں صحابہ کرام و تابعین کا ذکر نہیں۔ نیز اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت دیکھ کر فرمایا۔

نِعِمَّتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ ”یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔“

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مشکوٰۃ شریف باب القلوب میں حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوت نازلہ کے حعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اے نبی محدث۔ بیٹے یہ بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز کو آپ بدعت سنیہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجادات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی اور قنوت نازلہ بدعت سنیہ کیوں ٹھہری۔ وہ زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں۔ تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں بحوالہ مرقات گزر چکا ہے کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے۔ جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا۔ چوتھے اس لئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن میں جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ **كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ هُوَ خَيْرٌ** آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا، صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے مخالفین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱) **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ** ”خلفاء راشدین کی اقوال و افعال کو نفوی معنی سی سنت فرمایا گیا۔“
یعنی اے مسلمانوں تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّتَهُ حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا اور **مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّتَهُ سَيِّئَةً** اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **سُنَّتَهُ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا** نیز فرماتا ہے **سُنَّتَهُ اللَّهُ أَلْبَنَى قَدْ خَلَقْتَ** ان آیات اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں بلکہ بمعنی طریقہ ہے سنت الہیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء نبیوں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي** کے تحت اشعۃ المبعات میں ہے و تحقیق سنت خلفائے راشدین ہاں سنت بتغیر است کہ در زبان آنحضرت علیہ السلام شہرت نیافتہ بود و در زمان ایشان مشہور و مضاف پ ایشان شدہ۔ ”خلفائے راشدین کی سنت حقیقۃً سنت نبوی ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہو گئی اور ان کی طرف منسوب ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کر نیوالے خلفاء راشدین ہوں پانچویں اسلئے کہ محدثین اور فقہا فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملحق ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے الحاق کئے ہوئے ہیں اگر ان حضرات کے ایجاد فرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنی۔ تو انوار کے شروع میں ہے **وَقَوْلُ الصَّحْبِيِّ فِيمَا يُعْقَلُ مُلْحَقٌ بِالْقِيَاسِ وَفِيمَا لَا يُعْقَلُ مُلْحَقٌ بِالسُّنَّةِ** صحابی کا فرمان عقلی باتوں سے تو قیاس سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملحق ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول و فعل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے الحاق کے کیا معنی؟ اشعۃ المبعات زیر حدیث **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي** ہے۔ پس ہر چہ خلفائے راشدین بجا حکم کردہ باشند۔ اگر چہ باجہتا دو قیاس ایشان بود موافق نبوی است اطلاق بدعت بر آن نواں کرد۔ ”جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہو اگر چہ اپنے قیاس اور اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے موافق ہے اس پر لفظ بدعت نہیں بول سکتے ان عبارات سے بالکل واضح ہوگا کہ سنت خلفاء راشدین بمعنی نفوی سنت ہے اور سنت شرعی سے ملحق ہے ان کو ادا یا بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت اکثر بدعت سنیہ کو بولتے ہیں۔

(۲) **خَيْرَ أُمَّتِي قَرْنِي** الخ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور ان کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہوا اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے۔ یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاویگا۔

(۳) **مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي وَأَصْحَابِي كَأَنَّهُمْ جُوم** سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی غلامی ان کی پیروی کرنا باعث ہدایت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست ہے اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

اَتَّبِعُوا السَّوَادَ لَا عَظَمَ لَهُ فَاِنَّ مِنْ شَيْءٍ مُدَّ فِي النَّارِ ”بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ راہ و جنم میں علیحدہ کیا گیا۔“

مَارَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهِ
 ”جس کو مسلمان اچھا جائیں وہ اللہ کی نزدیک بھی اچھا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے، پالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔“
 قرآن کریم میں ہے۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۱۱۵)

”اور مسلمانوں کی راہ سے چداراہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔“
 اس آیت وحدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہے ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لیکن اس پر
 تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہوگا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح ایجادات صحابہ
 کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ ”یعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔“

ہدایت ضروریہ جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ **الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْأَبَاحُ** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے وہ مباح ہے۔ یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع
 ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ و اقوال فقہاء سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد
 کہلانہ الا تو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبْدَلْكُمْ تَسْأَلُكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنْزَلُ الْقُرْآنُ
 تُبْدَلْكُمْ غَفَاً اللَّهُ عَنْهَا (پارہ ۷ سورہ ۵ آیت ۱۰۱)

”اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر انکو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں
 گیالہذا کو معاف کر چکا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اسی لئے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا
وَأَحَلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَلِكَ ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں نیز فرمایا۔ **وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ** تم
 سے تفصیل وار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند بے بات ہیں
 جن کی تفصیل بتا دی ان کے سوا سب حلال۔ مخلوۃ کتاب الطہرہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَى عَنْهُ
 ”حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔“
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جس کا حلال ہونا صراحتہ قرآن میں مذکور ہے دوسری وہ جنکی حرمت صراحتہ آگئی۔
 تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؟ شامی جلد اول کتاب الطہارہ بحث تعریف سنت میں ہے۔

الْمُخْتَارُ أَنْ الْأَصْلُ الْأَبَاحَةُ عِنْدَ الْجُمْهُورِ مِنَ الْحَنْفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہی مسئلہ ہے
 کہ اصل مباح ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر خازن و روح البیان اور تفسیر خزان و العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح
 ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلا و شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام یا
 صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو چاہئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلا و شریف کرنا حرام
 ہے جب خدا حرام نہ کرے۔ رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلا و شریف
 وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونگی علامت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَنِعَةً الْ

یہ نیز فرماتا ہے **قُلْ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ اللَّهُ إِلَهِي آخَرَاجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الْبَرِّدِ** الْ

یہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونگی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی یہ حضرات اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الہی
 منطق ہے اچھا بتاؤ کہ ریلوے سفر مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال

بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں، پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں، دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

میلاد شریف کے ثبوت میں

اولاً تو معلوم ہونا چاہئے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا، جمل شریف کے واقعات، نور محمدی کے کرامات، نسب نامہ یا شیر خوارگی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہ کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک یا نثر میں پڑھنا سب اس کے تابع ہیں، اب واقعہ ولادت خواہ تنہائی میں پڑھو یا مجلس جمع کر کے اور نظم میں پڑھو یا نثر میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد کہا جاوے گا، محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی سے ہووے اس کے فکر کے موقعہ پر خوشبو لگانا، گلاب چھڑکنا، شیرینی تقسیم کرنا غرض کہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقہ سے ہووے مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الہی کے نزول کا سبب ہے۔

(۱) عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَمَعْلُومًا ہوا کہ مائدہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا، آج بھی اقرار کو عیسائی اسی لیے عید مناتے ہیں کہ اس دن دسترخوان اتر ا تھا اور حضور ﷺ کی تشریف آوری اس مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہذا ان کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے، ہاں اس مجلس پاک میں حرام کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ اجنبی مرد و عورتیں متنع سے عورت کی آواز اجنبی مرد کو نہ سنانا جائز نہیں اگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے نکلنے سے روکے تو آواز سے سبحان اللہ کہہ دے، لیکن عورت کسی کو روکے تو سبحان نہ کہے بلکہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دھنا ہاتھ مارے جس سے معلوم ہو کہ عورت نماز میں ضرورت کے وقت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنانے اسی طرح میلاد شریف میں باجے کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ بالچکیل کو داروغہات میں سے ہے دیئے ہی بالچکیل حرام ہے اور خاص نعت خوانی جو کہ عبادت ہے اس کو باجے پر استعمال کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلاد شریف میں خرابیاں پیدا کر دی گئی ہوں تو ان خرابیوں کو دور کیا جاوے لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا لوگ قرآن کریم باجے سے پڑھنے لگیں تو ان بیہودگیوں کو مٹا دو قرآن پڑھنا نہ روکو کیونکہ یہ عبادت ہے۔

میلاد شریف قرآن و احادیث و اقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فضل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

(۱) رَبِّ تَعَالٰی فرماتا ہے **وَ اذْكُرْ وَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ** اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہذا محفل میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) **وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احسان جتایا اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔ کسی کو سلطنت ملے تو ہر سال اس تاریخ پر جشن جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد جگہ جگہ ارشاد فرمایا۔ فرماتا ہے **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ اَلَا یَہ**

”اے مسلمانوں تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لے آئے۔“ اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا **مِنْ اَنْفُسِکُمْ** حضور علیہ السلام کا نسب نامہ بیان ہوا کہ وہ تم میں سے یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں۔ **حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ** سے آخر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہی تین باتیں ہوتی ہیں۔

(۳) **لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمُ رَسُوْلًا** ”اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ میں نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا۔“

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْہُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ ”رب العالمین وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔“

غرض کہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت الہیہ ہے، اب اگر جماعت کی نماز میں امام یہی آیات ولادت پڑھتے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے، دیکھو امام صاحب کے پیچھے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے، پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے کیونکہ اس میں ہے **”مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ“** محمد اللہ کے رسول ہیں۔ رسول کے معنی ہیں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لئے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہو گیا، اصلاً میلاد پا گیا۔ قرآن کریم نے تو انبیاء علیہ السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورہ مریم میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر، حتیٰ کہ حضرت مریم کا درود۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ **”يٰلَيَّتِيْ مِثْ قَبْلِ هٰذَا“** پھر ان کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پاتا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اس وقت کیا غذا کھائی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمایا غرض کہ سب ہی بیان فرمایا، یہ ہی میلاد خواں بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں مجھرات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا پھر اس طرح دورانِ ہشتی آپ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتون کے گھر کو سجدہ کیا، وغیرہ وغیرہ وہی قرآنی سنت ہے اس طرح قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، اُن کی شیر خوارگی، اُن کی پرورش ان کا چلنا پھرنا، مدین میں جانا، حضرت شعیب کی خدمت میں جانا، وہاں رہنا اور اُن کی بکریاں چرانا، اُن کا نکاح، اُن کی نبوت ملنا، سب کچھ بیان فرمایا یہی باتیں میلاد پاک میں ہوتی ہیں۔

مدارج النبوۃ وغیرہ نے فرمایا کہ سارے پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل فرمایا۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاتِيْ مِنْ بَعْدِيْ اِسْمُهُ اَحْمَدُ

”میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔“

سبحان اللہ بچوں کے نام پیدائش کے ساتویں روز ماں بارکتیں ہیں مگر ولادت پاک سے ۵۹ سال پہلے مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا نام احمد ہے، ہوگا نہ فرمایا معلوم ہوا کہ ان کا نام پاک رب تعالیٰ نے رکھا کب رکھا؟ یہ تو رکھنے والا جانے۔

یہ بھی میلاد شریف ہے، صرف اتنا فرق ہوا کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے جمعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے ہم اپنے جمعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف لے آئے فرق ماضی و مستقبل کا ہے بات ایک ہی ہے ثابت ہوا کہ میلاد سنتِ انبیاء بھی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **”قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا“** یعنی اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔“

معلوم ہوا کہ فضل الہی پر خوشی منانا حکم الہی ہے اور حضور علیہ السلام رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی۔ لہذا ان کی ولادت پر خوشی منانا اسی آیت پر عمل ہے اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے۔ ہر جائز خوشی اس میں داخل۔ لہذا محفل میلاد کرنا وہاں کی ذریعہ و ذنب سچ و صحیح وغیرہ سب باعثِ ثواب ہیں۔

(۳) مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر ولادت میں ہے کہ شبِ ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔ ہاں ازلی راندہ ہوا شیطان رنج و غم میں بھاگا بھاگا پھرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میلاد سنتِ ملائکہ بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقتِ پیدائش کھڑا ہونا ملائکہ کا کام ہے، اور بھاگا بھاگا پھرنا شیطان کا فعل، اب لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو میلاد پاک کے ذکر کے وقت ملائکہ کے کام پر عمل کریں یا شیطان کے۔

(۵) خود حضور علیہ السلام نے مجمعِ صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت اور اپنے اوصاف بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک پر طعن کرتے ہیں۔

فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا پس منبر پر قیام فرما کر پوچھتا ہوں میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں محمد ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہتر مخلوق میں سے کیا۔ پھر ان کے دھڑے کئے عرب و عجم، ہم ان کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا، پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا، پھر قریش کے چند خاندان بنائے ہم ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم میں سے کیا، اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم خاتم النبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا پیداد ہیں جو انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چکا جس سے شام کی غار میں ان کو نظر آئیں اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنی نعت شریف، اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا یہ ہی میلاد شریف میں ہوتا ہے ایسی صد ہا احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی نعت شریف سناؤ، معلوم ہوا کہ میلا دستِ صحابہ بھی ہے، چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نعت سناؤ جو کہ توریت شریف میں ہے انہوں نے پڑھ کر سنائی اسی طرح حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ کج خلق، نہ سخت طبیعت، ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اردوان کی ہجرت طیبہ میں، ان کا ملک شام میں ہوگا، اُن کی آفتاب خدا کی بہت حمد کرے گی کہ رنج و خوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی۔ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

(۷) یہ تو مقبول بندوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی، تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کر لیا، چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب الزکاح باب وَأَمَّا تَكُنْمُ الْيَتَىٰ أَرْضَعْنَكُمْ وَمَا يُحْرَمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ میں ہے۔

فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بَشَرِ هَيْئَةٍ قَالَ لَهُ، مَاذَا بَقِيَتْ قَالَ أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ خَيْرًا إِنِّي سَقِيتُ فِي هَذِهِ بَعَثًا قَبِيئًا قَوِيَّةً

”جب ابولہب مر گیا تو اس کو اس کے بعض گھروالوں نے خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری ابولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی، ہاں مجھے اس گلے کی انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے تو یہ لوٹری کو آزاد کیا تھا۔“

یاد رہے کہ ابولہب حضرت عبد اللہ کا بھائی تھا اس کی لوٹری تو یہی ہے آکر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبد اللہ کے گھر فرزند محمد (رسول اللہ ﷺ) پیدا ہوئے۔ اس نے خوشی میں اس لوٹری کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے، یہ سخت کافر تھا جس کی برائی قرآن میں آ رہی ہے مگر اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا جب دوزخ میں وہ بیسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو چوستا ہے پیاس ٹھجھ جاتی ہے حالانکہ وہ کافر تھا ہم مومن، وہ دشمن تھا، ہم ان کے بندے بے دام، اس نے پیچھے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی، نہ کو رسول اللہ کی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں۔ تو وہ کریم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔

دوستان را کجا کنی محروم تو کہ بادشمنان نظرداری

مدارج النبوۃ جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

”دوریں جا سنداست مرا اہل موالید را کہ دو شب میلاد آں سرور سرور کنند و بذل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر یوں بوسرور میلاد آں حضرت و بذل شیر جا رہیدے بہت آں حضرت جز اودادہ شد تا حال مسلمان کہ مملو است بخت و سرور و بذل مال دروے چہ باشد لیکن باید کہ از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ اند از تقنی و آلات مجرد و نکرات خالی باش۔“

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی اور لوٹری کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا وجہ جو محبت خوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہیے کہ محفل میلاد شریف عام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو۔“

(۸) ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء و اولیاء و مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے، جس ملک میں بھی جاؤ، مسلمانوں میں یہ عمل پاؤ گے، اولیاء اللہ و علماء امت نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جائیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے۔ لَعَسَآ نُوْا شَہِدَآءَ تاکہ تم اے مسلمانو گواہ ہو۔ حدیث پاک میں بھی ہے اَنْتُمْ شَہَدَآءُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہذا محفل میلاد پاک مستحب ہے۔

آخر مجمع البیہار صفحہ ۵۵ میں ہے کہ شیخ محمد غاثر محدث ربیع الاول کے متعلق فرماتے ہیں، لَیْسَہُ شَہْرٌ اَمْرًا بِاَظْہَارِ الْعِبَادِہِ فِیْہِ کُلِّ عَامٍ معلوم ہوا کہ ربیع الاول میں ہر سال خوشی منانے کا حکم ہے۔

تغییر روح البیان پارہ ۲۶ سورۃ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔

وَمِنْ تَعْظِیْمِہِ عَمَلُ الْاِمَامِ السَّیُوْطِیُّ یُسْتَحَبُّ لَنَا اِظْہَارُ الشُّکْرِ لِمَوْلِیْدِہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ

”میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ نبی باتوں سے خالی ہو امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔“

بجھڑتے ہیں فَقَدْ قَالَ ابْنُ الْحَجَرِ، الْهَيْتُمِي إِنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَمَةَ مُتَّفَقٌ عَلَىٰ قَدْ بِهَا عَمَلُ الْمَوْلِدِ وَاجْتِمَاعُ النَّاسِ لَهُ، كَذَلِكَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ قَالَ السَّخَاوِيُّ لِمَ يَقَعْلَهُ أَحَدٌ مِّنَ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ إِنَّمَا حَدَّثَ بَعْدَهُمْ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْأَقْطَارِ وَالْمَدَنِ الْكِبَارِ يَعْمَلُونَ الْمَوْلِدَ وَيَتَصَدَّقُونَ بِأَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيَعْتَنُونَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيمِ وَيَظْهَرُ مِنْ بَرَكَاتِهِ عَلَيْهِمْ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيمٍ قَالَ ابْنُ الْجَوَازِيِّ مِنْ خَوَاصِهِ أَنَّهُ آمَنَ فِي ذَالِكَ الْعَامِ وَبُشِّرَىٰ عَاجِلَةً بِبَيْلِ الْمُغْنَةِ وَالْمَرَامِ وَأَوَّلُ مَنْ أَخَذَتْهُ مِنَ الْمُلُوكِ صَاحِبُ أَرْبُلٍ وَصَنَّفَ لَهُ ابْنُ قُتَيْبَةَ وَحِيَةً كِتَابًا بِأَفَى الْمَوْلِدِ فَاجَازَهُ بِأَلْفِ دِينَارٍ وَقَدْ اسْتَخْرَجَ لَهُ الْحَفِظُ ابْنُ حَجَرَ أَصْلًا مِنَ السُّنَنِ وَكَذَلِكَ الْحَافِظُ السُّيُوطِيُّ وَرَدَّ عَلَىٰ انْتِكَارِ هَافِي قَوْلِهِ إِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ بِدْعَةٌ مَذْمُومَةٌ

”ابن حجر قہمی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کو جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میان ایجاد پھر ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود شریف کرتے رہے اور کرتے ہیں اور طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے میلاد پڑھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتی ہے اور اس سے مرادیں پوری ہونگی خوشخبری ہے جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ ارمل ہے اور ابن اجیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکو ہزار شرفاں نذریں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت کو ثابت کی ہے اور انکار کیا ہے جو اس کو بدعت سیئہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔“

ملا علی قاری مورخ الروی میں دیا چاہے متصل فرماتے ہیں۔ لَا زَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ يَخْتَلِفُونَ فِي كُلِّ سَنَةٍ جَدِيدَةً وَيَعْتَنُونَ بِقَاءِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيمِ وَيَظْهَرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهِ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيمٍ اور اسی کتاب کے دیا چاہے میں یہ اشعار فرماتے ہیں۔

لِهَذَا الشَّهْرِ فِي الْإِسْلَامِ فَضْلٌ وَمَنْقَبَةٌ تَفُوقُ عَلَى الشُّهُورِ

رَبِيعٌ فِي رَبِيعٍ فِي رَبِيعٍ وَنُورٌ فَوْقَ نُورٍ فَوْقَ نُورٍ

ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوتی، ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء، محدثین مفسرین و صوفیاء نے اس کا اچھا جانا ہے جیسے امام سیوطی۔ علامہ ابن حجر، قہمی، امام سخاوی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر وغیرہم، تیسرے یہ کہ میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن، مراد پری ہونا، مقاصد برآنا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے، اس میں چند فائدے ہیں، مسلمانوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سن کر حضور علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں، کہ حضور علیہ السلام کی محبت بڑھانے کے لیے زیادتی درود شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھ لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے ہیں مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا مفضل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلمانوں میں تبلیغ احکام کا ذریعہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریف ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طہیہ سنیں، اسلام کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے اسلام لے آویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ مسلمانوں کو مسائل دینیہ بتانے کا موقع ملتا ہے، بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے، ہاں محفل میلاد شریف کا نام تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتا ہیں خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا، اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقع ملتا ہے۔

چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جس میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت کی جاوے کیونکہ بمقابلہ نثر کے نظم دل میں زیادہ اثر کرتے ہے اور جلد یاتی ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس میں سنتے سنتے مسلمانوں کے حضور علیہ السلام کا نسب شریف اور اولاد پاک، ازواج مطہرات اور ولادت پاک و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی، رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلومات ہوتی ہیں، رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفاء راشدین کے استماع خبر کرنے کو یاد ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں، میں نے بہت سے بوڑھوں کو پوچھا کہ حضور ﷺ کی اولاد کتنی ہیں؟ داماد کتنے ہیں! خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چچا رہے تو بہت مفید ہے، نبی ہوئی چیز کو نہ بگاڑو۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو نہ بنانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیر مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے فیصلہ یافتہ مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں ”کہ شرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل میلاد شریف میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعہ برکت سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔“ عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ ہو، (کہ شرک و کفر کی محفل ہے محفل میلاد) نہ معلوم کس پیر صاحب پر کیا فتویٰ لگے گا؟

(۱۱) ہم عرش کے بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور انتخاب کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جانیں، تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کی نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ شرعاً یہ منع نہیں اور مسلمان اس کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں، نیت خیر سے کرتے ہیں لہذا یہ مستحب ہے مگر حرام کہنے والے اس کی حرمت پر کوئی قطعی الثبوت قطعی الدلائل حدیث یا آیت لائیں گے صرف بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

دوسرا باب

میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱ مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے، لہذا مولود حرام۔

جواب میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے، ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت الہیہ، سنت انبیاء، سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ ﷺ، سنت صحابہ کرام، سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے، پھر بدعت کبھی؟ اور اگر بدعت ہو بھی تو ہر بدعت حرام نہیں، ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز ہوتی ہے اور مکروہ و حرام بھی، نیز پہلے باب میں تفسیر روح البیان کے حوالہ بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲ اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کو غلط ملط، واڑھی منڈوں کا نعت خوانی کرنا، غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے، لہذا حرام ہے۔

جواب اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں، بلکہ اکثر نہیں ہوتیں، عورتیں پردوں میں علیحدہ بیٹھتی ہیں اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے با وضو بیٹھتے ہیں۔ سب درود شریف پڑھتے رہتے ہیں اور رقت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہو سکتا ہے اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے۔

لذت بادہ عشقش زمین مست مہر س ذوق این مے نہ شناسی نجدات نہ چشمی

باتے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں حرام ہوگا، بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں کیونکہ وہاں مرد بے واڑھی بیٹھے جوانوں کے ساتھ پڑھتے ہیں ان کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے بُرے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں اور ترمذی و بخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث و تفسیر پڑھتے ہیں، ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں ہوتیں بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین واڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کئے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان محرقات کو روکنے کی کوشش کی جاوے گی تاؤ اگر واڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیسا؟ قرآن پڑھنا بند کر دے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر واڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

اعتراض نمبر ۳ محفل میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے، جسکی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹنے کا حرام لہذا میلاد حرام۔

جواب اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا، بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے جہاں رات کو ہو وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا، دس گیارہ بجے ختم ہو جاتا ہے اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہیں، اگر دیر لگ بھی جاوے تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں، جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے لہذا یہ اعتراض محض ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر سے ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے و دیگر مذہبی وقعی جلسے رات کو دیر تک ہوتے

ہیں اور بعض جگہ چکاج کی مجلس آخر رات میں ہوتی ہے رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جا کتنا ہوتا ہے کہو کہ یہ جلے، یہ نکاح، یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میلاد پاک کیوں حرام ہوگی؟ ورنہ وجہ فرقی عیاں کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴ علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ شریف میں محفل میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کافر کہا، جس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد دخت مری چیز ہے۔

جواب شامی نے مجلس میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے باجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں، کارٹوٹاب سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَأَقْبَحُ مِنْهُ النَّذْرُ بِقِرَاءَةِ الْمُؤَلِّدِي الْمَنَابِرِ مَعَ اسْتِمَالِهِ غَلِّ الْغَنَاءِ وَالْعَبِّ وَانْهَابِ ثَوَابِ ذَالِكِ إِلَى حَضَرَتِ الْمُصْطَفَى

”اس سے بھی بُری میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر ماننا ہے، باوجود یہ کہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور ﷺ کو ہدیہ کرنا۔“

اسی تفسیرات احمدیہ ہم نے ان گانے کی مجالس کو منع کیا ہے کہ جب میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔ تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** ہم نے بھی پہلے عرض کیا کہ محفل میلاد میں لغویات نہ ہوں، میں نے خود کراچی میں دیکھا کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں، ایک بار سہوان ضلع بدایوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے باپ کی قاتل کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون ریکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ کی روح کو بخشا، ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں اگر مطلقاً میلاد شریف کو جائز ماننا کفر ہے تو حاجی امداد اللہ صاحب بیرومرشد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵ نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئے ہے اسی طرح تقسیم شیرینی کی یہ اسراف ہے۔

جواب نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ دیکھو اس کی تحقیقی ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں، گذشتہ انبیائے کرام نے حضرت علیہ السلام کی نعت خوانی کی۔ صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور ﷺ نے اپنی نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت منظوم کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں لائے تھے تو حضور علیہ السلام ان کیلئے مسجد میں منبر بچھوا دیتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعائیں دیتے تھے کہ **اللَّهُمَّ ابْدِءْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ** ”اللہ حسان کی روح القدس سے امداد کر۔“

(دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب اشعر) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مجلس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں منبر دیا گیا۔ ابوطالب نے نعت لکھی خرپوٹی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ کو فالج ہو گیا تھا کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا، آخر کا قصیدہ بردہ شریف لکھا۔ رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑے ہو کر سنایا۔ شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مبارک بھی ملی۔ نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ مولانا جامی، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سارے اولیاء و علماء نے نعمتیں لکھیں اور پڑھی ہیں، ان حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں۔ حدیث وفدہ میں گانے بجانے کی برائیوں میں نہ کہ نعت کی۔ جب گیتوں میں خراب اخلاق مضامین ہوں۔ عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے نا جائز ہیں اس کی پوری تحقیق کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب **مَا يَقَالُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ** (کتاب الصلوٰۃ) اور باب اشعر میں دیکھو۔

فتنہا فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ اشعار کا یکساں فرض کفایہ ہے اگر چنانچہ کے مضامین خراب ہوں مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے، دیوان حنفی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں، تو نعتیہ اشعار یکساں، یاد کرنا، پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ پاکیزہ کس طرح نا جائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعر کی بحث میں ہے۔

وَمَعْرِفَةُ شِعْرِهِمْ رَوَايَةٌ وَذَرَايَةٌ عِنْدَ فُقَهَاءِ الْإِسْلَامِ فَرَضٌ كَفَائِيٌّ لِأَنَّهُ تَثْبُتُ بِهِ قَوَائِدُ الْعَرَبِيَّةِ وَكَلَامُ مُهْمٌ وَإِنْ جَانِبُهُ الْخَطَاءُ فِي الْمَعْنَى فَلَا يَجُوزُ فِيهِ الْخَطَاءُ فِي الْأَلْفَاظِ

”شعر جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے عربی قواعد ثابت کیے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں اگرچہ معنی خطا ممکن ہے مگر لفظی غلطی نہیں ہو سکتی۔“

گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں قوالی کے ماتحت آوے گی۔ ان شاء اللہ وعل

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، خوشی کے موقع پر کھانا کھلانا، مناسباتی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے، حقیقہ، ولیمہ وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنت ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ خوشی کا موقع خاص نکاح کے وقت خرچے تقسیم کرنا بلکہ اس کا لانا سنت ہے، اظہار خوشی کے لیے مسلمان کو ذرا محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے، دعوت کرتا ہے صدقہ و خیرات کرتا ہے، شیرینی تقسیم کرتا ہے، اسی طرح اساتذہ کرام کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پر منے والے سے شیرینی تقسیم کراتے ہیں، میں نے سینڈو شلٹ علیگزہد میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنت سلف صالحین ہے اور محفل میلاد بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قربت کو میلاد دخواں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی کرنا اسی میں داخل ہے۔

اس تقسیم کی اصل قرآن وحدیث سے ملتی ہے، قرآن فرماتا ہے۔

پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ

”اے ایمان والو جب تم رسول سے کچھ ہستہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لیے بہتر اور بہت سہرا ہے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے حضور علیہ السلام سے دس منسلے کچھ بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔

(دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغازن دماک) اگرچہ وجوب منسوخ ہو گیا مگر اباحت اصل ہے اور استحباب تو باقی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا ہر شد میں اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے، اسی طرح احادیث و قرآنی یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلاد شریف پر منے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کار چواب ہے کہ ان میں بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کلام کرنا ہے، تفسیر فتح المعری صفحہ ۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی ”یعنی اور شعب الایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر ابن الخطاب

سورہ بقرہ یا حقائق آل ورمات دوازدہ سال خواندہ فارغ شد و روزے ختم شترے را کہ کشت طعام وافر پختہ یاران حضرت تغیر را خورانید“، یعنی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق نے سورہ بقرہ بارہ سال کی مدت میں اس کے رموز اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اہم کار خیر سے فارغ ہو کر تقسیم شیرینی و طعام ثابت ہوا۔

میلاد پاک بھی اہم کام ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل قربت کے یہاں جاؤ تو خالی نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ **تَهَادُوا وَتَحَبُّوا** ایک دوسرے کو بید و دجبت بڑھے گی، فقہاء فرماتے ہیں کہ جب دیار محبوب یعنی مدینہ پاک میں جاوے تو وہاں کے فقراء کو صدقہ دے کہ وہ

اجیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہوگا کہ کیا اعمال لائے؟

اندر ان مہلت کہ من دادم ترا

حق بفرماید چہ آوردی مرا!

یہ تقسیم اسراف نہیں، کسی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ **لَا خَيْرَ فِي السَّرَفِ** اسراف میں بھلائی نہیں، غور جواب دیا **لَا سَرَفَ فِي الْخَيْرِ** بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

اعتراض نمبر ۶ محفل میلاد کے لیے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلا لٹل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟ (براین)

جواب مجلس وعظ، دعوت، ولیمہ، مجالس امتحان و محفل نکاح وحقیقہ وغیرہ میں لوگوں کو بلانا یا ہی جاتا ہے بولویہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح وعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہذا ان کے لیے مجمع کرنا حلال، تو جناب تعظیم رسول اللہ ﷺ اہم فرائض سے ہے۔ لہذا اس کے لیے بھی مجمع کرنا حلال ہے، نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے، اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے، لہذا تلاوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہئے وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفارق ہے۔

اعتراض نمبر ۷ کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں دونوں ہیں لہذا یہ بھی شرک ہے۔

جواب خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون اس کو شرک کہنا اجتہاد درجہ کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا **وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ** یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں، جیسے

غرق و فرعون من سلویٰ کا نزول وغیرہ (غزائے عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اول میں ہے۔

سَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيهِ وَلَدْتُ وَفِيهِ اَنْزَلَ عَلَيَّ وَحْيِي“

”حضور ﷺ سے دو شنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔“

ثابت ہوا کہ دو شنبہ کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ دن حضور ﷺ کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ یادگار مناسبت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور فاضل یا مالی جیسے صدق اور خیرات تقسیم شریعی وغیرہ، مشکوٰۃ یہی باب فاضل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزے رکھتے ہیں، سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکر یہ میں روزہ رکھتے ہیں۔

وہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَتَنَحْنُ اَحَقُّ وَالْأَوَّلِيُّ بِمُوسَىٰ مِنْكُمْ“ ہم موسیٰ علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کے حکم دیا چنانچہ اول اسلام میں یہ روزہ فرض تھا اب فریضت تو منسوخ ہو چکی مگر احتیاج باقی ہے، اسی مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ عاشورہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا سال آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دو روزے رکھیں گے یعنی چھوڑ انہیں، بلکہ زیادتی فرما کر مشابہت اہل کتاب سے بچ گئے، ہم نے شان حبیب الرحمن میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ بیجا نہ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں، فجر میں دو مغرب میں تین عصر میں چار۔ وہاں جواب دیا ہے کہ یہ نمازیں گزشتہ انبیاء کی یادگار ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں آ کر رات دیکھی تو پریشان ہوئے صبح کے وقت دو رکعت شکر یہ ادا کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدہ بنہ پایا، نحت جگر کی جان بچی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکر یہ ادا کیں۔ یہ ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ نمازوں کی رکعات بھی دیگر انبیاء کی یادگار ہیں۔ حج تو از اول تا آخر ہاجرہ واسمعیل و ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اب نہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے نہ شیطان کا قربانی سے روکنا مگر صفہ مردہ کے درمیان چلنا، بھاگنا۔ منیٰ میں شیطان کو ننگر مارنا بدستور ویسے ہی وجود ہے، محض یادگار کے لیے اس کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو۔ شان حبیب الرحمن میں۔

ماہ رمضان خصوصاً شب قدر اس لئے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“ اور فرماتا ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ رات تا قیامت اعلیٰ ہو گئے تو صاحب قرآن ﷺ کی ولادت پاک سے تا قیامت ربیع الاول اور اس کی بارہویں تاریخ اعلیٰ و افضل کیوں نہ ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو روز عید قرار دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جس دن جس تاریخ میں کسی اللہ ولے پر اللہ کی رحمت آئی ہو، وہ دن، وہ تاریخ تا قیامت رحمت کا دن بن جاتا ہے، دیکھو جمعہ کا دن اس لئے افضل ہے کہ اس دن میں گزشتہ انبیاء علیہ السلام پر ربانی انعام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش، انہیں سجدہ کرنا، انکا دنیا میں آنا نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگانا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ پھر آئندہ قیامت کا آئینہ سب جمع و کے دن ہے لہذا جمعہ سیدہ الایام ہو گیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قومیں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔ منگل کے دن فصد نہ لو کہ یہ خون کا دن ہے، اسی دن ہاتل کا قتل ہوا، اسی دن حضرت حوا کو جنس شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لئے ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسمعیل شہید یادگار مالانہ قاسم خود بخلاف مناتیں ہیں اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے، تو دوسرے کی تحفہ مقرر، کھانے اور سونے کے لئے وقت مقرر، دستار بندی کے لئے دورہ حدیث مقرر، مدرسین کی تحفہ مقرر، تاریخیں مقرر، میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو آگ نہ لگاؤ، یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں، یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخیں محفل میلاد جائز ہی نہیں۔ اسی لئے ہمارے یوپی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں کا ضیاء واڑ میں خاص شادی کے دن، میت کے چبھ، دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں، پھر ماہ ربیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سنا گیا ہے کہ وہاں بھی عام باشندے میلاد شریف برابر کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو، جیسے ہولی، دیوالی کے دن اس کی تعظیم کے لئے دیگ پکائے یا مندر میں جا کر صدقہ کرے اسی لئے مشکوٰۃ باب اللہ میں ہے کہ کسی نے یوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی تو فرمایا کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا عرض کیا نہیں، فرمایا چاہی نذر پوری کر، یا اس قلعین میں کفار سے مشابہت ہو یا اس قلعین کو واجب جانے۔ اسی لئے مشکوٰۃ باب صوم الفضل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے یا اُسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے

اُسے روزے کا دن نہ بنائے۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ مائین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں، یوں ہی ایک چہ پیدا ہو گئی ہے اس لئے مختص قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے۔

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چہ چا حیراً

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا حیرے

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں، مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔

نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قولی اور فعلی۔ قولی تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع جبو کی تسبیح التحیات وغیرہ پڑھنا۔ اور فعلی عبادات چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، بیٹھنا۔ قیام کے معنی ہیں اس طرح سیدھا ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں اسی لئے زیادہ کھڑے کے پیچھے سدرست کی نماز نہیں، کیونکہ وہ قیام نہیں کر سکتا، ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجدہ کے معنی ہیں سات اعضاء کا زمین پر لگنا، دونوں پاؤں کے نیچے دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی۔ اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی اسخوں میں کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا۔ رکوع کرنا۔ سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی حیثیت سے نہیں بلکہ تحسین و تعظیم کے لئے کھڑے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیماً بیٹھنے کو تو جائز رکھا مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ حرام کر دیا، معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے اور اس کا فتح حدیث پاک سے ہے یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجدہ کی حیثیت سے یہ کام کرے لیکن اگر کسی بزرگ کا جو تاسیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے جھکا تو جھکنا تو پایا گیا مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہذا یہ رکوع نہیں ہاں تاحد رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لئے تھا، اور کام تعظیم کے لئے تو جائز جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ، یہ فرق ضرور خیال میں رہے بہت ہی باریک ہے۔ شامی جلد پنجم کتاب الکرامیہ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

الْإِيمَاءُ فِي السَّلَامِ إِلَى الْقَرِيبِ الرَّكُوعُ كَالسُّجُودِ وَفِي الْمُحِيطِ أَنَّهُ يُكْرَهُ الْإِنْهَاءُ لِلْسُّلْطَنِ وَغَيْرِهِ

”اسلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجدہ کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔“

پہلا باب

قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے، قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب، قیام مکروہ، قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پچھاننے کا قاعدہ عرض کئے دیتے ہیں جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود معلوم ہاجاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیاوی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے، اس کی بیشکڑوں مثالیں ہیں کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ ”جب نماز جمعہ ہو جاوے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔“

پھیلنا بغیر کھڑے ہونے ناممکن ہے۔

(۲) شیخ وقت نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے، **وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ** اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اذلا تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے آب زمزم اور وضو کے نیچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرماوے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلَاةِ وَيُمِثِّلُ صُورَتَهُ، الْكَرِيمَةَ كَأَنَّهُ نَائِمٌ، فِي لَحْدِهِ عَالِمٌ، بِهِ يَسْمَعُ كَلَامَهُ

”روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار ﷺ اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔“

اسی طرح مؤمنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری کتاب الکرامیہ باب زیارت القبر میں ہے۔

يَخْلَعُ تَعَالِيهِ ثُمَّ يَقِفُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلًا لَوَجْهِ الْمَيِّتِ

”اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔“

روضہ پاک، آب زمزم، وضو کا پانی، قبر مومن سب متحرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام ہے کرائی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسراء اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو

حکم دیا۔ **قُومُوا اِلَى سَيِّدِكُمْ** اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا نہ یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ، نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا، خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا، ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا اور حضرت سعد انصار کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم

کرائی گئی، جن لوگوں نے الی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے تھا وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ **اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ** کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ ابعد المذہبات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔ ثمت و مررات تو قیروا کرام سعد دریں مقام و امر تعظیم و تکریم اور اوریں ہاں آں باشند کہ اور ایرائے حکم کردن طلہیدہ یوند پیش اعلان شان اور دریں مقام اولیٰ واسب باشند۔“

اس موقعہ پر سعد کی تعظیم و تکریم کرنے میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو نبی قرط پر حکم فرمانے کے لئے بلایا تھا اس جگہ ان کی شان کا اظہار و بجز اور مناسب تھا۔

مشکوٰۃ باب القیام میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ **فَاِذَا قَامَ قُمْنَا مَا حَتَّىٰ فَرَيْنَاہُ قَدْ دَخَلَ بَعْضُ بَيُوتِ اَزْوَاجِہِ** جب حضور ﷺ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ اپنی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہو گئے۔

ابعد المذہبات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث **قُومُوا اِلَى سَيِّدِكُمْ** ہے۔ اجماع کردہ اندامد میر علماء بایں حدیث بر اکرام اہل فضل از علم باصلاح یا شرف و نودی گفت کہ ایں قیام مراہل فضل را وقت قروم آوردن ایشان مستحب است و احادیث و دریں باب ورود یافتہ و در نئی از اس صریحا چیز سے صحیح نہ حسدہ از تفسیر نقل کردہ کہ مکروہ نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروہ بجهت تعظیم۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے تو وہی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہو اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صریح کوئی حدیث نہیں آئی، فقہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکراہیہ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تُجَوِّزُ الْخِدْمَةُ بِغَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى بِالْقِيَامِ وَ اخِذَ الْيَدَيْنِ وَالْاِنْجَنَاءِ

”غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے جبکہ ہر طرح جائز ہے۔“

اس جگہ جھکنے سے روم رکوع سے کم جھکنا۔ تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ در مختار جلد پنجم کتاب الکراہیہ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

يُجَوِّزُ بَلْ يُنْذَبُ الْقِيَامُ تَعْظِيمًا لِلْقَادِنِ يَجُوزُ الْقِيَامُ وَلَوْ لِلْقَارِئِ بَيْنَ يَدَيْ الْعَالِمِ

”آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آ جاوے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وَقِيَامُ قَارِئِ الْقُرْآنِ لِمَنْ يُجِبُّ تَعْظِيمًا لَا يَكْرَهُ اِذْ كَانَ مِمَّنْ يَسْتَحِقُّ التَّعْظِيمَ

”قرآن پڑھنے والے کا آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔“

شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے اور کوئی عالم آدمی آ گیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے افضل ہے یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے اور صحیح نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے۔

(مشکوٰۃ باب مرض التبی) ان امور سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔

مسلم جلد دوم باب حدیث تو یہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فَقَامَ طَلْحَةُ ابْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ يُهْرَوُلُ حَتَّىٰ صَافَحْنِي وَهَنَانِي

”پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دور سے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔“

اس جگہ روٹی میں ہے۔ **فِيهِ اسْتِحْبَابٌ مُصَافَحَةِ الْقَادِمِ وَالْقِيَامِ لَهُ، اِكْرَامًا وَالْهَرُّ وَلَهُ اِلَى بَقَائِهِ**
اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا، اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا، اس کے ملنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آجاوے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا، ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے، مشکوٰۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زیہ ابن جابر دروازہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فَقَامَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرْيَانًا فَاَعْتَقَهُ، وَقَبَّلَهُ

”ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔“

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتونِ بخت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِبِدْعِهَا فَقَبَّلَهَا وَاجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ ان کیلئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تحریف لے جاتے تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھالیتیں۔ مرقات باب المشی بالجمارۃ فصل دوم میں ہے۔

فِيهِ اِيْمَاءٌ اِلَى نَذْبِ الْقِيَامِ لِعَظِيْمِ الْفَضْلَاءِ وَالْكِبَرَاءِ معلوم ہوا کہ فضلاء کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سے یا کوئی اور خوشی کی خبر سے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے، مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مجھ کو صدیق اکبر نے ایک خوشخبری سنائی۔

فَقُمْتُ اِلَيْهِ وَقُلْتُ يَا بَنِي اَنْتَ وَاُمِّي اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا

”تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت **مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ** ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

فَعِنْدَ ذٰلِكَ قَامَ الْاِمَامُ السُّبْكِيُّ وَجَمِيعٌ مِّنْ فِی الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ اَنْسٌ عَظِيْمٌ بِذٰلِكَ الْمَجْلِسِ

”توفور! امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہوئے اور اس مجلس میں بہت ہی اظہار آیا۔“

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو، اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ سے لگایا۔ (کتب توارخ) عالمگیری کتاب الکربوبہ باب اہل الذمہ میں ہے۔

اِذَا دَخَلَ ذِمِّيٌّ عَلَى مُسْلِمٍ فَقَامَ لَهُ طَعْمًا فِیْ اِسْلَامِهِ فَلَا بَأْسَ

”کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔“

(۵) چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آپ زمر اور صوفی کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔ دوسرے دنیا داری تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیا لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اس کی مالدار کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکربوبہ باب اہل الذمہ میں ہے۔

وَإِنْ قَامَ لَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَوَعَّى شَيْئًا مِّمَّا ذَكَرْنَا أَوْ قَامَ طَعْمًا لِيْنَاهُ كُفْرُهُ، ذٰلِكَ

”اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا اس کی مالدار کی طرح میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔“

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرنا چاہتا ہو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالے دوسرے باب میں آویں گے ان شاء اللہ یہ تقسیم خیال میں دے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر یا کرب یا کسی پیارے کے ذکر پر ہو، اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو، لہذا قیام میلاد چند وجہ سے سنت میں داخل ہوا، ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کوئی خوشی ہو سکتی ہے اور خوشی کی خبر مسنون ہے، تیسرے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک

کون محبوب ہے، وہ جان اولاد ماں باپ متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف الصالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ درود ملت پر کھڑے ہوتے تھے اس لئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا افضل ملائکہ ہے مشاہد ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا منصب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا تو اس قیام کی اصل مل گئی۔ چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں وہ شریعت میں مستحب ہے، شامی جلد سوم کتاب الوقف، وقف مقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔

لَاِنَّ التَّعَامُلَ . يَتْرَكَ بِهِ الْقِيَاسُ لِحَدِيثِ مَا رَاَهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ یعنی دیکھی وجہاً نہ وغیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہئے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھتے لگیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے۔ درمختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارۃ الفاسدہ میں ہے۔

وَجَاَزَ اجَاَرَةُ الْحَمَامِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَخَلَ حَمَامَ الْحُجَفَةِ وَلِلْعُرْفِ وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا رَاَهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ

”حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہر حنفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔“

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حنفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے بعض نے کہا کہ موضوع ہے لہذا اب حمام کے جائز ہو سکی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام مع ثابت ہوا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لَاِنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الْأَمْصَارِ لَفَعُولٌ أَجْرَتِ الْحَمَامِ قَدْ لَ إِجْمَاعُهُمْ عَلَى جَوَازِ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ الْقِيَاسُ يَا بَاهُ

”کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔“ ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً ناجائز نہ ہونا چاہئے کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا اور کرایہ میں نفع واجرت معلوم ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں لہذا یہ جائز ہے قیام میلاد کو بھی عامل مسلمان مستحب سمجھتے ہیں لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتُعِزُّ رُوَاهُ تُوقِّرُوَاهُ ”اے مسلمانو! ہمارے نبی کی مدد کرو اور انکی تعظیم کرو۔“ تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ رکوع اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔

دیکھو **وَأَشْرَبُوا** میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو تو برائی، زبردہ، تور، ماسب ہی حلال ہوا خواہ غیر القرون میں ہو یا نہ۔ ایسے ہی **تُوقِّرُوَاهُ** کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ غیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو۔ آٹھویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُعِظَّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ”اور جو شخص اللہ کی نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقویٰ سے ہے۔“ روح البیان نے زیت آیت **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں انکی تعظیم کرنا ضرورت ہے جیسے کہ بعض مینے بعض دن و مقامات۔ بعض اوقات وغیرہ اسی لئے سفاد مردہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان، شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہذا اسکی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔

ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں، محض اپنی رائے سے حرام کہتے

دوسرا باب

قیام میلاد پر اعتراض و جواب میں

اعتراض نمبر ۱ چونکہ میلاد کا قیام اول تین زانوں میں نہیں تھا۔ لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ حضور ﷺ کی وہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو، اپنی ایجادات کو اس میں دخل نہ ہو کیا ہم کو بمقابلہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

جواب بدعت کا جواب تو بارہا دیا جا چکا ہے ہر بدعت حرام نہیں، رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند وغیرہ کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ قرام چیزوں کی وہی تعظیم ہونی چاہئے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر شیش پر جانا ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ انکے لئے جلوس نکالنا، جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا، کرسیاں لگانا، وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا، مسند اور قالین بچھنا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو نہیں سکتی، تو فرمائے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہذا آپ کا یہ قاعدہ غلط ہے، بلکہ رکوع و سجود محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں روانہ ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بھنگی سراد بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں، لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملکہ ہر رے

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح

سندھیاں را اصطلاح سندھ قدح

مراقبہ المصاحف کے مقدمہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے احوال لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمد لباس پہنے، خوشبو لگاتے اور بیعت دو قار سے بیٹھتے تھے، کہنے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے میں ثواب ہے، تفسیر روح البیان زیر آیت **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ** کہ ایا ز کے فرزند کا نام تھا، محمد سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے ایک روز غسل خانہ میں جا کر فرمایا کہ اے ایا ز کے بیٹے پانی لا۔ ایا ز نے عرض کیا کہ حضور کیا تصور ہوا کہ قلام زاوے کا نام نہ لیا، فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے۔

ہزار بار شویم دین بشفک و گلاب

منو نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کہئے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہئے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہم اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض نمبر ۲ اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور ملایا شریف میں اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے، اگر کسی کو اللہ تعالیٰ دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اول تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ ہر وقت کھڑے ہو یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے ان کا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اول تا آخر کھڑا ہونا عام کو دشوار ہوگا اس لئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اوجھ جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھ لو۔ تاکہ نیند جاتی رہے اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں تاکہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب انعام میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر، ہر ذکر کھڑے ہو کر کیوں نہ کیا؟ نیز التحیات میں **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے، اردو ہزار بار موقوفوں پر آپ یہی کلمہ پڑھتے ہو انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں، مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو **تَهْنِئَتِص** اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کر دے کاف پر ہ پری پر وغیرہ۔ پھر **حَمْدُكَ** پڑھے ہر ایک پر انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران میں یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں اور یہ اشارے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں، حزب الملح وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقوفوں پر کیوں نہیں کرتے، نیز کرتے؟ اس قسم کے صد با سوالات کئے جاسکتے ہیں، امام بخاری نے بعض احادیث کو اسناد بیان کیا بعض کو تعلقاً، سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳ لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا جائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے اور نہ تقریروں میں کہا عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کا رٹو اب ہے۔ پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں، اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا ہوگا نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر واجب، تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا، نہ یہ کہ درود و نماز ہی منع ہو جاوے اس کی تحقیق ہیں اور نہ کرنے والے کو دباہی کہتے ہیں یہ بالکل درست ہے، مشکوٰۃ باب لقصہ فی العمل میں ہے۔ **أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوُمُهَا وَإِنْ قُلَّ** اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کم، ہمیشہ ہوا اگرچہ تھوڑا ہو، ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں، مدارس میں ہر رمضان و جمعہ میں چٹھی کرتے ہیں، ہر سال امتحان لیتے ہیں مسلمان ہر رات سوتے ہیں، ہر دو پہر کو کھانا کھاتے ہیں تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی و جوہ کی علامت ہے رہا قیام نہ کرنے والوں کو دباہی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہ بابوں کی علامت ہوگئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامات اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ لیا یعنی ہو گیا (مشکوٰۃ کتاب الایمان) کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق آکر کہتے ہیں بات تو سچی کہہ رہے ہیں مگر ہیں جھوٹے۔ پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگئی، مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیرکان سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے (دیکھو دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب الفہام باب قل اہل الرد) یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا **حُبُّ الْخُفَّيْنِ تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ** دو اماموں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا، شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر آیت **وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا** ہے کہ سیدنا عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے **تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ** ، **تَوْقِيرُ الْخُفَّيْنِ** ، **تَعْظِيمُ الْقِبْلَتَيْنِ** ، **الصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَازَتَيْنِ** ، **الصَّلَاةُ خَلْفَ الْإِمَامَيْنِ** ، **تَرْكُ الْخُرُوجِ عَلَى الْإِمَامَيْنِ** ، **الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ** ، **وَالْقَوْلُ بِالتَّقْدِيرَيْنِ** وَالْإِمْسَاكُ عَنِ الشَّهْرِ اذْنَيْنِ ، **وَأَذَاءُ الْقِرْبَتَيْنِ** مرقاۃ شروع باب المسح علی الخفین میں ہے۔ **سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ عِلَاقَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقَالَ أَنْ تُحِبَّ الشَّيْخَيْنِ وَلَا تُطْعِمَ الْخُفَّيْنِ وَتَمْسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ** درمختار باب المیارہ میں ہے **وَالْتَوَضُّؤُ مِنَ الْحَوْضِ أَفْضَلُ رَغْمًا لِلْمُعْتَرِلَةِ** حوض سے وضو کرنا افضل ہے معتزلہ کو جلانے کے لئے اسی جگہ شامی میں ہے **لَأنَّ الْمُعْتَرِلَةَ لَا يَجِيزُونَهُ مِنَ الْحَيَاضِ فَتَرُغِمُهُمُ بِالْوَضُوءِ مِنْهَا** یعنی معتزلہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں لہذا ہم ان کو حوض سے وضو کر کے جلائیں گے دیکھو حوض سے وضو کرنا، چڑے کے موزوں پر مسح کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے تھے، لہذا ان ک دینی کی پہچان قرار دیا۔ اسی طرح قیام میلاد قاضی وغیرہ واجبات میں سے نہیں مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیوبندی کی ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلا وجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے۔ آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا اسی طرح محفل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک زنا باہنہ اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا۔ قرآن پاک نہایت میں ذالنا کفر ہے کیونکہ یہ فکاری مذہبی علامت ہے۔

ضروری نوٹ یہ سوال ۱۳ اکثروں دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ تاحتر عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام مانتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود دینی ہونے کی علامات ایجاد کر لی ہیں حدیث و قرآن میں یہ علامات نہیں سب جگہ کے لئے یہی جواب دیا جاوے بہت مفید ہوگا ان شاء اللہ۔

اعتراض نمبر ۴ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے مکھڑۃ باب القیام میں ہے۔ **وَكَاؤُوا إِذَا أَوَّلْتُمْ يَقُومُوا لِمَا**

يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَّتِهِ لِلذِّكْرِ صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو بیٹا پسند ہے، مکھڑۃ اسی باب میں ہے۔

مَنْ سَرَهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرَّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ”جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے نہ ہوں وہ اپنی جگہ روزخ میں ڈھونڈے۔“

مکھڑۃ باب القیام میں ہے۔

لَا تَقُومُوا كَمَا تَقُومُوا إِلَّا عَاجِلُكُمْ ”عجی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔ میلا و شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں، پھر تعظیم قیام کیونکہ جائز ہو سکتا ہے؟

جواب ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا اور نہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوال فقہاء نقل کئے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لئے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا میدان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلے حدیث کے ماتحت بعضہ المذہبات میں ہے، ”وحاصل آنکہ قیام و ترک قیام بحسب زمان و احوال و اشخاص مختلف گرد و آریں جا است کہ گاہے کہ کروند گاہے نہ کروند۔“ خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیم کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام نے بھی تو حضور علیہ السلام کے لئے قیام کیا اور بھی نہیں، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں، نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونے کا ذکر پہلے ہو چکا اور آپ کا قیام سے کراہت فرمایا تو انصافاً افسوس آتا۔ لہذا اس جگہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً کی دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت بعضہ المذہبات میں ہے۔ ”قیام مکروہ لیجہ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر دے محبت قیام نہ دار و قیام برائے دے مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی لکھہ کہ قیام مہنی و رحن کسی است کہ نشست باشد و بیستادہ باشد پید دے و در قیام تعظیم برائے اہل دنیا بجهت دنیاے ایشان و عید و ارشد و مکروہ است“ خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا داروں کے لئے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مکھڑۃ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسرار زیر حدیث **قُومُوا اِلَى سَيِّدِكُمْ** میں ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ فِيهِ اِكْرَامُ اَهْلِ الْفَضْلِ وَتَلَقِيهِمْ وَالْقِيَامُ إِلَيْهِمْ وَاحْتِجَّ بِهِ الْجَمْعُ هُوَرُ وَقَالَ الْقَاضِي عِيَاضُ لَيْسَ هَذَا مِنَ الْقِيَامِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ وَإِنَّمَا ذَلِكَ فِيمَنْ يَقُومُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ جَالِسٌ وَيَمْتَلِئُونَ لَهُ قِيَامًا طَوَّلَ جُلُوسِهِ

”نوی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا، ان کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے، جمہور علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں ہے نہیں، ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں، اور وہ بیٹھا ہو اور لوگ اس کے پیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔“

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلا و کا قیام ان میں سے نہیں نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سرودہ کھڑے ہو جاتے ہیں وہ کیوں جائز ہے؟

بحث فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشا جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا، نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ میں ہے کہ حضرت سعد نے کنوں کھدوا کر فرمایا **هَذَا لِأَمِّ سَعْدٍ** یہ ام سعد کا کنواں ہے فقہاء نے ایصالِ ثواب کا حکم دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نماز نہ ہوگی ہاں نماز کا ثواب بخشا جاسکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الغنن باب الملاحم فصل دوم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے فرمایا کہ **مَنْ يَضْمِنُ لِي مِنْكُمْ أَنْ يُصَلِّيَ فِي مَسْجِدِ الْعَشَارِ رَكَعَتَيْنِ وَيَقُولَ هَلْ لِي مِنْ هِرَيْرَةٍ** اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصالِ ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے دوسرے یہ ہے زبان سے ایصالِ ثواب کرنا کہ خدا یا اس کا ثواب فلاں کو دے بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ برکت کی نیت سے بزرگان دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعثِ ثواب ہے رہی عبادت مالی یا مالی بدنی کا مجموعہ جیسے زکوٰۃ اور حج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کہدے کہ تم میرے طرف سے زکوٰۃ دے دو تو دے سکتا ہے۔ اور اگر صاحب مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کر سکتا ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال دیدوں تو وہ مالک ہو جاوے گا اسی طرح یہ بھی ہاں فرقی یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہر کوئی لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا ملا اور خود بھی محروم نہ رہا جیسے کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آتیا اور پڑھانے والے کا جاتا نہ رہا۔ دیکھو شامی جلد اول بحث ذنِ میت۔ اسی لئے نابالغ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا، کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ”ہر نفس کے لئے وہی مفید و مضر ہے جو اس نے خود کر لیا۔“

نیز قرآن میں ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ”انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔“

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لئے مفید نہیں لیکن یہ قاطع ہے کیونکہ یہ لامِ ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لئے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی عمل ہیں نہ معلوم کہ کوئی اور ایصالِ ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو تفسیر خازن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا، یہاں اس کی نقل ہے، یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے۔

وَاتَّبِعْتُمْ ذُرِّيَّتَهُم بِالْإِيمَانِ یہی عبد اللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفلی جنت میں جاویں گے، بغیر عمل درجات پائیگی، دیکھو جمل و خازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے اسی لئے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے نہ کہ ہر ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل غرض کہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی ایصالِ ثواب کی شائیں ہیں، فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

پہلا باب

فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت ”وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ“ میں ہے۔

وَعَنْ حَمِيدٍ الْأَعْرَجِ قَالَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَخَتَمَهُ ثُمَّ دَعَا مَنَ عَلَى دُعَائِهِ أَرْبَعَةَ أَلْفٍ مَلَكٌ ثُمَّ لَا يَزَالُونَ يَدْعُونَ لَهُ وَيَسْتَغْفِرُونَ وَيُصَلُّونَ عَلَيْهِ إِلَى الْمَسَاءِ أَوْ إِلَى الصُّبْحِ

”حضرت اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آئیں کہتے ہیں پھر اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔“

یہ ہی مضمون نووی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت قرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایصالِ ثواب بھی ہے لہذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ اِحدى اللغات باب زیارت القیوم میں ہے۔ ”وتصدق کردہ شود از میت بعد دفن رفتن اواز عالم ہفت روز۔“ میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے۔ اسی اِحدى اللغات میں اسی باب میں ہے بعض روایت آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظری کند کہ تصدق کنند از دے یا نہ“ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ انکی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ پر رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر دنیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں۔ انکی یہ اصل ہے انوار ساطعہ صفحہ ۱۳۵ اور حاشیہ خزائنہ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ تیجہ ششایی اور یری کی اصل ہے۔

مودی نے کتاب الاذکار باب تلاوت القرآن میں فرمایا کہ اس ابن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا مانگتے۔ حکیم ابن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو مجاہد وعیدہ ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لئے لایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں، اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے وقت جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (نووی کتاب الاذکار) لہذا تیجہ و جہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔ درجہ بحث قرأت للمیت باب الدفن میں ہے۔

فِي الْحَبْلِ مِنْ قَرَأَ الْإِخْلَاصَ أَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ أَجْرَهَا لِلْأَمْوَاتِ أُعْطِيَ مِنَ الْأَجْرِ بِعَدَدِ الْأَمْوَاتِ

”حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔ شانی میں اسی جگہ ہے۔“

وَيَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تيسَّرُ لَهُ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَأَوَّلِ الْبَقَرَةِ وَيَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تيسَّرُ لَهُ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَأَوَّلِ الْبَقَرَةِ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ وَسُورَةَ يَسَّ وَتَبَارَكَ الْمُلْكِ وَسُورَةَ التَّكْوِيْنِ وَالْإِخْلَاصِ اِنْسَى عَشْرَ مَرَّةً أَوْ اِحْدَى عَشْرًا أَوْ سَبْعًا أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَا قَرَأُ نَاهُ إِلَى فَنَانٍ اَوْ اِلَيْهِمْ

”جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ بقرہ کی اول آیات اور آیت الکرسی اور امان رسول اور سورۃ یس اور ملک اور سورہ کلثوم اور سورہ اخلاص بارویا گیارہ یا سات یا تین دفعہ پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔“

ان عبارت میں فاتحہ مزید کا پورا طریقہ بتایا گیا، یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا، پھر ایصالِ ثواب کی دعا کرنا اور دعا میں فاتحہ اٹھانا سنت لہذا ہاتھ اٹھاوے۔ غرضیکہ فاتحہ مزید پوری پوری ثابت ہوئی فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۷۷ میں ہے طحاویک کہ ثواب آن نیاز حضرت امامین نمایندگان برآں قل وفاتحہ دورود خواندگان حبرک می شود خوردن بسیار خوب است جس کھانے پر حضرت حسین کی نیاز کریں اس پر قل اور فاتحہ اور دورود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے، اسی فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۱۳ میں ہے۔ ”اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشان پختہ نہ جائز است مضائقہ نیست اگر دورود مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ایصالِ ثواب کی نیت سے پکا کر کھلا دے تو جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔“

مخالفین کے پیشوا شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا، چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیزی صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا، ”روز سوم کثرت ہجوم مرمو آن قدر بود کہ بیرون از حساب است ہشتاد و یک کلام اللہ پر شمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد و کلہ را حاضر نیست۔“ تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے انکیا ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے طحیکہ کا تو اندازہ نہیں۔“

اس سے نتیجہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام کرنا ثابت ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب باقی مدرسہ دیوبند تجذیر الناس صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں۔ ”جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک خفیر ہو گیا، آپ نے سب پوچھا تو بروے مکافہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار رکھ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایات میں اس قدر روایات میں اس قدر رکھنے کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ دی۔ بخشنے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جواب ہشاش بشاش ہے آپ نے سب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکافہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکافہ سے ہوگئی، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طیبہ ایک لاکھ پانچ ہزار بخشنے سے مردے کی بخشش کی امید ہے اور نتیجہ میں جنوں پر یہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

اب تمام عبارات سے فائدہ اور تجوید غیرہ کے تمام مراسم کا جواب معلوم ہوا، فائدہ میں بیخ آیت پڑھنا پھر ایصالِ ثواب کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، نتیجہ کے دن قرآن خوانی کلمہ شریف کا ختم، کھانا پکا کر نیا کرنا سب معلوم ہو گیا، کاتھیا داڑ میں تو ادلا کھانا فقراء کو کھلا دیتے ہیں پھر بعد میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور یو پی و پنجاب اور عرب شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کراتے ہیں، پھر کھاتے ہیں دونوں طرح جائز ہے اور حدیث سے ثابت ہے، مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایت موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملاحظہ فرما کر صاحبِ طعام کے لئے دعا فرمائی، بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میزبان کو دعا دے اسی طرح مشکوٰۃ باب آدابِ طعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرُ مُكْفًى وَلَا مُؤَدَّع وَلَا مُسْتَعْنَا عَنْهُ رَبَّنَا جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد دو چیزیں مسنون ہیں، حمد الہی کرنا اور صاحبِ طعام کے لئے دعا کرنا اور فائدہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں، اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے، رہا کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اس کی بہت سی حدیث آئی ہیں، مشکوٰۃ باب الحجرات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لئے دعا بے برکت فرمادیں۔

فَضَّمَهُنَّ ثُمَّ دَعَا لِي فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ ”آپ نے ان کو ملایا اور دعائے برکت کی۔“

مشکوٰۃ باب الحجرات فصل اول میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام میں کھانے کی کمی ہوگئی حضور علیہ السلام نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہو لاؤ، سب حضرات کچھ نہ کچھ لائے دسترخوان بچھایا گیا اس پر یہ سب رکھا گیا۔

فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ عَلَیْہِ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا مِنْیْ اَوْعَیْكُمْ

”پس اس پر دعا فرمائی اور فرمایا کہ اب اس کو اپنے برکتوں میں رکھ لو۔“

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا حضرت اُمّ سلمہ نے کچھ کھانا بطور ولیمہ پکایا لیکن بہت لوگوں کو ملایا گیا۔

فَرَأٰ بُنْتُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰی بَلَکِ الْحَرِیْسَةِ وَتَكَلَّمَ بِمَا شَاءَ اللّٰهُ

”اُس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا۔“

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ تھوڑا کھانا پکا کر حضور ﷺ کی دعوت کی۔ حضور ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے **فَاَخْرَجَتْ لَهُ عَبِیْنًا فَبَصَقَ فِيْہِ وَنَزَاكَ** آپ کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعائے برکت کی، اس قسم کی بہت سی روایات پیش کی جاسکتی ہیں، مگر اتنے پر کفایت کرتا ہوں۔

اب فائدہ کے تمام اجزاء بخوبی ثابت ہو گئے۔ والحمد للہ۔ عقلاً بھی فائدہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جیسا پہلے مقدمہ میں عرض کیا جا چکا کہ فائدہ دو عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تلاوت قرآن اور صدقہ اور جب یہ دونوں کام علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ برائی کھانا کہیں بھی ثابت نہیں مگر حلال ہے۔ کیوں اس لئے کہ برائی، چاول، گوشت، گھی وغیرہ کا مجموعہ ہے اور جب اس کے سارے اجزاء حلال تو برائی بھی حلال۔ ہاں جہاں چند حلال چیزوں کا جمع کرنا حرام ہے جیسے کہ دو بمشیرہ ایک نکاح میں یا چند حلال چیزوں کے ملنے سے کوئی حرام چیز بن جاوے مثلاً مجموعہ میں نشہ پیدا ہو گیا تو یہ مجموعہ اس عارضہ کی وجہ سے حرام ہوگا، یہاں قرآن کی تلاوت اور صدقہ جمع کرنا شریعت نے حرام نہ کیا اور ان کے اجتماع سے کوئی حرام چیز پیدا نہ ہوئی، پھر یہ کام حرام کیوں ہوگا۔ دیکھو بکری مر رہی ہے اگر ویسے ہی مر جائے تو مردار ہے جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہوگئی۔

قرآن کریم تو مسلمانوں کے لئے رحمت اور شفاء ہے۔ **شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ** پھر اگر اس کی تلاوت کر دینے سے کھانا حرام

ہو جاوے تو قرآن رحمت کہاں رہا رحمت ہوا مگر ہاں مؤمنین کیلئے رحمت ہے کفار کیلئے رحمت۔ **وَلَا یَزِیْدُ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا** اس برے ظالم کو نقصان میں رہتے ہیں کہ اس کے پڑھے جانے سے کھانے سے محروم ہو گئے نیز جس کے لئے دعا کرنا ہو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہئے جنازے میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں کیونکہ اسی کے لئے دعا ہے اس کو سامنے رکھ لیا اسی طرح سامنے کھانے کو رکھ کر دعا کی تو

کون سی خرابی ہے اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذہب جانور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْ اُمَّةٍ مُّحَمَّدٍ ”اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے۔“

حضرت ظہیر الدین نے کعبہ کی عمارت سامنے لے کر دعا کی **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اٰلَیْہِ** اب بھی حقیقہ کا جانور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے لہذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہئے۔ مانعین کے پیشوا بھی فاتحہ مرثیہ کو جائز سمجھتے ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الاختیار فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں۔ ”پس وہ مرتبہ درود خواند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخواند و حاجت از خدا سوال نمائید۔“ پھر دس بار درود پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر تمام تمام خواجگان چشت کی فاتحہ دی پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب زبدۃ الصالحین صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ”و شیرینج بنا بر فاتحہ بزرگ بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشان زندہ بخورد مضائقہ نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے داود شود اغیار اراہم خوردن جائز است“ وودھ شاول پر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی و رشید احمد صاحبان کے مرشد حاجی امدا اللہ صاحب فیصلہ مفت مسئلہ میں فرماتے ہیں، نفس ایصالِ ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں، اس میں بھی تخصیص تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھنا یا واجب و فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید بیت کذا یہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بمصلحت نماز میں سورہ غاص معین کرنے کو فقہاء متعینین نے جائز رکھا ہے جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے“ پھر فرماتے ہیں جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و زبان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو یہ خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشاڑ ”الیہ اگر روید و موجود ہو تو زیادہ استحصالِ ثواب ہو کھانا روولانے لگے، کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا تو جمع بین العبادتین ہے پھر فرماتے ہیں اور گیارہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی۔ دسویں بیسویں، جہلم، شمشاہی، سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور ایسی حضرت شاہ یوسف قلندر اور حلوشب برات و دیگر طریق ایصالِ ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہے۔ پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرما دیا، الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل حقیقہ تھلپیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا، اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے، آمین۔

دوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ بہت سے فقہائے تیسرے اور سواترین روز میت کے لئے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی مالکیری) بلکہ بزاز یہ نے تو کھانا ہے **وَبَعْدَ الْأَسْبُوْعِ** یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے۔ اس میں بری شمشاہی، جہلم سب شامل ہیں، نیز قاضی شام اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی کہ ”بعد مردن رسوم دنیاوی وہم و بسم و جہلم و شمشاہی و برہنشی پیچ نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشت۔“ نیز حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جواب فقہائے نے میت کے ایصالِ ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی قوم کے طعن سے بچنے کے لئے جو میت کے حیی، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ نام و نمود کے لئے ہے اور موت نام و نمود کا وقت نہیں ہے اگر فقہاء کو بغرض ایصالِ ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَيُكْرَهُ: اِتِّخَاذُ الصِّيَافَةِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لَانَّهُ شُرْعٌ فِي السُّرُورِ لَا فِي الشُّرُورِ

”یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔“

دعوت لینے کے لئے وہی معنی کی برادری مجبور کرے تو روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ الْاَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسَّمْعَةِ وَالرِّبَاءِ فَيَحْتَرِزُ عَنْهَا لِأَنَّهُمْ لَا يَرِيدُونَ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ

”یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہذا ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہئے۔“
صاف معلوم ہوا کہ فخر یہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے پھر فرماتے ہیں۔

وَاِنْ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانُ حَسَنًا ”اگر اہل میت نے فقراء کے لئے کھانا پکایا تو اچھا ہے یہ فاتحہ جائز ہے۔“

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تئیں دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے وہ فرماتے ہیں رسوم دنیاوی جو تہجد وغیرہ ہے وہ نہ کریں رسوم دنیا کا ہے عورتوں کا تہجد وغیرہ کو جمع ہو کر ردنا پیشنا لو کہ کرنا وہ واقعی حرام ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ تعزیت جائز نہیں، اس جگہ ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں، جس کا مقصد یہ ہوا کہ تہجد وغیرہ میں ماتم نہ کریں تمہارا یہ کہنا کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی مگر یہ حدیث ہو تو ان احادیث کا کیا مطلب ہوگا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے نیز تم بھی کہتے ہو کہ بغیر تاریخ مقرر کئے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے اس خیرات کو کون کھائے گا جو آدمی کھالے اس کا دل مردہ ہو جائیگا تو کیا اس کو ملائکہ کھائیں گے۔

مسئلہ میت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا **جلسی الصوت النہی الدعوت عن الموت** بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں کہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کسی اہل میت کے ہاں تعزیت کیلئے تشریف لے جاتے تو وہاں پانچ گھنٹہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے، اور خوب وصایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے صحہ سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی لا مال میت تقسیم ہو جاوے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور فخر کرے، ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں یہ ضرور خیال رہے۔

اعتراض نمبر ۲ فاتحہ کے لئے تاریخ مقرر کرنا جائز ہے گیارہویں تاریخ یا تیسرا، دسواں، چھٹا اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے قرآن فرماتا ہے **وَهُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ** مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں، بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ایصالِ ثواب کرو، تیسرے دن کا انتظار کیا؟ نیز تہجد کیلئے چنے مقرر کرنا وہ بھی مجھے ہوتے ہیں محض لغو اور بیہودہ ہے اس لئے تہجد وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب مقرر کرنے کا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں کسی جائز کام کے لئے دن تاریخ مقرر کرنے کا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے اسی لئے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے وعظ کیلئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ روزانہ وعظ فرمایا کیجئے فرمایا کہ تم کو کھلی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ (دیکھو مکتبہ کتاب العلم) بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا، یہ محض آسانی کے لئے ہوتا ہے آج بھی مدارس کے امتحان چلے تعطیلات کے مہینہ اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچ جائیں، صرف یہ ہی مقصد ان کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ہی تاریخیں مقرر کیوں کیں تو سنیے! گیارہویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلاطین اسلام کے تمام حکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ پر خرچ ہو، لہذا جب وہ شام کو دفتر سے گھر آئے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف کی ہوتی تھی، یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں ایسا کہ مسلمان میں اس فاتحہ کا نام گیارہویں شریف ہو گیا، اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ کریں، یا کچھ پیسہ ان کے نام پر خرچ کریں، اس کا نام گیارہویں ہوتا ہے یوپی اور کٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جس کے بعد گیارہویں رات آتی ہے، آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا، ان کی توبہ قبول ہونا، نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا، اسلعل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا، ایوب علیہ السلام کا شفا یاب پانا، امام حسین کا شہید ہونا اور سید الشہد اکا درجہ پانچا دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آئی وہ گیارہویں تھی لہذا یہ رات متبرک ہے اسی لئے گیارہویں کی فاتحہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ تبرک راتوں میں صدقہ و خیرات وغیرہ کرنا چاہیے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خوب میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں پر فاتحہ پابندی سے کی جاوے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں مجھم تعالیٰ اس کا بہت بختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں کتاب یا زدہ مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے، ایک بار خواب میں سرکار ﷺ نے فرمایا کہ عید التادرتم نے بارہویں سے ہم کو یاد کیا ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کریں گے۔ اسی لئے ربیع الاول میں عمو میلاد مصطفیٰ ﷺ کی محفل ہوتی ہے تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا اس لئے تمام دنیا میں پھیل گیا لوگ تو شرک و بدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی۔

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹا جب بوجھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

شیجے کے لئے تیسرا دن مقرر کرنے میں بہت مصلحت ہے پہلے دن تو لوگ میت کی تجسّز و تحفّین میں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لئے خالی چھوڑا گیا تیسرے دن عام طور پر جمع ہو کر تافہ قل وغیرہ پڑھتے ہیں یہ تیسرا دن تعویث کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعویث کرنا منع ہے، والا لغائب عالمگیری کتاب الہما نز کتاب الہما نز باب الدفن میں ہے۔

وَوَفَّتْهَا مِنْ حَيْنٍ يَمُوتُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَيُكْرَهُ بَعْدَهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُعْزَى أَوْ الْمُعْزَى إِلَيْهِ غَايَةً

”اور ماتم پری کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے مگر یہ کہ تعویث دینے والا یا لینے والا غائب ہو۔“

آج تک تو لوگ تعویث کے لئے آتے رہے اب نہ انہیں گے تو کچھ ایصال ثواب کر کے جاویں نیز باہر کے پرہیسی خویش واقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کر لیتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ سکتا ہے۔

چہلم بری وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشاء ہے کہ سال بھر تک میت کو دھتا فوٹا ثواب پہنچاتے رہیں کیونکہ بعد مرنے کے اول اول مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے لڑکی کا نکاح کر کے سرال بھیجتے ہیں تو اول جلد از جلد اس کو بلا ناچلا تاہدیہ وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے پھر جس قدر زیادہ مدت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے کیونکہ شروع میں دہاں و بھمی اس کو حاصل نہیں اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصال ثواب اور تلقین سے میت کی مدد کرنے چاہئے حضرت عمر ابن عاص رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد دفن تھوڑی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور نگہیں کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِى حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ أُجِيبَ مَا ذَا أَرَا جَعُ رُسُلَ رَبِّى

اسی لئے جلد از جلد اس کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی پارہ **عَمَّ وَالْقَمَرِ إِذَا نَشَقَّ** کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اول حال کے کہ بجز وجد اشادن روح از بدن خواہ شدنی الجملہ اثر حیات سابقہ والقت تعلق بدن و دیگر معدن فافاں از اجزاء جنس خود باقی است و آں وقت است و آں وقت گویا برزخ است کہ چیزے از اس طرف و چیزے از اس طرف مدد زندگان بمردگان دریں حالت زودتر می رسد و مردگان منظر لحوق مدد از اس طرف سے باشند صدقات و اوجیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار پکا دلی آید و از اس است کہ طوائف بنی آدم بتا یک سال علی الخصوص یک چلہ بعد موت دریں نوع اماند کوشش تمام می نمایند مردے کی پہلی حالت جو کہ فقط جسم سے روح نکلنے وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اقل قرابت سے تعلق باقی ہوتا ہے یہ وقت گویا برزخ ہے کچھ ادھر ادھر اور کچھ اس طرف اس حالت میں زندوں کی مدد مردوں کو بہت جلد پہنچتی ہے اور دوسرے اس مدد پہنچنے کے منظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعائیں فاتحہ اس کے بہت ہی کام آتی ہے اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کہ موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں یہ ہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اول اول بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا تو منشاء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدمی پر صدقہ کریں سال پر بری اس کے نصف پر ششماہی سا کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۳۵ دن فاتحہ ہونی چاہئے چھی مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لئے چہلم مقرر کیا گیا پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا دسواں۔

چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا، ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک تنفہ پھر چالیس روز تک جا ہوا خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا لٹھڑا رہتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آ سکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر عقل پختہ ہوتی ہے اسی لئے اکثر انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام و ظیفوں کے لئے چلے یعنی چالیس چالیس روز مشقتیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی طاقت ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ وہ طور پر آ کر چالیس روزا عکاف کرو تب تورات دی گئی۔ **وَإِذَا وَاعِدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً** انوار ساطعہ نے پہلی کی روایت سیدنا انس سے بیان کی۔ بحث جہلم کہ **أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يَمُوتُونَ فِي قُبُورِهِمْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَلَكِنْ هُمْ**

يُصَلُّونَ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ حَتَّى يُنْفَخَ فِي الصُّورِ اس حدیث کے معنی زرقانی شرح مواہب نے یوں بیان کئے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے بعد ازاں وہ روح قرب الہی میں عبادت کرتے ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے ممکن ہے کہ اس چالیس دن پر فاتحہ کی جاوے اور اس کی ممانعت نہیں۔

شیجے کے متعلق مختلف رواج ہیں کاٹھیاواڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں، پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ بھل پر فاتحہ کرتے ہیں، یوپی میں تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے چنوں پر کھلے طبیب پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں ہم پہلے

باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھ کر بخشے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ کلمہ طیب پڑھنے والے کے لئے ہے اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گھٹلیاں یا کنگر یاں جمع کی جائی تو اس میں وقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر لاکھ کنگر یاں جمع کرتا پھر اس لئے چنے اختیار کر لے کہ ام میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں حد قد بھی چنے ہوئے اس لئے تجویز ہوئے کہ کچھ چنے لوگ پھینک دیں گے یا گھوڑوں کا دانہ بنادیں گے اس میں بے حرمی ہے چھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجائیں گے۔

اعتراض نمبر ۳ فاتحہ وغیرہ میں ہندو سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ **مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ** جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہذا یہ فاتحہ منع ہے۔

جواب کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بُری باتوں میں مشابہت منع ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھوتی، چوٹی زقار، بیٹ وغیرہ ورنہ ہم بھی آپ زمرہ مکہ معظمہ سے لائے ہیں ہندو بھی لڈگا سے لڈگا جل لاتے ہیں ہم بھی منہ سے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی، پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے، کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہماری یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا، پھر مشابہت کہاں رہی؟ انکی بحث شامی باب مکروہات الصلوٰۃ میں دیکھو ہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کئے جادیں وہ منع ہیں، فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطعہ میں دیکھو۔

اعتراض نمبر ۴ اگر فاتحہ میں بدنی و مالی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہئے نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کر و لہذا دلد (گوبر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو، جب بڑا پانا خانہ اٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو۔ (دوبندی تہذیب)

جواب نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہذا ان کی خیرات نہیں کر سکتے، ڈاکار پر الحمد للہ پڑھتے ہیں، نہ کہ درج نکلنے پر کہ وہ نجس اور ناقص وضو ہے اسی طرح جھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ تکبیر پر۔

بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، ورنے سے پہلے، ورنے کے بعد۔ ان تین حالتوں میں میت کے لئے دعا کرنا۔ ایصالِ ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کا پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو ڈھک دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل دے دیا پھر ہر طرح قرآن پڑھیں۔ مخالفین نماز سے پہلے اور ورنے کے بعد تو دعا وغیرہ کرنا ناجائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز ورنے سے پہلے دعا کرنا جائز، حرام، بدعت، شرک نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازہ فصل ثانی میں ہے۔

إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاخْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ ”جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کیلئے خالص دعا مانگو۔“

ق سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنی کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ ق کے معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرط ہے۔ اور **فَاخْلُصُوا** اس کی جزا۔ شرط اور جزا میں تاخیر چاہیے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ماضی ہے اور **فَاخْلُصُوا** ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھنے کے بعد ہی ہے **فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَاتَّقِشُوا** میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان اور **إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ** میں نماز کے لئے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ ابی سے معلوم ہوا۔ لہذا یہاں بھی وضو اور ادہ نماز کے بعد ہی ہوا اور ق سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ نَفَاحَةَ الْكِتَابِ ”حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔“

اس کی شرح میں اشعۃ المصابیح میں ہے۔ ”واختار دارود کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش از ان بقصد تحرک خواندہ باشد چنانکہ آلا ن حنا ف است۔“ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو تعمول کیا۔

فتح القدیر کتاب الجنازہ فصل صلوٰۃ الجنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوہ موہب کی خبر دی اور اسی اثناء میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی **فَضَّلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا لَهُ وَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لَهُ** پس اس پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ دعا کے واسطے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔ مواہب اللدیہ جلد دوم القسم الثانی **فِيمَا أَخْبَرَ مِنَ الْغُيُوبِ** میں یہی واقعہ نقل فرما کر کہا **اسْتَغْفِرُوا وَاسْتَغْفِرُوا لَهُ** اسی طرح عبد اللہ ابن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے۔

منتخب کنز العمال کتاب الجنازہ میں ابراہیم جہری کی روایت ہے۔

قَالَ رَءِیْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ مَاتَتْ ابْنَتُهُ إِلَى أَنْ قَالَ ثُمَّ كَبَّرَ عَلَيْهَا أَرْبَعًا ثُمَّ قَامَ بَعْدَ ذَلِكَ قَدَرًا مَبِينًا التَّكْبِيرَ ثَلَاثِينَ وَقَالَ رَءِیْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْنَعُ هَكَذَا

”میں ابن ابی اوفیٰ کو دیکھا یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے قاصد کی ہتھ رکھ کرے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسی ہی کرتے ہوئے دیکھا۔“

تھی میں ہے۔

وَعَنِ الْمُسْتَظَّلِ ابْنِ حَصِينٍ أَنَّ عَلِيًّا صَلَّى عَلَىٰ جَنَازَةٍ بَعْدَ مَا صَلَّى عَلَيْهِ
”مسئل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی۔“
مودت الکبریٰ میں ہے۔

يَقُولُ هَكَذَا كَلَّمَا كَبَّرَ وَإِذَا كَانَ التَّكْبِيرُ الْآخِرُ قَالَ مَثَلُ ذَلِكَ ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
”ہر تکبیر پر اسی طرح کہے کہ جب آخری تکبیر ہو تو اسی طرح کہے پھر کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ کشف العظام میں ہے ”فاتحہ و دعا برائے میت پیش از دفن درست است و ہمیں است روایت
معمولہ کہ انی خلاصۃ الفتح“ میت کے لئے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے۔ اسی طرح خلاصۃ الفتح میں ہے۔
مبسوط شمس الانوار سرخسی جلد دوم صفحہ ۶ باب غسل میت میں روایت ہے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔

اِنْ سَبَقْتُمُوْنِيْ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ فَلَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالْاَدْعَاءِ

”اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کر لو۔“

اسی مبسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل میت میں ابن عمر و عبد اللہ ابن عباس و عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز
جنازہ کی اور فلا تسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا۔ متناح الصلوٰۃ صفحہ ۱۱۲ مصنفہ مولانا فتح محمد صاحب برہان پوری میں
ہے۔ ”چوں از نماز فارغ شوم مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرآن مطلقاً طرف سر جنازہ و فاتحہ بقرآن الرسول طرف پا کیں بخواند کہ در
حدیث وارد است و در بعض حدیث از دفن واقعہ شدہ ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است۔“ ”جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی
اور صالح آدمی سورہ بقرہ کا شروع کار کوغ مطلقاً تک جنازے کے سر ہانے اور سورہ بقرہ کی آخری آیات امن الرسول میت کی بائیں طرف پڑھے کہ
حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا میسر ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے۔ زاد الاخرت میں نہر فائق شرح کنز الدقائق
اور بحر خزائے نقل فرمایا۔

بعد از سلام بخوانے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُحَرِّمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَا بَعْدَهٗ وَاعْفِرْ لَنَا وَلَهٗ۔

”سلام کے بعد پڑھے کہ اے اللہ ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کرو اور اس کے بعد قنن میں مبتلا نہ کرو اور ہماری اور اس کی مغفرت فرما۔“
طحاوی میں ہے۔

وَ اِنَّ اَبَا حَنِیْفَةَ اَمَّا مَاتَ فَحُتِّمَ عَلَيْهِ سَبْعُونَ اَلْفًا قَبْلَ الدَّفْنِ۔

”جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار شتم قرآن ہوئے۔“

کشف الغمہ، فتاویٰ عالمگیری، شامی باب الدفن بحث تعزیت میں ہے۔ وَ هِيَ بَعْدَ الدَّفْنِ اُولٰٓئِ مِنْهَا قَبْلَهُ تَعْرِیْتُ کرنا دفن کے بعد دفن
سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے اسی جگہ شامی اور عالمگیری نے یہ بھی فرمایا وَ هَذَا اِذَا لَمْ یُرْمَیْ مِنْهُمْ جَزَعٌ شَدِیْدٌ وَاِلَّا قَلِدِمَتْ
یہ جب ہے جبکہ ان دو شامی سخت گھبراہٹ نہ ہو ورنہ تعزیت دفن سے پہلے کی جاوے۔
حسن ظہر یہ میں ہے۔

وَهِيَ بَعْدَ الدَّفْنِ اُولٰٓئِ مِنْهَا قَبْلَهُ ”دفن کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت افضل ہے۔“

میزان کبریٰ مصنفہ امام شعرانی میں ہے۔

قَالَ اَبُو حَنِیْفَةَ وَالشَّوَرِيُّ اَنَّ السَّعْرِيَّةَ سُنَّةٌ قَبْلَ الدَّفْنِ لَا بَعْدَهٗ لِاَنَّ شِدَّةَ الْحُزَنِ تَكُوْنُ قَبْلَ الدَّفْنِ
فَيَعِزُّوْهُ وَيَدْعُوْا لَهٗ

”امام ابو حنیفہ اور امام شوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے نہ کہ بعد کیونکہ زیادتی رنج دفن سے پہلے ہوتی ہے پس
تعزیت کرے اور اس کے لئے دعا کرے۔“

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے خواہ نماز سے بھی پہلے ہو یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز بلکہ مسنون ہے اور تعزیت میں میت و پسمانگان
کے لئے دعائے اجر و صبر ہی تو ہوتی ہے۔ غسل کا بھی تقاضا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ ایک حیثیت سے تو دعا ہے میت سامنے
رکھا گیا ہے اور اس میں رکوع سجدہ التیات وغیرہ نہیں ہے اور ایک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لئے اس میں غسل وضو و ستر عورت قبلہ کو منہ ہوتا جگہ اور

کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مسنون۔ اگر یہ محض دعا ہوتی تو نماز کی طرح یہ شرائط اس میں کیوں ہوں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہو جایا کرتی۔ ماننا پڑے گا کہ ایک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے اور ہر نماز کے بعد مسنون ہے اور زیادہ قابل قبول چنانچہ۔

مفتلہ باب الذکر بعد اصلوۃ میں ہے۔

فَیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَذُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوٰتِ

”حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخر مات کے درمیانی حصہ میں اور فرض نمازوں کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا نہ کی جاوے؟ نیز دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔

مفتلہ کتاب الدعوات میں ہے کہ **الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ** اسی جگہ یہ بھی ہے۔ **الدُّعَاءُ مَعَ الْعِبَادَةِ** دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت دعا مانگنے کے لئے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور دفن سے پہلے حرام؟ نماز جنازہ بھی کوئی جادو ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرنا ایصال ثواب کرنا سب حرام اور دفن میت اس جادو کا اتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا۔ لہذا ہر وقت دعا اور ایصال ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض ۱

وہی پرا نا یاد کیا ہوا سبق کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و فعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہانے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مانا بھی لیا جاوے کہ بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

اعتراض ۲

نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پڑھنا نہ دعا ہے۔ نماز انتحارہ۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعا کے لئے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں **اَکْبِرُ وَالدُّعَاءُ** دعا زیادہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ عام ہے تیسرے اس لئے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اور ولی نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال مبارک و دشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چار شنبہ کو (شامی کتاب الصلوۃ باب الامت) اور ان دور روز میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر نے جو کہ ولی تھے نہ پڑی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق نے نماز پڑھ لی۔ اب ناقیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب صلوۃ الجنائزہ بحث من اتى الجن بالامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہو گئی۔ یہ دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا ہے۔

اعتراض ۳

چونکہ دعا مانگنے کے وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا یہ دعا بھی حرام ہے۔

جواب یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لئے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع در نہ نہیں۔ تو ہذا اگر اگرا بھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ لے جانے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل و کفن دینے والے نہایت بدخواہی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آجاویں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ اکتو ملی و تشلی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کا کے لئے جائز ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ہم ابھی عرض کر چکے

کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف و دشنبہ کو اور دفن چار شنبہ کو ہوا۔

علامہ شاہی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ السُّنَّةُ بَاقِيَةٌ إِلَى الْآنِ لَمْ يُدْفَنْ خَلِيفَةٌ حَتَّى يَوَلَّى غَيْرُهُ

”یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ زیادتی وجہ سے ہو جیسی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنا ناوینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کر دی اور دعا مانگنا بھی وینی کام ہے۔ اگر کوئی نماز آخر میں ملے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً غسل اٹھالی جائے تو یہ نقص دعا پوری نہ کر سکے گا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہذا دعا بعد جنازہ میں مسبق نمازیوں کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے لئے ایک غیر محسوس تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لئے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو قیام جمعہ ہی دفن کر لے یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے۔ کفر ہے معاذ اللہ۔

اعتراض ۱ نماز جنازہ کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لَا يَقُومُ دَاعِيًا لَهُ ”نماز کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہے۔“

ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ **لَا يَقُومُ بِالِدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ** ”نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہے۔“

عالمگیری میں ہے۔ **لَا يَدْعُو بَعْدَهُ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ** ”اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ **وَلَا يَدْعُو لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يَشْبَهُ الزِّيَادَةَ فِي صَلَوةِ الْجَنَازَةِ**

”نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنا کیے مشابہ ہے۔“

کشف العطاء میں ہے کہ قائم نشود بعد از نماز برائے دعا۔ ”نماز کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ ہے۔“

جامع الرموز میں ہے۔ **وَلَا يَقُومُ بِالِدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يَشْبَهُ الزِّيَادَةَ**

”نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔“

ابن حامد سے مروی ہے۔ **إِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ مَكْرُوهٌ** ”نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔“

جامع رموز میں ہے۔ **وَلَا يَقُومُ بِالِدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يَشْبَهُ الزِّيَادَةَ**

”نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔“

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی

تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لئے نماز جنازہ جمعہ کے انتظار میں دفن

میں تاخیر کرنا منع ہے۔ تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا

اگر بعد سلام پہنچ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عباراتیں آپس میں متعارض نہ

ہوں اور یہ اقوال احادیث نہ کورہ اور صحابہ کرام کے قول و عمل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف العطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا

کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے۔ **لَأَنَّهُ يَشْبَهُ الزِّيَادَةَ** یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہی ہے کہ

صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں

تا کہ کسی کو دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شاہی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن) تو اس سے لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض

سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ ”چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔“

یعنی نماز جنازہ میں پہلے تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔

چنانچہ بدائع، کفایہ عنایہ میں ہے۔ **لَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ** ابو بکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنویہ کی عبارت ہے مگر قنویہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قنویہ ضعیف روایات بھی لپٹتا ہے۔ اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں وہ فرماتے ہیں۔

أَوَّلُ قَوْلِ الضَّعِيفَةِ فِيهَا كَالْقُنْيَةِ لِلزَّاهِدِي فَلَا يَجُوزُ إِلَّا فِتَاءٌ مِنْ هَذِهِ

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بذل الجواز میں فرمایا کہ قنویہ والا معتزلی بد مذہب ہے اور اگر قنویہ کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا نا جائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرض کہ کوئی بھی عبارت آپ کے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔

بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء مشائخ اولیاء اللہ جن کی تعظیم و توقیر حقیقت اسلام کی تعظیم ہے۔ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تا کہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جاسکے جائز ہے۔ اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اعلاہار عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبہ بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا۔ دوسرے قبر ولی کو قدرت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنانا۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اسکو پختہ کرنا۔

قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ انٹ سے پختہ کرنا۔ وہاں لکڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سینٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لئے منع ہے اور خاص علماء مشائخ کے لئے جائز ہے۔

قبر کا تنوید ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چوڑا اونچا کر کے اس پر تنوید بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہاء علماء کی قبروں پر جائز۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ کتاب البجائز باب الدفن میں روایات اب داؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ **أَعْلَمُ بِهَا قَبْرَ أَخِي وَأُدْفِنُ إِلَيْهِ مَن مَّاتَ مِن أَهْلِي** ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔

(۲) بخاری کتاب البجائز باب الجری علی القبر میں تعلقا ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں۔ ہم زمانہ عثمان میں تھے۔

أَنَّ أَشَدَّنَا وَثْبَةَ الْبَدِيِّ يَثْبُ قَبْرِ عُثْمَانَ ابْنِ مَظْعُونٍ حَتَّى يُجَاوِزَهُ

”ہم میں بڑا کوٹنے والا وہ تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو چھلانگ جاتا۔“

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تنوید اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لئے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے نیز فقہاء فرماتے ہیں اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کھنگل کر دو (دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن میت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیئے۔ دو مسئلے ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام و عامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَجِدَنَّ فِيهِمْ مَّسْجِدًا وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد

بنائیں گے۔ روح البیان میں اس آیت میں **بُنْيَانًا** کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شوند یعنی **لَا يَعْلَمُ أَحَدٌ تَرْتَبَهُمْ**

وَتَكُونُ مَحْفُوظَةً مِّن تَطَوُّقِ النَّاسِ كَمَا حَفِظَتْ ثَرْبَتُ رَسُولِ اللَّهِ بِالْحَظِيرَةِ یعنی انہوں نے کہا کہ اصحاب

کھف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے حشرات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جائیں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔ مگر یہ بات نامعلوم ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔ مسجد کی تفسیر روح البیان میں ہے

يُصَلِّي فِيهِ الْمُسْلِمُونَ وَيَتَبَرَّكُونَ بِمَكَانِهِمْ لَوْ أَنَّ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کھف کے گرد قبر اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی باب کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ شرائع قَبْلِنَا يَلْزَمُنَا حضور سید عالم ﷺ کو حضرت صدیقہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھجادی۔ پھر ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں سیدنا عبد اللہ ابن زبیر نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر گلوائے چنانچہ خلاصہ الوقایاخبار دارالمصطفیٰ معصفہ سید سمودی دسویں فصل فیما یصلح بالحجۃ السنۃ ۱۹۶ میں ہے عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَيْدٍ قَالَا لَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطٌ فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ بَنَى عَلَيْهِ جِدَارٌ أَعْمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي رَيْدٍ كَانَ جِدَارُهُ قَصِيرًا ثُمَّ بَنَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ الْخ. وَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ كُنْتُ أَدْخُلُ بُيُوتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا غُلَامٌ مُرَاهِقٌ إِذَا نَالَ السَّقْفَ بِيَدِي وَكَانَ لِكُلِّ بَيْتٍ حُجْرَةٌ وَكَانَتْ حُجْرُهُ مِنَ الْكَعْسَةِ مِنْ سَعِيرٍ مَرْبُوطَةٍ فِي خَشَبٍ عَرَعَةٍ

ترجمہ وہی جواب پر بیان ہو چکا۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَا جَاءَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار گر گئی تو أَخَذُوا فِي بِنَائِهِ صحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوئے۔

فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوا وَظَنُوا أَنَّهَا قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ لَا وَاللَّهِ مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا هِيَ إِلَّا قَدَمُ عُمَرَ

”ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے۔“

جذب القلوب الی دیار الحب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ۵۵ھ میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں مندر کی ککڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نقش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنایا دیکھو کہ سیسہ لگا کر اس کو مجروح یا مجروح ۸۶۷ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد بزرگ جواب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ مطہرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ باب البکاء علی میت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

حَضَرَتْ إِمْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلَى قَبْرِهِ سَنَةً ”تو ان کو بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبڈالے رکھا۔“

یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن وحدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۴ از آیات اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنِ امْنٌ بِاللَّهِ میں ہے۔

فَبِنَاءُ قُبَابٍ عَلَى قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ إِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذَلِكَ التَّعْظِيمِ فِي أَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتَّى لَا يَحْتَفِزُوا صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ

”علماء اور اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔“

مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنازہ باب الدفن میں ہے۔

قَدْ أَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلَى قُبُورِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُورِينَ لِيُزَوِّدَهُم النَّاسُ وَيَسْتَرْيَحُوا بِالْجُلُوسِ

”پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارت بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی زیارت کریں۔ اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔“

شیخ عبدالحی محمد دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

”درآ خر زمان بجهت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت و تعمیر و تزین مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء و دیدہ چیز با افزودن بنا آنجا ہیبت و شوکت اہل اسلام و اہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدادے دین از ہنود و کفار بسیار اند۔ و تزین و عمارت اہل ان مقامات باعث رعب و اعتقاد ایشان است و بسیار اعمال و افعال و ادب و ادب از مرد و عبادت بودہ اند در آخر زمان از مستحبات گشت۔“

”آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے۔ لہذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کر دی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاکسار ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔“

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔

وَقِيلَ لَا يَكْرَهُ الْبِنَاءُ إِذَا كَانَ الْمَيْتُ مِنَ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ

”کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔“

در مختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ **لَا يَرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ** قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول پسندیدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور در مختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لئے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعیف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ ہاں منطق میں قیل علامت ضعیف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو۔

طحاوی علی مرقا الفلاح صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔

وَقَدْ اعْتَادَ أَهْلُ الْمِصْرِ وَضَعَ الْأَحْبَارِ حِفْظًا لِلْقُبُورِ عَنِ الْإِنْدِرَاسِ وَالنَّبْشِ وَلَا بَأْسَ بِهِ وَفِي الدَّرَرِ وَلَا يَحْصُصُ وَلَا يَطْبِنُ وَلَا يَرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ

”مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں۔ تاکہ وہ مٹنے اکھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گھونچ نہ کی جاوے نہ کھل کی جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اگر کہا گیا کہ جائز ہے اور یہی مختار ہے۔“

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنازہ میں امام شعرانی فرماتے ہیں۔

وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُ الْأَيْمَنِ أَنَّ الْقَبْرَ لَا يُبْنَى وَلَا يُحْصَصُ مَعَ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ يَجُوزُ ذَلِكَ قَالَ الْأَوَّلُ مُشَدَّدٌ وَالثَّانِي مُخَفَّفٌ

”اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جاوے اور نہ اس کو گھونچ کی جاوے یا وجود یکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی۔“

اب تو رجسری ہوگی کہ خود امام مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قید وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمد للہ کہ قرآن و حدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کئی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور نہ زیادہ فاتح خوانی نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ جیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو پختہ دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچ کر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتح کو ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہئے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب انکراہیت اور اربعہ المذہبات باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر کو چومنا جائز ہے۔

اسی طرح فقہا فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں واجب تعظیم تھے۔ لہذا بعد موت بھی اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہذا کم از کم مستحب ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارات میں سرکاری عمارتیں یا کہ مسجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان کو پہچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہئے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سا رکھیں تاکہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہئے کہ علماء مشائخ کے قبور عام قبروں سے ممتاز رہیں تاکہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن سے ثابت ہے لہذا قبروں کا ادب چاہئے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں ملحدہ طریقے ہوتے ہیں۔ جو طریقہ بھی ادب کا خلاف اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں قرآن پاک ہڈیوں اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی مکی تھی اور صحت میں کجیور کے پتے تھے جو بارش میں پگھلتی تھی۔ مگر بعد زمانے میں مسجد نبوی نہایت شاندار و زخرفہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپہ گیا۔

درمختار کتاب الکراہیت فضل فی الجمع میں ہے۔ **وَجَزَاءُ تَحْلِيلَتِهِ الْمُصْحَفُ لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِهِ كَمَا فِي نَقْشِ الْمَسْجِدِ** اس کے ماتحت شامی میں ہے **أَيَّ بِالذَّهَبِ وَالْفُضَّةِ** یعنی قرآن کریم کو چاندی سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد کوفہ میں رکھا گیا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو۔ لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہو گئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَمَارُوي عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ جَزَّ ذُو الْقُرْآنِ كَانَ فِي رُتْبَتِهِمْ وَكُنْ مِنْ شَيْئِي يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب وغیرہ سے خالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔“ اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حائل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم موٹا ہو۔ حرف کشادہ ہوں قطع بیڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعظیم قرآن واذان و اقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث و فقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورتاً جائز کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرا دیا۔ تب جواب سلام دیا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی)

اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ **إِذَا لَمْ يَبَارَكَ لِلْعَبْدِ فِي مَالِهِ جَعَلَهُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ** جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبضہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں۔ **أَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ** کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ سمجھ دے چوتھے اس لئے کہ اولیاء اللہ کی مقابر کا پختہ ہونا۔ ان پر عمارت قائم ہونا۔ تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ امیر شریف وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے ان اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کھجی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جمالیات ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں تاکہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اس کے حدود معلوم رہیں۔

میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کھجی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پختہ قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے پختہ قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفید زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک پختہ قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کھجی تھیں اور مٹ چکی تھیں ان کے پاس پہنچ گئے۔ کیونکہ اس قبرستان کے حدود پختہ قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیعتاً درست مانا گیا۔ اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پختہ ضرور بنوائی جائیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لئے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۶۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب کے چیرسید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالاکوٹ میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے اسکی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاوے گا۔ سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائد اعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

جس میں ایک لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۵۷ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۱۲ گسٹ ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ ہیں وہ دیوبندی جو اب تک مسلمانوں کی قبریں اکٹڑتے تھے جنہوں نے نجدی حکومت کو مبارک باد کے تار دیئے تھے کہ اس نے صحابہ و اہل بیت کی قبریں اکٹڑ دیں آج قائد اعظم کی قبر پر گنبد و غیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد دے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور چلو تم ادھر کو ہوا چدھر کی۔ بہر حال ہزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات کے جوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اول تو یہ کہ مکتوبہ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے۔

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَحْصَصَ الْقُبُورُ وَأَنْ يُنْبِئَ عَلَيْهِ وَأَنْ يَقَعَدَ عَلَيْهِ

”حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔“

نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ **يَكْرَهُ الْبِنَاءُ عَلَى الْقُبُورِ** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمین کام حرام ہیں قبر کو پختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر چادر بن کر بیٹھنا۔

جواب قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا۔ **أَنْ يَحْصَصَ الْقُبُورُ** یہ نہ فرمایا گیا۔ **عَلَى الْقُبُورِ** دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبور پختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کی سجاوٹ، تکلف یا فخر کے لئے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی ولی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر پختہ پتھر کی بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ لمعات میں اسی **أَنْ يَحْصَصَ الْقُبُورُ** کے ماقبہ ہے **لِمَا فِيهِ مِنَ الزَّيْنَةِ وَالتَّكْلِيفِ** کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے **أَنْ يُنْبِئَ عَلَيْهِ** یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔

چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے۔

وَتَكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ لِمَا فِي الْمُسْلِمِ. نَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَحْصَصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُنْبِئَ عَلَيْهِ

قبر کو ایک ہاتھ سے اونچا کرنا منع ہے کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔“

درمکار اسی باب میں ہے **وَتَكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ مِنَ التَّرَابِ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْبِنَاءِ** قبر پر مٹی زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کی درجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آ جاوے اور گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے ارد گرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کے لئے قبروں کے لئے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تعمیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو کہ مکتوبہ باب المساجد میں ہے۔

اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَوَتْنَا يُعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدَ

”اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ باری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قَالَ الْبَيْضاوِيُّ لَمَّا كَانَتْ إِلَيْهِمْ وَالنَّصْرِيُّ يَسْجُدُونَ لِقُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ تَعْظِيمًا لِّشَأْنِهِمْ وَ يَجْعَلُونَهَا قِبْلَةً يَتَوَجَّهُونَ فِي الصَّلَاةِ نَحْوَهَا وَ اتَّخَذُوهَا وَثَانًا لِعَنَتِهِمْ وَ مَنَعَ الْمُسْلِمُونَ عَنْ مِثْلِ ذَلِكَ

”بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیم یا سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا کر رکھا تھا لہذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔“

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہوگئی۔ معلوم ہو گیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ بدعتوں کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ بننے کے مکانات کو پختہ کرنے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ گرا دیئے گئے پانچویں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لئے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ تو جہیں اس لئے کہیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارت بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن مثنیٰ کی بیوی نے اپنے شہر کی قبر پر قبر ڈالا جس کو ہم بحوالہ مشکوٰۃ باب البکاء سے نقل کر چکے۔ زوجہ حسن مثنیٰ کے اس فعل کے ماتحت ملاطی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں۔

الظَّاهِرُ أَنَّهُ لِاجْتِمَاعِ الْأَحْبَابِ لِلذِّكْرِ وَالْقِرَاءَةِ وَحُضُورِ الْأَصْحَابِ بِالْمَغْفِرَةِ أَمَّا حَمْلُ فِعْلِهَا عَلَى الْعَبَثِ الْمَكْرُوهِ فَغَيْرُ لَائِقٍ لِصَنِيعِ أَهْلِ الْبَيْتِ

”ظاہر یہ ہے کہ یہ بدعتوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لئے تھا تا کہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں۔ لیکن ان بی بی کے اس کام کو بعض بے فائدہ بنا کر مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے۔“

صاف معلوم ہوا کہ بلا فائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام کے لئے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب جش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنیفہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر پر قبہ بنایا۔

مثنیٰ شرح موطاء امام مالک میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَضَرَبَهُ عُمَرُ عَلَى قَبْرِ زَيْنَبِ بِنْتِ جَعْفَرٍ وَ ضَرَبَتْهُ عَائِشَةُ عَلَى قَبْرِ أَخِيهَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَ ضَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ إِنَّمَا كَرِهَهُ لِمَنْ ضَرَبَهُ عَلَى وَجْهِ السَّمْعَةِ وَ الْمُبَاهَاتِ

”حضرت عمر نے زینب جش کی قبر پر قبہ بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر قبہ بنایا محمد ابن حنیفہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا رضی اللہ عنہم اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے جو کس کو فخر دریا کے لئے بنائے۔“

بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔

رُوِيَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَمَّا مَاتَ بِالطَّائِفِ صَلَّى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ وَجَعَلَ قَبْرَهُ مُسْتَمْنًا وَ ضَرَبَ عَلَيْهِ فُسْطَاطًا

”جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنیفہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔“

یعنی شرح بخاری میں ہے **ضَرَبَ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ** ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری امت روضہ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض نہ کیا لہذا اس حدیث کی وہ ہی تو جھجکیں کی جاویں جو کہ ہم نے کہیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنی ہیں قبر پر چڑھ کر بیٹھ ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اس کو تو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے کھولے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظرہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھولا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن۔ آج تک روضہ مصطفیٰ ﷺ پر مجاور رہے ہیں کسی نے ان کو نا جائز نہ کہا۔

وَعَنْ أَبِي هَيَّاجٍ بْنِ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَلِيُّ الْأَبَعْتُكَ عَلِيٌّ مَا بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ لَا تَدْعَ تِمْنًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ.

”ابوہیاج اسدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹا دو اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو۔“
بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الجری علی القبر میں ہے۔

وَرَأَى ابْنَ قُسْطَاطًا عَلَى قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ انْزِعْهُ يَا غُلَامُ فَإِنَّمَا يُظِلُّهُ عَمَلُهُ

”ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمن کی قبر پر قبہ دیکھا پس آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اسکو علیحدہ کر دو کیونکہ ان پر انکے عمل سایہ کر رہے ہیں۔“
ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیئے۔

نوٹ ضروری اس حدیث کو اربنا کر نجدی وہابیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات کو گرا کر زمین کے ہموار کر دیا۔

جواب جن قبروں کو گرا دیئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں۔ نہ کہ مسلمین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں۔ جس کے لئے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں کو حضرت علی نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔

کیونکہ ہر صحابی کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کوئی کام بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں۔ وہ یا تو حضور کی موجودگی میں یا آپ کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ ہاں عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔

بخاری شریف صفحہ ۶۱ مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

أَمَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُفِثَتْ ”حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس اکھیر دی گئیں۔“

بخاری شریف جلد اول صفحہ ۶۱ میں ایک باب باندھا **هَلْ يُنْبَشُ قُبُورُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ** کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیر دی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں۔

أَيُّ دُونَ غَيْرِهَا مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ وَاتَّبَاعِهِمْ لِمَا فِي ذَلِكَ إِهَانَةٌ لَهُمْ

”یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔“

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وَفِي الْحَدِيثِ جَوَازُ تَصْرِفٍ فِي الْمَقْبَرَةِ الْمَمْلُوكَةِ وَجَوَازُ نَبَشِ قُبُورِ الدَّارِسَةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُحَرَّمَةً

”اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آگیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جاویں بشرطیکہ محترمہ نہ ہوں۔“

اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی عیوش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کردی کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لئے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو

بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمان کی قبر کے لئے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ

اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی تو اونچی قبریں

اکھڑائیں اور ان کے فرزند محمد ابن حنفیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بنی گئی۔ جب بھی اس کو نہیں اکھیر

سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا ساڑ چھاپنا منع ہے دیکھو شامی کتاب

الکراہیت۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو کچھ ٹکونہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاخانہ

کرنا وہاں جوہ سے چلنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس کہ نجدی نے صحابہ کرام کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب جدہ میں

اگر یہ عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَتْرَكُونَ أَهْلَ الْأَصْنَامِ**

ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے سند لانا محض بے جا ہے وہ تو خود فرما رہے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کافی

ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لئے قبہ بنایا تو جائز ہے۔ یعنی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَهِيَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ ضَرْبَ الْفُسْطَاطِ لِعَرْضِ صَحِيحٍ كَالْتَشَتُّرِ مِنَ الشَّمْسِ مَقْلًا لِلْأَحْيَاءِ لَا لِإِضْلَالِ الْمَيِّتِ جَاؤُ

”ادھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لئے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لئے جائز ہے۔“

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دو پہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے سیالکوٹ گیا۔ بہت شوق تھا کہ ملا عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی ساتباں نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی بمشکل تمام چند آیات پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹا پڑا۔ جذبہ دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارت بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ قیامت اِذْ يَبْغُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ہے کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آجکل لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہذا ہم ان قبروں کو گرائیں تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچا لیتے۔

فَاعْلَمْ أَنَّ هَذَا الصَّبِيْعَ كُفِّرَ صَرَاحَ مَاخُوذٌ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ

”تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل کر دوں وہ اپنے خدا کو بلا لے میں خوف کرتا ہوں کہ تمہارا دین بدل دیگا یا زمین میں فساد پھیلادے گا۔“

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر اولیاء اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو نجدی وہابیوں سے اپنی قبروں کو کیوں نہ بچایا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے ہیں پھر ان کی تعظیم و توقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب قیامت ایک شخص کعبہ کو گرا دے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ برباد کر دی گئیں تو اگر ہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچالیا۔ اولیاء اللہ یا ان کی مقابر کی تعظیم ان کی مجاہدیت کی وجہ سے کی ہے۔ نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرا دیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کو وہ صفا پر وغیرہ وغیرہ۔

بحث مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا۔ چراغاں کرنا علما اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا اولیاء علماء صلحاء کی قبور پر جائز عوام مسلمین کی قبور پر نا جائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت نا جائز ہے اور ضرورت جائز اور اولیاء اللہ کی قبور پر صاحب مزار کی عظمت شان کے اظہار کے لئے بھی جائز ہے ضرورت میں تین ہیں یا قورات میں مردے دفن کرنا ہے روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر راستہ کے کنارے پر ہے تو اس لئے چراغ جلادینا کہ کسی کو ٹھوکہ نہ لگے یا کوئی خیر یا کرافتہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ کچھ پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا فضول خرچی اور اسراف ہے لہذا منع۔ مزارات اولیاء اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی نہ ہو تب بھی تعظیم دلی کے لئے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلانے یا چند ان تینوں باتوں کا محافظین انکار کرتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلا باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب ان کے ثبوت میں

ہم اس سے پہلی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ اور ان کے مزارات شعائر اللہ ہیں یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر ملکہ ہر سے جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہذا جائز ہے۔ تر پھول میں چونکہ زندگی ہے اس لئے وہ شمع و جلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسخیر کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ باب آداب الخلاء فصل اول میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گزر ہوا فرمایا کہ دونوں میں جو کو عذاب ہو رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا جھلی کرتا تھا۔

ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّقَهَا بِصَفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَا صَنَعْتَ هَذَا فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبْسَا

”لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں جب تک ان کے عذاب میں کمی رہے۔ کہا گیا ہے کہ اسلئے عذاب کم ہوگا کہ جب تک تر رہیں گی تسخیر پڑھیں گی اس حدیث سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب فرمایا۔ کیونکہ تلاوت قرآن شافع کی تسخیر سے زیادہ اس کی مقدار ہے کہ اس عذاب کم ہو۔“

اشعواء المعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے تمسک کنند جماعت ہاں حدیث در اندازن بنزہ کل رحمان بر قبور۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکارتی ہے قبروں پر بنزی پھول اور خوشبو ڈالنے کی جواز میں۔ مرقات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔

وَمِنْ ثَمَّ أَفْتَى بَعْضُ الْأَئِمَّةِ مِنْ مُتَأَخِّرِي أَصْحَابِنَا بِأَنْ مَا أُعْتِدَ مِنْ وَضْعِ الرِّيحَانِ وَالْجَرِيدِ سُنَّةٌ لِهَذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ أَنَّ يَزِيدَ الْخَصِيبِ الصَّحَابِيُّ أَوْصَى أَنْ يُجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَرِيدَتَانِ

معلوم ہوا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے۔

طحاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۶۲ میں ہے۔

قَدْ أَفْتَى بَعْضُ الْأَئِمَّةِ مِنْ مُتَأَخِّرِي أَصْحَابِنَا بِأَنْ مَا أُعْتِدَ مِنْ وَضْعِ الرِّيحَانِ وَالْجَرِيدِ سُنَّةٌ بِهَذَا الْحَدِيثِ

”ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی جو عادت ہے وہ سنت ہے۔“

ان عبارات میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے عالمگیری کتاب الکراہت جلد پنجم باب زیارت القبر میں ہے۔

وَضَعَ الْوَرْدُ وَالرِّيَاحِينَ عَلَى الْقُبُورِ حَسَنٌ قَبْرُونَ پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے۔

شامی جلد اول بحث زیارت القبر میں ہے۔

وَيُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ وَمِنْ الْحَدِيثِ نُدْبُ وَضِعَ ذَلِكَ لِلتَّبَاعِ وَيُقَاسُ عَلَيْهِ مَا عَتِيدَ فِي زَمَانِنَا مِنْ وَضِعِ أَغْصَانِ الْأَسَى وَلَحْوِهِ

”اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں پر رکھنے کا انتخاب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قبروں پر آس کی شامیں وغیرہ چڑھانے کو بھی قیاس کیا جاوے گا جس سے ہمارے زمانہ میں رواج ہے۔“

شامی اسی جگہ ہے۔

وَتَعْلِيلُهُ بِالتَّخْفِيفِ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبْسُأَيِ يُخَفِّفُ عَنْهَا بِرَكْعَةٍ تَسْبِيحُهَا إِذْ هُوَ أَكْمَلُ مِنْ تَسْبِيحِ الْيَاسِ لِمَا فِي الْأَخْصَرِ نَوْعَ حَيَاةٍ

”کی عذاب کی علت ہے الٹا شک نہ ہونا یعنی انکی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ ہر شام کی تسبیح شک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں ایک تسبیح کی زندگی ہے۔“

اس حدیث اور محدثین و فقہاء کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ ہر ہنر چیز کا رکھنا ہر مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شامیں رکھیں عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے یہ کہ عذاب کی کمی ہنرے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا سے کمی ہوتی۔ تو حدیث میں شک نہ ہونیکا کیوں قید لگائی جاتی؟ لہذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی ان شاء اللہ میت کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو نکپار کھنے میں یہی مصلحت ہے۔ کہ بارش میں اس پر سبز گھاس تھے اور اس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو۔ ثابت ہوا کہ پھول وغیرہ تو ہر چیز قبر مومن پر جائز ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاح الرسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں، فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیئے۔ نہ کہ قبور اولیاء پر ان کے مزارات میں عذاب ہے ہی نہیں۔ جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لئے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لئے بلندی درجات کا فائدہ دیتے ہیں دیکھو مسجد کی طرف چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کی مٹائی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں۔ اس قاعدہ سے لازم آتا ہے صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمت الہی بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں تلاوت قرآن سے۔

۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

شامی جلد ۵ کتاب الکرامیت باب اللبس میں ہے۔

قَالَ فِي قَتَاوَى الْحَجَّةِ وَتُكْرَهُ السُّورُ عَلَى الْقُبُورِ وَلَكِنْ نَحْنُ نَقُولُ الْآنَ إِذَا قَصِدَتْهُ التَّعْظِيمُ فِي عُيُونِ الْعَامَّةِ لَا يَحْتَقِرُوا صَاحِبَ الْقَبْرِ بَلْ يَجْلِبُ الْخُشُوعُ وَالْأَدَبُ لِلْمُغْلِبِينَ وَالزَّائِرِينَ فَهُوَ خَيْرٌ لَأَنَّ الْأَعْمَالَ بِالْبَيِّنَاتِ

”یعنی فتاویٰ حج میں ہے کہ قبروں پر غلاف پر دے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غفلوں کو اس سے ادب خشوع حاصل ہو تو جائز کیونکہ عمل نیت سے ہیں۔“

شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہو۔ وہ جائز ہے۔ اور چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے۔ جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ ٹھنڈی دہائیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھانے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لئے احترام اولیاء کے لئے ان قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱ سورہ توبہ ۱۲۹ آیت اَلْمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ہے۔

فَبِنَاءِ الْقُبَاتِ عَلَى قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ وَوَضْعِ السُّورِ وَالْعَمَائِمِ وَالْقِيَابِ عَلَى قُبُورِهِمْ أَمْرٌ بِجَائِزٍ إِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذَلِكَ التَّعْظِيمِ فِي أَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتَّى لَا يَحْتَقِرُوا صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ

”علما و اولیاء و اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائز کام ہیں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔“

(۳) عام مسلمانوں کی قبر پر ضرورۃً اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہارِ عظمت کے لئے چراغ روشن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۳۲۹ میں ہے۔

إِخْرَاجُ الشُّمُوعِ إِلَى الْقُبُورِ بَدْعَةٌ وَإِتْلَافُ مَالٍ كَذَابٌ فِي الْبَرَايَةِ وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا خَلَعَ فَإِنَّدَهُ وَأَمَّا إِذَا كَانَ مَوْصِنُ الْقُبُورِ مَسْجِدًا أَوْ عَلَى طَرِيقٍ أَوْ كَانَ هُنَاكَ أَحَدٌ جَالِسًا أَوْ كَانَ قَبْرٌ وَلِيٍّ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ وَعَالِمٍ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ تَعْظِيمًا لِرُوحِهِ إِعْلَامًا لِلنَّاسِ أَنَّهُ وَلِيُّ لِيَتَبَرَّكَوْا بِهِ وَيَدْعُوا اللَّهَ تَعَالَى عِنْدَهُ فَيَسْتَجَابَ لَهُمْ فَهُوَ أَمْرٌ جَائِزٌ

”قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزاز میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کر لیں اور وہاں اللہ سے دعائیں کر لیں تو چراغ جلانا جائز ہے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ میں ہے۔

وَكَذَلِكَ إِيْقَادُ الْقَنَادِيلِ وَالشُّمْعِ عِنْدَ قُبُورِ الْأَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ وَالْأَجَلَالِ لِلأَوْلِيَاءِ فَالْمَقْصِدُ فِيهَا مَقْصِدُ خَسَنٍ وَتَذَرُّ الزُّبَيْتِ وَالشُّمْعِ لِلأَوْلِيَاءِ يُوقَدُ عِنْدَ قُبُورِهِمْ تَعْظِيمًا لَهُمْ وَمَحَبَّةً فِيهِمْ جَائِزٌ لَا يَنْبَغِي النَّهْيُ عَنْهُ

”اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قدیل اور موسم بتیاں جلانا انکی عظمت کے لئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہذا جائز ہے اور اولیاء کے لئے تیل اور موسم حق کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے لئے ان کو قبور کے پاس جلائی جاویں جائز ہے۔ اس سے منع نہ کرنا چاہئے۔“

علامہ تلمیسی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبر میں بھی بالکل یہی مضمون تحریر فرمایا اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امور جائز ہوں جیسا کہ ہم گنبد کے بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ان مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم داعظ کو چاہئے کہ اچھا لباس پہنے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لئے لوگ ملنا گوارا کریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو اچھی طرح رہنا چاہئے۔ اور مزارات اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں ٹھہری وہابیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قلعے چلتے تھے اور حطیم شریف کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازے کعبہ پر شمع کا فوری چار چار جلائی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری انھیں ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بلب تیز اور زیادہ تھے بہت روشنی تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیعت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لئے تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی جلی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا برائی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقع پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا لائٹیں کے گیس جلاتے ہیں۔ جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے۔ مہر اس کے جلسوں میں بیسیوں روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے حمیۃ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں تین شب کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا۔ یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں کے بازو لے جاتے ہیں نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرام۔ یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔

اعتراض ۱

حضور علیہ السلام نے فرمایا **إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُوَ الْحِجَابَةَ وَالطَّيْنِ** رب نے ہمیں حکم نہ دیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوٰۃ باب التصدیر) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے۔

جواب

اس سے مکانات کی دیواروں پر بلا ضرورت تکلفا پردے ڈالنا مراد ہیں اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا بیان ہے یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے اسی حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے دیوار پر غلاف ڈالا تھا۔ اسے پھاڑ کر یہ فرمایا۔ قبور اولیاء کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ غلاف ہے اور رسول اللہ علیہ السلام پر سبز اور غلاف کعبہ زمانہ نبوی میں تھا۔ ہاؤ وہ جائز ہے تو قبور کی چادر بھی جائز ہے۔

اعتراض ۲

قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا وہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچ ہے لہذا منع ہے اولیاء اللہ کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

جواب

اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہذا یہ اسراف نہیں رہا۔ ہر کام ملنے کا عذر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کہتے ہیں اس پر واسطہ اس پر اچکن پہنتے ہیں۔ پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک کرتے ہیں بھی چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کر سکتا ہے۔ ہاؤ یہ اسراف ہوا یا نہیں۔ اسی طرح عمارت اور لذیذ خوراک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ جَهْلَ النَّاسِ

اعتراض ۳

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زِينَاتِ الْقُبُورِ وَالتَّخْذِينَ عَلَيْهَا الْمَسْجِدَ وَالشَّرْجَ

”یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر۔“

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلانا لعنت کا سبب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **إِخْرَاجُ الشُّمُوعِ إِلَى الْمَقَابِرِ يَدْعُوهُ لَا أَصْلَ لَهُ** اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے۔ ”یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔“ شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

أَمَّا لَوْ نَذَرْنَا لَا يَفَادٍ قَبْدِيلَ فَوْقَ ضَرِيحِ الشَّيْخِ أَوْ فِي الْمَنَارَةِ كَمَا تَفْعَلُ النِّسَاءُ مِنْ نَذْرِ الزَّيْتِ

لِسَيِّدِي عَبْدِ الْقَادِرِ وَيُوقَدُ فِي الْمَنَارَةِ جَهَّةَ الشَّرْقِ فَهُوَ بَاطِلٌ

”لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے لئے تیل کی نذر مانی جیسی کہ عورتیں حضور غوث پاک کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے۔“

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالین میں لکھا۔ ”کہ چراغاں کردن بدعت است بخیر خدا بر شرع افراد از نزد قبر و جہہ کنندگان لعنت گفت۔ چراغاں کرنا بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور جہہ کر نبیوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں صفحہ ۴۱ پر ہے۔ دامال ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغها بلویں ساقین قبور بدعت شیخہ اند۔“ لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو غلاف پہنانا یہ سب بدعت سید ہیں۔

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں پر حرارات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جسکا اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے۔

جواب

یہ اعتراض حقیقت میں سچا اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے تل بوئے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں۔ جوابات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے۔ نوامیہ چار بیان کئے۔ تین تو عام مومنین کی قبروں کے لئے اور چوتھا یعنی تعظیم روح مشائخ و علماء کی قبور کے لئے۔ اس حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بے فائدہ ہو۔

چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

وَالنَّهْيُ عَنْ اتِّخَاذِ الشُّرُجِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَضْيِيعِ الْمَالِ

”قبروں پر چراغ جلانے سے اسلئے ممانعت ہے کہ اس میں مال برباد کرنا ہے۔“

اسی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی۔ حدیث تندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۳۲۹ مصری میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

أَيُّ الَّذِينَ يُوقِدُونَ الشُّرُجَ عَلَى الْقُبُورِ عَيْنًا مِنْ غَيْرِ فَائِدَةٍ

”ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ عشب چراغ جلاتے ہیں۔“

مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے۔ **أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ لَيْلًا فَاُسْرِجَ لَهُ بِسِرَاجٍ**

”نبی کریم ایک شب دفن میت کیلئے قبرستان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لئے چراغ جلا یا گیا۔“

دوم یہ کہ حدیث میں ہے۔ **وَالْمُتَخَذِينَ عَلَيْهَا الْمَسْجِدَ وَالشُّرُجَ** حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں

بنائیں اور چراغ جلائیں۔ ماطلی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی و دیگر شارحین اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی

طرف سجدہ ہو یا قبر فرض مسجد میں آجائے یہ منع ہے لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو برکت کیلئے تو جائز ہے یعنی اس جگہ انہوں نے اعلیٰ کے اپنے حقیقی معنی

پر رکھا۔ جس سے لازم آیا کہ خود تعویذ قبر پر چراغ جلانا منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے ارد گرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔ لہذا جائز ہے جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں لکھ

چکے ہیں۔ نیز حدیث تندیہ میں علامہ مہلبی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ **الْمُتَخَذِينَ عَلَيْهَا أَى عَلَى الْقُبُورِ يَعْنِي فَوْقَهَا**

یعنی خاص قبروں کے اوپر اور وجہ اسکی یہ ہے کہ چراغ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا برا ہے اسی لئے خاص قبر میں لکڑی کے تختے لگانے کو فقہاء منع

فرماتے ہیں کہ اس میں آگ کا اثر ہے لیکن اگر لکڑی قبر کے پاس پڑی ہو وہ منع نہیں تو چراغ کی ممانعت ہو سکتی وجہ سے ہے نہ کہ تعظیم قبر کے لئے نیز

یہاں ایک ہی علی اور ذکر ہے مسجد کا اور چراغ کا۔ مسجد کیلئے تو آپ علی کے حقیقی معنی مراد لیں یعنی خاص قبر کے اور چراغ کیلئے مجازی یعنی قبر کے

قریب۔ تو حقیقت اور مجاز کا اجتماع لازم ہوگا اور یہ منع ہے لہذا دونوں جگہ علی کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔

مرقات میں ماطلی قاری اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ ”اوپر کی قید لگائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر کے برابر مسجد بنانے میں حرج نہیں۔“

لفظ علی سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائز۔ اسی طرح لفظ علی سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر چراغ جائز تیسرے یہ ہے کہ ہم گنبد کی بحث میں شامی اور

دیگر کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنِ آمَنَ بِاللَّهِ ہے۔

وَفِي الْأَحْيَاءِ أَكْثَرُ مَصْرُوفَاتِ هَذِهِ الْأَنْبَارِ مُنْكَرَاتٍ فِي عَصْرِ الصُّحَابَةِ

”یعنی احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ اس زمانہ کے بہت سے مستحبات صحابہ کرام کے زمانہ میں ناجائز تھے۔“

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان حاکم فخر پر سوار نہ ہو اور چپاتی روٹی نہ

کھائے اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو اہل حاجت سے بند نہ کرے اور فرماتے ہیں۔

فَإِنْ فَعَلْتُمْ مِنْ ذَلِكَ فَقَدْ خَلَّتْ بِكُمْ الْعُقُوبَةُ ”اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تم کو سزا دی جاوے گی۔“

اسی مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے **مَا أُمِرَتْ بِتَشْيِيدِ الْمَسْجِدِ** مجھ کو مسجد میں اوچی بنانے کا حکم نہ دیا گیا۔ اسکے حاشیہ میں ہے۔

أَيُّ بِاعْلَاءٍ بِنَاءِهَا وَتَرْبِيئِهَا ”یعنی مسجد میں اوچی بنانے اور ان کو تراسہ کرنا حکم نہیں۔“

اسی مشکوٰۃ میں ہے۔ **لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ** ”مورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔“

قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ہیں یعنی مولفۃ القلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی سے صرف سات مصرف رہ گئے۔ مولفۃ القلوب کو

علیحدہ کر دیا گیا۔ (دیکھو ہادیہ نمبر) کیسے اب بھی ان پر عمل ہے؟ اب احکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ ان کا رعایا پر عرب نہیں ہو سکتا اگر کفار کے

مکانات اور ان کے مندر تو اونچے ہو تا مگر اللہ کا گھر مسجد نیچی اور کچی اور معمولی ہو تو اس میں اسلام کی توہین ہے اگر عورتیں مسجد میں جا دیں تو صدا

خطرات ہیں کسی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ یہ احکام کیوں بدلے؟ اس لئے کہ ان کی علتیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب و زینت کے

مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور مقابر کی عزت و حرمت تھی۔ لہذا زندگی موت ہر کام میں سادگی تھی اب دنیا کی آنکھیں ظاہری زیب و زینت کی بجائے

ہیں لہذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو۔ اب جائز قرار پایا۔ تفسیر البیان میں زیر آیت **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ** ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے مینارہ پر ایسی روشنی کی قہمی کہ بارہ میل مروجی عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کا قہمی تھیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔ عالمگیری کی عبارت غلطی اصل عبارت یہ ہے۔

إِخْرَاجُ الشُّمُوعِ إِلَى رَاسِ الْقُبُورِ فِي اللَّيَالِي الْأُولَى بِدَعَاةٍ ”شروع راتوں میں قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔“ اس میں دو کلمے قابل غور ہیں ایک تو خراج دوسرے فی اللیالی الاول۔ ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مردوں کی قبروں پر چراغ لے جا کر جلاتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزِ زندہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پا کر لوٹ جاتی ہے لہذا روشنی کر دہ یہ حرام ہے کیونکہ تیل کا بلا ضرورت خرچ ہے اور بدعتِ قہمی بھی ہے اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں اگر یہ مطلب نہ ہو تو شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلانے کی نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت اور درمختار کی اس عبارت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّ النَّفْسَ الَّتِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الذَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ بِالْأَجْمَاعِ بَاطِلٌ

”جاننا چاہئے کہ عوام جو مردوں کی نذریں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لئے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لئے وہ بالا جماع باطل ہے۔“

اور خود شامی کی عبارت بھی ہے۔ **لَوْ نَذَرَ** اگر ان کی منت مانی۔ پھر شامی کی عبارت میں ہے **فَوْقَ صَبْرِ الشَّيْخِ** شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا ضریح کہتے ہیں خالص تعویذ قبر کو منتخب اللغات میں ہے۔ ”ضریح گور یا مٹھا کے درمیان گور ساز خدا اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر کو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام پر چراغ کسی جگہ رکھ کر جلادے جسے کہ بعض جہلاء بعض درختوں یا بعض خاق میں کسی کے نام سے چراغ جلاتے ہیں۔ یہ بھی حرام ہے اسکو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کر لینی نیست سے۔ خاص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔

مسئلہ بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں فلاں بزرگ کا چلہ ہے یعنی وہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھتے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ حبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا **بَابُ الْمَسْجِدِ الْأَنْبِيِّ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ** اس میں بیان فرمایا کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجدیں بنادی گئیں تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کچھ طبعہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔ **فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَتَرَكُهُ عَنْ يَسَارِهِ** یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی غار میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نمازیں پڑھتے ہیں۔ لہذا خواجہ اجمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی، ان کی زیارت کرنی، ان کو تبرک سمجھنا سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ نذر لغوی ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی لئے فرماتے ہیں **تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ** نذر شرعی عبادت ہے وہ غیر اللہ کے لئے ماننا تھا کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا رخصت اچھا ہو گیا تو آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کروں گا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں بلاؤ کا صدقہ کروں گا۔ اللہ کے لئے اس پر جو ثواب ملے گا۔ آکھوتشوں کا جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے اگر بیمار اچھا ہو گیا۔ تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا۔

بَانَ تَكُونُ صِغَةً النَّذْرُ لِلَّهِ تَعَالَى لِلتَّقَرُّبِ إِلَيْهِ وَيَكُونُ ذِكْرُ الشَّيْخِ مُرَادًا بِهِ فَقَرَاءَةُ

”صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لئے ہو اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا مصروف ہوں۔“

یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے اس کے ثواب کا یہ روح شیخ کے لئے اس صدقہ کا مصروف مزار بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا حیرے لئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصروف بیت المقدس کا اِنِّی نَذَرْتُ لَكَ مَا بِي بَطْنِي مُحَرَّرًا دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ وَطُوبَىٰ لِّسِينِينَ وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا اَفْلَحَ وَآبِيہ اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہو گیا۔ مطلب یہی کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لئے ہو وہ جائز یہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقراء کی قید لگا دینا جائز ہے اسی طرح یہ بھی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخطر والا باحت صفحہ ۵۴ میں ہے اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی تقریب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔“ (رشید احمد)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ احد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی یہ نذر بھی عربی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ غرض کہ لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگان دین کے لئے جائز ہے بمعنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلْيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ پرانے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ

حَمِيمِ ان یہاں طواف بمعنی لغوی ہے آنا جانا گھومنا۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی و ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما نے شک بزرگ ہستیاں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی و حرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے انتخاب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں۔ مگر کراہت و حرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی صاحب تو چراغاں اور مزارات کی چادروں کو حرام فرماتے ہیں مگر شامی چادروں کو اور صاحب فقیر روح البیان اور صاحب حدیقہ عدنیہ چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں بخلاف ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز و قاضی صاحبان علیہما الرحمۃ و رضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضہ مطہرہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدستوں اور حرام کاموں کا مرکز ہے۔ کیونکہ وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقیر نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان دو صاحبوں کا وہ فتویٰ کس طرح مانا جائے۔ جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذر میں فرماتے ہیں کہ نذر یکراں یا مستعمل مثلاً در معنی شرعی است چہ عرف آنت کہ آنچہ پیش بزرگان نبی بر نذر رونیا ز گویند۔

(۵) حرمین شریفین کے علماء کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا بیچک اس کے انتخاب کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار و شرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برے لوگوں کو اس طرح نکال بھیجتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھی لوہے کی میل کو خواہ فوراً نکالے یا کچھ عرض بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ ”مراتبی و ابعا و اہل شرف و فساد است از ساخت عزت ایں بلدہ طیبہ و خاصیت مذکورہ در دے مجمع از ماں ہویدا است“ اس سے مراد یہ ہے کہ علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک و بدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سلطنت ترکیہ کی ایجاد ہے۔ امام اجل سید نور الدین سمودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اور امام نور الدین سمودی نے کتاب خلاصہ الوفا شریف ۸۹۳ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سولہویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

وَأَمَّا مَعَالِيْقُ الْحَجَرَةِ الشَّرِيفَةِ الَّتِي حَوَّلَهَا مِنْ قَنَادِيلِ الذَّهَبِ وَالْفِصَّةِ وَنَحْوِهَا فَلَمْ أَقِفْ عَلَىٰ

بِتَذَاتٍ حَدُوْهُمَا ”لیکن جو سونے چاندی کی قندیلیں روضہ مطہرہ کے ارد گرد لٹکی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔“

اسی مقام پر فرماتے ہیں۔ **وَقَدْ أَلَّفَ الشَّكِي تَالِيًا سَمَاءَ تَنْزُلِ السَّكِينَةِ عَلَى قَنَادِيلِ الْمَدِينَةِ وَذَهَبَ فِيهِ**

إِلَى جَوَازِهَا وَصَحَّةٍ وَقَفَّهَا وَعَدَمَ جَوَازِ صَرْفِ شَيْئٍ مِنْهَا لِعِمَارَةِ الْمَسْجِدِ

”امام شکی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزل السکینہ علی قنادیل المدینہ فرماتے ہیں کہ روضہ مطہرہ کی یہ قندیلیں جائز ہیں ان کا وقف درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہو سکتی۔ الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔“

بحث خاتمہ

پنجاب اور یوپی وکٹھیا واڑ میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک و حرام کہتے ہیں۔ یہ محض ان کی بے دینی ہے مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے تفسیر روح البیان میں زیر آیت **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ** ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ۷۱ سو قندیلیں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اولاً کھجور کی لکڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر جہنم داری کچھ قندیلیں اور رسیاں اور تیل لائے اور ان کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **نُورٌ مَسْجِدَنَا نُورُ اللَّهِ عَلَيْكَ** تم نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا اللہ تعالیٰ تم کو نورانی رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغاں کیا اور قندیلیں لٹکائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

نُورٌ مَسْجِدَنَا نُورُ اللَّهِ قُبْرُكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ ”اے عمر تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قبر کو روشن کرے۔“
تفسیر کبیر میں آیت **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ** کی تفسیر میں ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَسْرَجَ فِي مَسْجِدٍ سِرَاجًا تَنَزَّلَ الْمَلَائِكَةُ وَحَمَلَتِ الْقُرْشُ الْأُ
يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ مَا ذَامَ فِي الْمَسْجِدِ ضَوْءُهُ

”یعنی) جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد میں انکی روشنی رہے فرشتے اور جالیین عرش اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔“
فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب النظر والا باحت صفحہ ۱۱۳ میں یہ مانا ہے کہ عہد قاروق میں بعض صحابہ بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر مامون رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں بکثرت چراغ جلائے جاویں۔ غرض کہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء و سنت صحابہ اور سنت عام المسلمین ہے۔

بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس کو بدعت، حرام، شرک اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جواب بعون اللہ تعالیٰ و کرمہ۔

پہلا باب اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الجنازہ باب ما یقال عند من حضرت الموت میں ہے۔ **لَقِنُوا أَمْوَاتُكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** اپنے مردوں کو سکھاؤ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** دنیاوی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لئے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جان کنی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا اگر جان کنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کراہر اسب برباد گیا۔ اور اگر قبر کے استحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال استحان میں قفل ہو گئے تو سال آئندہ دے لو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لئے زندوں کو چاہئے کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ پڑھ کر سنائیں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے جائے اور اب اس استحان میں کامیاب ہو۔ لہذا اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنی مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی مجازی لینا ٹھیک نہیں لہذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ۔ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے۔

أَمَّا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ فَالْحَدِيثُ يَقْنُونُ أَمْوَاتَكُمْ مَحْمُولٌ عَلَى حَقِيقَتِهِ وَقَدَرُوا عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ أَمَرَ بِالتَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ فَيَقُولُ يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ أَذْكَرَ دِينَكَ الَّذِي كُنْتَ عَلَيْهَا
”اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا امواتکم اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔“
شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَأَمَّا لَا يَنْتَهِي عَنْ التَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ لِأَنَّهُ لَا خَصَرَ رَفِيَهُ بَلْ فِيهِ نَفْعٌ فَإِنَّ الْمَيِّتَ يَسْتَأْنِسُ بِالذِّكْرِ عَلَى مَا وَرَدَ فِي الْأَثَارِ
”دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہی نفع ہے کیونکہ میت ذکر الہی سے انس حاصل کرتی ہے۔“
جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تاکہ مردہ نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ اذان میں کلمہ بھی ہے۔ اس لئے اذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ نکیرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے بزرگ نیک والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** دوسرے کا جواب ہوا **حَسْبِيَ عَلَى الصَّلَاةِ** یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہیں) تیسرے کا جواب ہوا **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے جس کو اشعار میں یوں فرمایا۔

فَرَضَ الصَّلَاةَ وَفِي اِذْنِ الصَّغِيرِ وَفِي وَقْتُ الْحَرْبِ وَالْحَرْبِ الَّذِي وَقَعَا
خَلْفَ الْمَسَافِرِ وَالْغِيلَانِ اِنْ ظَهَرَتْ فَاحْفَظْ لِبَسْتِ نَ لِلَّذِي قَدْ شَرَعَا
وَزَيْدَ اَرْبَعِ ذُوهُمْ وَ ذُو غَضَبٍ مُسَافِرٍ ضَلَّ فِي فُفْرٍ وَ مَنْ صَرَعَا

”نماز پانچگانہ کے لئے، بچہ کے کان میں، آگ کٹنے کے وقت، جبکہ جنگ واقع ہو، مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر، غصہ والے پر، جو مسافر کہ راستہ بھول جاوے اور مرگ والے کے لئے شامی میں اسی کے تحت ہے۔“

قَدْ يَسُنُّ الْإِذَاانَ بِغَيْرِ الصَّلَاةِ كَمَا فِي إِذَاانِ الْمُؤَلَّدِ وَالْمَهُمُومِ وَالْمَصْرُوعِ وَالْغَضْبَانِ وَمَنْ سَاءَ خُلُقُهُ مِنْ إِنْسَانٍ أَوْ بَهِيمَةٍ وَعِنْدَ مُزْدَهَمِ الْعَجِشِ وَعِنْدَ الْحَرِيقِ وَقِيلَ عِنْدَ إِنْزَالِ الْمَيِّتِ الْقَبْرِ قِيَامًا عَلَى أَوَّلِ خُرُوجِهِ لِلدُّنْيَا لَكِنْ رَذَّةُ ابْنِ حَجَرٍ فِي شَرْحِ الْعُبَابِ وَعِنْدَ تَقْوِيلِ الْغِيلَانِ أَيْ تَمَرُّدِ الْجَنِّ ”نماز کے سوا چند جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں غزوہ کے، مرگی والے کے، غصہ والے کے کان میں۔ جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے لشکروں کے جنگ کے وقت آگ لگ جانے کے وقت، میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس میں اذان کے سنت ہونے کا ابن حجر علیہ الرحمۃ نے انکار کیا ہے جنات کی سرکشی کے وقت۔“

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ

مشکوٰۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بلال کی اذان سے رمضان کی سحری ختم نہ کرو۔ وہ تو لوگوں کو چگانے کے لئے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بھائے نوبت یا گولے کے اذان دی جاتی تھی لہذا سوئے کو چگاتے کے لئے اذان دینا سنت سے ثابت ہے۔ اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ فائدے عرض کئے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کو ان میں سے کون کون سے فائدے حاصل ہونگے۔ اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جوابات سے ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔

مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے۔ **إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ أَذْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّائِبِينَ**

”جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔“

اور جس طرح کہ بوقت موت شیطان مرنے والے کو غلاتا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بہکا تا ہے کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں قیل ہو جاوے۔ **اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ** چنانچہ نور الوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا سُئِلَ مَنْ رَبِّكَ يُرَى لَهُ الشَّيْطَانُ فَيُشِيرُ إِلَى نَفْسِهِ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَلِهَذَا وَرَدَ سُؤَالُ التَّيِّبِ لَهُ حِينَ سُبُلَ

”یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میرا تیرا رب ہوں۔ اسی لئے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔“

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بہکانے والا گیا۔

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے ابو نعیم اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔ **نَزَلَ اَدَمُ بِالْهِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ فَنَادَى بِالْأَذَانِ** حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اسی طرح اربع النہات جلد اول صفحہ ۶۲ باب سوم درمیاں آیات شرف دے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تاریک مکان میں اکیلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں حواس باختہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو اطمینان ہوگا۔ جوابات درست دے گا۔ چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَزِينًا فَقَالَ يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ إِنِّي أَرَاكَ حَزِينًا فَمُرْ بَعْضَ أَهْلِكَ يُؤْخِذُ فِي أَذْنِكَ فَإِنَّهُ دَرَاءُ الْهَمِّ

”مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رنجیدہ دیکھا تو فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کو رنجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کرے گا۔“

بزرگان دین حتیٰ کہ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ **جَبْرُئِيلُ فَوَجَدَهُ كَذَلِكَ فِي الْمِرْقَاتِ** مراقبہ شروع باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب مردے کے دل پر اس وقت جو حمد ہے۔ اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

پا چھریں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابو یعلیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

يُطْفِئُونَ الْحَرِيقَ بِالْكَبِيرِ وَإِذَا رَأَوْهُمُ الْحَرِيقَ فَكَبِّرُوا فَإِنَّهُ يُطْفِئُ النَّارَ
 ”لگی ہوئی آگ کو کبیر سے بجھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو کبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے۔“

اور اذان میں کبیر تو ہے اللہ اکبر لہذا اگر قربیت میں آگ لگی ہو تو امید ہے کہ خدائے پاک اسکی برکت سے بجھاوے۔

چھپے یہ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے عقی قبر سے نجات ملتی ہے۔ امام احمد و طبرانی و بیہقی نے

جابر رضی اللہ عنہ سے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا واقعہ نقل کر کے روایت کی۔ **سَبَّحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ**

وَكَبَّرَ النَّاسُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ سَبَّحْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَائِقُ عَلَيَّ هَذَا الرَّجُلُ الصَّلَاحُ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَجَ

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بعد دفن حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ فرمایا۔ پھر اللہ اکبر حضور نے فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حبیب

اللہ تسبیح و کبیر کیوں پڑھی ارشاد فرمایا کہ اس صالح بندے پر قبر ٹھک ہوگئی تھی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔

اس کی شرح میں علامہ طبری فرماتے ہیں۔

أَي مَازِلَتْ مُكَبِّرًا وَ تَكَبِّرُونَ وَأُسَبِّحُ وَ تُسَبِّحُونَ حَتَّى فَرَجَهُ اللَّهُ

”یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و کبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے قبر کو کشادہ فرمادیا۔“

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ امام سفین ابن عینیہ فرماتے ہیں۔

ذَكَرَ الصَّالِحِينَ تَنْزِيلُ الرَّحْمَةِ اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے۔ غرضکہ ہماری تھوڑی سی جنبش زبان سے اگر میت کو

اتنے بڑے بڑے سات فائدے پہنچ جاویں تو کیا حرج ہے؟

ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا باعث ثواب ہے شامی باب سنن الوضو میں ہے۔ **الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ إِلَّا بَاخْتَهُ** تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ

وہ مباح ہیں یعنی جس کو شریعت مطہرہ منع نہ کرے وہ مباح ہے اور جو مباح کام نیت خیر سے کیا جاوے وہ مستحب ہے، شروع مشکوٰۃ میں ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ شامی بحث سنن الوضو میں ہے۔

إِنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ الْعَادَةِ وَالْعِبَادَةِ هُوَ النِّيَّةُ الْمُتَضَمِّنَةُ لِلْإِخْلَاصِ

”عادت اور عبادت میں فرق نیت اخلاص سے ہے یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے۔“

اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت۔ در مختار، بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

وَمُسْتَحَبُّهُ هُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَرَّةً وَ تَرَكَهُ أُخْرَى وَمَا حَبَّهِ السَّلَفُ

”مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی نہ کیا۔ اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہیں۔“

شامی بحث دفن زیر عبارات و لا یمحص ہے۔ **وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَارَةً الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ** جس کو

مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ اذان قبر شریعت میں منع نہیں لہذا جائز ہے اور چونکہ اسکو بہ

نیت اخلاص مسلمان بھائی کے نفع کیلئے کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عند اللہ اچھی ہے۔ خود یوہند یوں

کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدہ جلد اول کتاب العبادۃ صفحہ ۱۳۴ میں فرماتے ہیں۔ ”کسی نے سوال کیا ہے کہ تلقین کے بعد دفن

ثابت ہے یا نہیں تو جواب دیا یہ مسئلہ عہد صحابہ سے مختلف فیہا ہے اسکا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی ہے جس پر عمل کر لے درست

ہے۔ رشید احمد

دوسرا باب

اذان قبر پر اعتراضات و جوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اعتراض ۱

قبر اذان دینا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں وہ ہی پرانا سنتی۔

جواب

ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد دفن ذکر اللہ تسبیح و تکبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اور پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہذا یہ سنت سے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو وہ حسنہ ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد الاول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرنا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اسکی اصل شرع سے ثابت ہے۔ بدعت نہیں۔ رشید احمد حنفی

اسی کتاب جناب یہ ختم بخاری اور یری کی فاتحہ پر ثواب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیسا۔

نوٹ ضروری

مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلباء سے کرایا جاتا ہے اہل جماعت طلباء کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نقد میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کئے جاتے ہیں شاید یہ بدعت اس لئے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصول ذر کا ذریعہ۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام؟

اعتراض ۲

شامی نے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کئے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا

لَٰكِنْ رَدُّهُ اِنْ حَجَرَ فِي شَرْحِ الْقَبَابِ اس ڈان کی ابن حجر نے شرح عباب میں تردید کردی معلوم ہوا کہ اذان قبر مردود ہے۔

جواب

اولاً تو ابن حجر شافعی مذہب میں بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے امام ابن حجر شافعی اسکی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ مجہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قول شافعی پر؟ دوم امام ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونیکا انکار کیا۔ یعنی سنت نہیں۔ اگر میں کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پریس۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس موقعہ پر فرمایا **وَقَدْ يُسَنُّ الْأَذَانُ** ان موقعوں پر اذان سنت ہے آگے فرمایا تردید اس کی ابن حجر نے تردید کی تو کسی چیز کی تردید ہوئی؟ سنت کی۔ شامی سمجھنے کے لئے عقل و ایمان کی ضرورت ہے تیسرے یہ کہ اگر مان بھی لو کہ علمہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے، بلا دلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔

شامی بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

وَلَا يَلْزَمُ مِنْ تَرْكِ الْمُسْتَحَبِّ ثُبُوتُ الْكَرَاهَةِ اِذَا بُدِّلَ مِنْ دَلِيلٍ خَاصٍ

”ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔“

شامی جلد اول بحث مکروہات الصلوٰۃ بیان المستحب والمندوب میں ہے۔

تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ اَنْ يَكُوْنَ مَكْرُوْهَا اِلَّا بِنَهْيٍ خَاصٍ لِاَنَّ الْكَرَاهَةَ حُكْمٌ شَرْعِيٌّ فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ دَلِيلٍ خَاصٍ

”مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو جائے بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔“

آپ تو اذان قبر کو حرام فرماتے ہیں۔ فقہا بغیر خاص ممانعت کے کسی شئی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔

اگر کہا جاوے کہ شامی نے اذان قبر کو قیل سے بیان کیا اور قیل ضعف کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ فقہ میں قیل ضعف کے لئے لازم نہیں شامی

کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے۔ **فَتَعْبِيرُ الْمُصْنِفِ بِقِيلٍ لَيْسَ يَلْزَمُ الضَّعْفَ** اسی طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر منع الجنازہ

کے لئے فرمایا **قِيلَ تَحْرِيمًا وَقِيلَ تَنْزِيْهَا** دیکھو یہاں دو قول تھے اور دونوں قیل سے نقل کئے۔

عالمگیری کی کتاب الوقت بحث مسجد میں ہے **وَقِيلَ هُوَ مَسْجِدًا أَبَدًا وَهُوَ الْأَصْحٰ** یہاں صحیح قول قیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قیل دلیل ضعف نہیں۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا نہ کہ جائز کہنا کیونکہ جائز کہنا یہ سنت ہی کا قول ہے ہم بھی اذان قبر سنت نہیں کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں۔

اعتراض ۳ فقہا فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذان قبر فاتحہ کے علاوہ ہے لہذا احرام ہے چنانچہ بحر الرائق میں ہے۔

وَيُكْرَهُ عِنْدَ الْقَبْرِ كُلُّ مَا لَمْ يُعْهَدْ مِنَ السَّنَةِ وَالْمَهْوُودُ مِنْهَا لَيْسَ إِلَّا زِيَارَتُهَا وَالِدَعَاءُ عِنْدَهَا قَائِمًا
شامی کتاب الجنائز میں ہے۔

لَا يَسُنُّ الْأَذَانُ عِنْدَ ادْخَالِ الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ الْآنَ وَقَدْ صَرَّحَ ابْنُ حَبَّيْرٍ بِأَنَّهُ بِدْعَةٌ
وَقَالَ مَنْ ظَنَّ أَنَّهُ سُنَّةٌ فَلَمْ يُصِيبْ

یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ آجکل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا۔

درالحجرات میں ہے۔ **مِنَ الْبِدْعِ الَّتِي شَاعَتْ فِي بِلَادِ الْهِنْدِ الْأَذَانُ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ الدَّهْنِ**
”جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں۔ ان میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔“

توضیح شرح تنقیح میں محمود علی رحمتہ فرماتے ہیں **الْأَذَانُ عَلَى الْقَبْرِ لَيْسَ بِشَيْءٍ** قبر پر اذان دینا کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مائتہ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

جواب بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا یا سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے تو پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن تلقین کرنا جس کو فتاویٰ رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے۔ بس مردے کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیے اور زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع ہیں۔ وہ ہی عبارت بحر الرائق کا مقصود ہے ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سبزہ یا پھول ڈالنا یا بالافاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور بحر الرائق میں فرما رہے ہیں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے، مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبور کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔ ”و بعد وقت کہ طواف کند و در آن تکبیر بخواند و اذان را از راست کند و بعدہ طرف پایاں رخسار نہد۔“ یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کہے اور ادائی طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ الایمان صفحہ ۶ پر دیئے ہیں۔ یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم و تقرب کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جس کی ممانعت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی شخص اس کے ارد گرد پھرنا واسطے پیدا کرنے مناسبت وحی کے صاحب قبر کیساتھ اور لینے فیوض کے اس کے نظیر حضرت جابر کے قصے میں وارد ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے والد مقررہ ہو کر وفات پا گئے۔ اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ باغ میں تشریف لا کر رعایت کروا دیجئے حضور علیہ السلام باغ میں رونق افروز ہوئے اور چھو ہاروں کے انبار لگوا کر بڑے انبار کے گرد تین بار پھرے۔ **طَافَ حَوْلَ اعْظَمِهَا بَيْدَارًا** یہ حضور کا یہ پھرنا کوئی طواف نہ تھا۔ بلکہ اس میں اثر پہنچانے کیلئے اس کی چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف القبور کے عمل میں ہے۔ کیسے اگر اذان قبر اس لئے منع ہے کہ قبر بجز زیارت و دعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے؟ لہذا بحر الرائق کی ظاہری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ پر لطف بات یہ ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لئے وہاں جانا اور طواف کرنا، قبر پر رخسار رکھنا جائز ہے اسی کو تقویۃ الایمان میں شرک کہا ہے۔ شامی و توضیح وغیرہ کی عبارتوں کا جواب سوال نمبر ۱ کے ماتحت گذر گیا کہ اس میں سنیت کا انکار ہے نہ کہ جواز کا توضیح کا فرمانا **لَيْسَ بِشَيْءٍ** اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے اور اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے جو فقہاء اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بلا دلیل کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسحاق صاحب دیوبندیوں کے پیرو ہیں ان کا قول حجت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ ورنہ قرآن کے سپہا رے اور اعراب اور بخاری بھی مکروہ ہو گئی۔ کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔

درختار باب الصلوة العیدین مطلب فی تکبیرات شریعت میں ہے۔ وَفُتِحَ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَتِهِ فِي غَيْرِهَا بِالْوَاقِفِينَ لَيْسَ بِشَيْءٍ اِى کے ماتحت ثامی میں ہے۔ وَهُوَ لَكِرَةٌ فِي مَوْجِعِ النَّفْسِ فَتَعْمُ أَنْوَاعُ الْعِبَادَةِ مِنْ فَرَضٍ وَوَاجِبٍ وَ مُسْتَحَبٍّ فَتَقِيَّتُ الْإِبَاحَةِ قَبْلَ يُسْتَحَبَّ ہدایہ کے حاشیہ میں لیس بھی کے ماتحت فرماتے ہیں اِى لَيْسَ بِشَيْءٍ يَتَعَلَّقُ بِهِ الثَّوَابُ وَهُوَ يَصْدُقُ الْإِبَاحَةُ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ لیس بھی مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔

اعتراض اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے فتن کے وقت کوئی نماز ہو رہی ہے۔ جس کی اطلاع دینا منظور ہے چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

جواب یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کہنی چاہئے آخر پچھ کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کوئی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب دواذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کے لئے بیدار کرنے کو دوسری نماز فجر کے لئے۔

لطیفہ کاٹھیا وار میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یوپی میں رواج ہے کہ بعد نماز عید مصافحہ (گلے ملنا) کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ مصافحہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہئے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت کیوں ہوتا ہے یہ مصافحہ اور مصافحہ بدعت ہے لہذا احرام ہے ہم نے عرض کیا کہ مصافحہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اسکا باندھا مصافحہ والمصافحہ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مصافحہ فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ مصافحہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لئے اظہار خوشی میں مصافحہ کرتے ہیں۔

نیز درختار جلد پنجم باب انکریہ باب الاستبراء میں ہے۔ اِى كَمَا تَجَوُّزُ الْمُصَافَحَةِ وَلَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقَوْلُهُمْ اِنَّهُ بِدْعَةٌ اِى مَبَاحَةٌ حَسَنَةٌ كَمَا اَفَادَهُ النَّوَوِيُّ فِي اَذْكَارِهِ

”مصافحہ جائز ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہاء کا فرمانا کہ مصافحہ نماز عصر بدعت ہے یعنی بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا۔“

اسی کے ماتحت ثامی میں فرماتے ہیں۔

اِعْلَمُ اَنَّ الْمُصَافَحَةَ مُسْتَحَبَّةٌ عِنْدَ كُلِّ لِقَاءٍ وَاَمَّا اَعْتَادُهُ النَّاسُ مِنَ الْمُصَافَحَةِ بَعْدَ صَلَوةِ الصُّبْحِ فَلَا اَصْلَ لَهُ فِي الشَّرْعِ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ وَلَكِنْ لَا بَأْسَ بِهِ وَتَقْبِيْذُهُ بِمَا بَعْدَ الصُّبْحِ وَ الْعَصْرِ عَلَى عَادَةِ كَانَتْ فِي زَمَنِهِ وَالْاَفْعَقَبَ الصَّلَوَاتُ كُلُّهَا كَذَا الْك

”ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بناء پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی یہی کہتا رہا کہ مصافحہ مصافحہ ملاقات کے وقت چاہئے ہم نے کہا اچھا بتاؤ۔ اول ملاقات کسے کہتے ہیں؟ بولا غائب ہوئیے بعد جب ملیں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہوئیے دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جسما غائب ہوں۔ دوسرے یہ کہ ولی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر کئی لحاظ سے سب ایک دوسرے سے غائب تھے کہ نہ کسی سے کلام کر سکیں نہ ایک دوسرے کی مدد۔ بلکہ یہ تمام لوگ دنیاوی سے غائب ہیں کہ کھانا، پینا، چلنا پھرنا تمام دنیاوی کام حرام ہیں اور اَلصَّلَوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ کا نقشہ نظر آ رہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ ہیں جب سلام پھیرا۔ اب دنیا میں آگئے تمام دنیاوی کام حلال ہو گئے۔ یہ وقت غائب ہوئیے بعد ملنے کا ہے۔ لہذا مصافحہ سنت ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منطق سے سمجھا دیا اس کو شریعت نے تو ملاقات کا وقت نہیں مانا۔ ہم نے کہا مانا ہے اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں؟ اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہئے کہ سلام میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام کر سکی نہایت کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو اور تنہا نمازی صرف ملائکہ کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے وقت۔ بتاؤ یہ سلام کیسا کیا یہ لوگ کہیں سے آ رہے ہیں یا جا رہے ہیں؟ جا تو نہیں رہے ہیں کہ ابھی دعائیں گے وغیرہ پڑھیں گے بعض لوگ اشراق پڑھ کر انھیں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم بالا کی سیر کر کے آ رہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں لہذا مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے بعد چاہئے۔ ہم نے کہا ہاں اگر ہر نماز کے بعد کرے تب بھی منع نہیں۔ الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہو گئی۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے۔

بحث عرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

ثبوت عرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لئے دولہا اور دلہن کو عرس کہتے ہیں بزرگان دین کی تاریخ وفات کو اس لئے عرس کہتے ہیں کہ مکلفہ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب منکرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں **لَمْ كُنْ مِمَّةِ الْعُرْسِ النَّبِيِّ لَا يَوْ قُظْهُ**، **إِلَّا أَحَبَّ أَهْلُهُ إِلَيْهِ** تو اس دلہن کی طرح سو جا جس کو سائے اس کے پیار کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عرس کہا، اس لئے وہ دن روز عرس کہلایا، یا اس لئے کہ وہ جمال مصطفیٰ ﷺ کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا میں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بھار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہاء سے ہے شامی جلد اول باب زیارت القبر میں ہے۔

وَدَىٰ إِنَّ أَبِي شَيْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأَخَذٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ
 ”ابن ابی شیبہ نے روایت کی کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔“

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ، كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْإِزْبَعَةُ هَكَذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

”حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۴۵ فرماتے ہیں۔ ”دوم آنکہ بحیث اجتماع مردمان کثیر جمع شوق و ختم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم در میان حاضران کنسرای قسم معمول و زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نہ بجا کر کے اس طور کنند پاک نیست بلکہ فائدہ احیاء اموات حاصل میشود“ دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زندوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے زبدۃ الصالح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہ الرحمۃ والرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں، ”اس طعن بنی است بر جمل بہ احوال مطلق علیہ زیر کہ غیر ذرا نفی شرعیہ مقررہ راجح کس فرض نمی داند آراءے تحریر بقیرواد ادا ایساں با ایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است با جماع علماء و تعین روز عرس برائے آن است کہ آن روز ذکر انتقال ایساں می باشد از اداء العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ اس عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است۔“ یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کو فرض نہیں جانتا ہاں صالحین کی قبروں سے برکت لینا اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا اجتماع علماء سے اچھا ہے عرس کا دن اس لئے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں۔ ”اعراس پیرواں برست پیرواں بسماع و صفائی جاری و رز نہ“ پیوں کا عرس پیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد، و اشرف علی صاحبان کے پیرواں حاجی امداد اللہ صاحب اپنے فیصلہ ثبوت مسئلہ میں عرس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں۔ ”فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیروم رشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اور اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماہر حضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عرس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الہدایات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں۔ ”بہت اشیاء میں کہ اول مہاں تھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی

اللہ عزہ کا عرس کرتے رہے، جن کا حزار اقدس احد پہاڑ پر ہے غرض کہ دنیا بھر کے مسلمان علماء و صالحین خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کار بند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانتیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔“ عقل بھی چاہتی ہے کہ عرس بزرگاں عمدہ چیز ہواؤں تو اس لئے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارت قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دوستوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبر میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ہم نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔

اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارت قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جاوے یا کہ جمع ہو کر لب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ جمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیارۃ کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہو یا بغیر معین کے ہر طرح جائز ہے۔ دوم اس لئے کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی، کلمہ طیبہ، درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہیں۔ تیسرے اس لئے کہ ایک پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے اور آپس میں محبت بڑھتی ہے، چوتھے اس لئے کہ طالبان کو جو حیرت انگیز کرنے میں آسانی ہے اور اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء و صوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے حقیقت ہو اس سے بیعت کر لے، آخر حج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقرر میں ہے ہوتے ہیں اس میں بھی گزشتہ فوائد ملحوظ ہیں ہم نے دیوبندی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں نہ وہاں رونق نہ کوئی فاتحہ خواں، نہ ان کو ایصال ثواب، نہ کسی کو ان سے اور نہ کسی سے ان کو فیوض، امور خیر بند کرنے کی یہ برکات ہیں۔

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض ۱ جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو۔ اس کا عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان مرایا بے دین ہو کر مرا، پھر کسی مردے کی ولایت کیونکہ معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں اور جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ، کفن، دفن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، نہ گور و کفن، نہ تقسیم میراث، شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے فقط احتمال محتمل نہیں، اسی طرح جو زندگی میں ولی ہو وہ بعد وفات بھی ولی ہے اگر شخص احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرو شاید مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کرو کہ شاید کافر ہو کر مرا ہو، نیز مشکوٰۃ کتاب الجنازہ باب البشی یا جنازہ میں بروایت مسلم و بخاری ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا **وَجَبَتْ** واجب ہوگئی۔ دوسرا جنازہ گذرا۔ جسکی لوگوں نے برائی کی۔ فرمایا **وَجَبَتْ** واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پہلے کے لئے جنت اور دوسرے کے لئے دوزخ پھر فرمایا **اَنْتُمْ شَهِدَآءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ** تم زمین میں اللہ کے گواہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جائیں، حلال جائیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعث ثواب اور حلال ہے کیونکہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی حدیث نے تصریح فرمائی۔

مَآرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ قرآن فرماتا ہے **وَسَخَّرَ لَکَ جَعَلْنَاکُمْ اُمَّةً وَ سَطًا لِّتُکُوْنُوْا شَہِدَآءَ عَلَی النَّاسِ** ”ہم نے تم کو امت عادلہ بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔“

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ص کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی، کہ فرمایا **وَشَہِدْ شَہِیْدٌ مِّنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ عَلَی مِثْلِهِ** جب صالح مؤمنین کی گواہی سے نبوت ثابت کی جاسکتی ہے تو ولایت بدرجہ اولی ثابت ہو سکتی ہے، اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہو سکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولی ہوگا؟

نوٹ ضروری۔ یہ سوال مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہی جواب دیا تھا جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام کے لئے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی ہو جائے کیونکہ وہاں فرمایا ہے۔ **اَنْتُمْ** ہم اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہم

اس وقت موجود تھے، میں نے کہا اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے **وَفِي رِوَايَةِ الْمُؤْمِنُونَ شَهَادَةُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ**

ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں، اس میں **أَنْتُمْ** نہیں، نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے صیغہ سے آئے **اقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ** وغیرہ اور ہم قرآن کے نزول کے وقت نہ تھے لہذا ہم ان احکام سے بری ہیں یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لئے تھے قرآن حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں، الحمد للہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ نہ آگیا مگر جواب نہ آیا۔

اعتراض ۲ حدیث شریف میں ہے **لَا تَتَخَذُوا قَبْرِىْ عَيْنًا** میری قبر کو عید نہ بناؤ، جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا، میلہ لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلہ ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگتا ہے لہذا حرام ہے۔

جواب یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہے۔ اور حدیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو۔ چنانچہ آیا کہ وہ عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں مکانات کی زینت و آرائشی ہوتی ہے۔ کھیل کود بھی ہوتے ہیں یہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو یا ادب آؤ۔ یہاں آکر شور نہ مچاؤ کھیل کود نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں

اللَّهُمَّ ارْزُقْنَاہُ بعد نماز پنجگانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ مفت مسئلہ میں بحث عرس میں فرماتے ہیں۔ **لَا تَتَخَذُوا قَبْرِىْ عَيْنًا** اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں اور زینت و آرائشی و دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارت و رضا اقدس کے بھی منع ہوتا۔ **وَهَذَا بَاطِلٌ** پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفرادی و اجتماعی دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو شش عید کے سال بھی کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

اعتراض ۳ عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، نایج رنگ ہوتے ہیں، قہو یا گائی جاتی ہے، غرض کہ عرس بزرگان صدا بہا محرمات کا مجموعہ ہے اس لئے یہ حرام ہے۔

جواب اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا۔ بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے، اور حلال حلال، شامی بحث زیارت قبور کتاب الجہانز میں ہے۔

وَلَا تَتْرَكَ لِمَا يَحْصُلُ عِنْدَهَا مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمَقَامِدَ كَاغْتِيْلَاطِ الرَّجُلِ بِالنِّسَاءِ وَغَيْرِهَا لِأَنَّ الْقُرْبَانَ لَا تَتْرَكَ لِمِثْلِ ذَلِكَ بَلْ عَلَى الْإِنْسَانِ فِعْلُهَا وَانْكَارُ الْإِذْعِ قُلْتُ وَيُؤَيِّدُهُ مَا مَرَّ مِنْ عَدَمِ تَرْكِ إِيْبَاعِ الْجَنَازَةِ وَإِنْ كَانَ مَعَهَا نِسَاءٌ "نَالِيحَات"

"زیارت قبور اس لئے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا غلط کیونکہ ان جیسی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارت قبور کرے اور بدعت کو روکے، اسکی تائید گزشتہ مسئلہ کرتا ہے کہ جنازے کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ نوہ کرنے والیاں ہوں۔"

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور کوہ صفا و مروہ پر بھی بت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ، ہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا، آج بازاروں میں ریل کے سفروں اور دنیاوی چیلوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت طواف میں مٹی مزدلفہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے، مگر ان کی وجہ سے اصل شئی کو کوئی منع نہیں کرتا۔ دینی مدارس میں بھی اکثر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں اسی طرح عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے نایج رنگ حرام ہیں، لیکن ان کی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو بلکہ وہاں جا کر ان جیسی ناجائز رسموں کو روکو، لوگوں کو سمجھاؤ، دیکھو جدا بن قیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمانے کہ وہ شام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں۔ مجھے فتہ میں نہ ڈالنے مگر قرآن کریم نے اس عذر کی تردید فرمائی کہ **أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ** اس عذر کو رب نے کفر اور ذریعہ جہنم بتایا، دیکھو تفسیر کبیر و روح البیان یہی عذر آج ویلو بندی محض روکنے کے لئے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صدا بہا حرام نہیں ہوتی ہیں جس سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوالی جو آج کل عام طور پر مروج ہے، جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں ارفاق اور مردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور شخص آواز پر رقص ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہو گائے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے، بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوالی کو اہل کے لئے جائز فرمایا اور نا اہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حادث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمر میں ہے، کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک لونڈی دف بجاری تھی، صدیق اکبر آئے تو وہ بجاتی رہی، عثمان غنی آئے بجاتی رہی مگر جب حضرت فاروق اعظم آئے (رضی اللہ عنہما) جن (تو دف کو اپنے پیچھے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عمر! تم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دف بجانا شیطان کام تھا یا کہ نہیں، اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہم شرکت کیوں کی۔ اور اگر شیطانی کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی؟ جواب وہی ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہوتا رہا، اور فاروق اعظم کے آتے ہیں شیطانی بن گیا بند ہو گیا، اسی لئے صوفیاء کرام نے اس پر چھ شریٹیں لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی، جیسے کہ مجلس طعام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیحدہ علیحدہ ہیں بعض پر اتباع غالب بعض پر جذبہ محبت غالب اس لئے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ کھانے میں شرکت کریں تو ان میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس غوث کی توہین نہیں ہوتی۔

شامی جلد پنجم کتاب الکراہیۃ فصل فی اللیس سے کچھ نقل ہے۔ **اَللّٰهُمَّ لَيْسَتْ بِحَرْمَةٍ لِّعَيْنَيْهَا بَلْ بِقَصْدِ اللّٰهِ مِنْهَا الْاَتْرَى اَنْ ضَرَبَ بِلَاكِ بِعَيْنِهَا اُحْلَ تَارَةً وَحَرَّمَ اُخْرَى وَفِيهِ وَلِيلٌ لِّسَادَاتِنَا الصُّوْفِيَةِ الَّذِيْنَ يَقْضُوْنَ بِسَمَاعِهَا اُمُورًا هُمْ اَعْلَمُ بِهَا فَلَا يَبْزُ الْمُنْعَرِضُ بِالْاِنْكَارِ كَيْ لَا يَحْرُمَ بَرَكَتُهُمْ فَلَانَهُمُ السَّادَّةُ الْاَخْيَارُ** تفسیرات احمدیہ پارہ ۲۱ سورہ لقمان زیر آیات **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي نَفْسَهُ الْحَدِيثِ** میں اس قوالی کی بہت تحقیق فرمائی، آخر فیصلہ یہ فرمایا کہ قوالی اہل کے لئے حلال ہے اور نا اہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں **وَبِهِ نَاخِذُ لَانَا شَهَدْنَا اَنَّهُ نَشَاءُ مِنْ قَوْمٍ كَانُوا عَادِيْنٍ وَمُجْبِيْنَ لِرِسُوْلِ اللّٰهِ وَكَانُوْا مَعْدُوْرِيْنَ لِبَغْيَةِ الْحَاِلِ وَيَسْتَكْبِرُوْنَ السَّمَاعِ لِلْغَنَاءِ وَكَانُوْا يَحْسَبُوْنَ ذٰلِكَ عِبَادَةً اَعْظَمَ وَجِهًا ذَا كَثَرٍ فَيُحِلُّ لَهُمْ خَاصَةً اَنْتَهٰی مُلَخَّصًا**

حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ گفت مسئلہ میں بحث قوالی کے متعلق فرماتے ہیں۔ ”محققین کا قول یہ ہے اگر شرائط جو ازواج ہوں اور عور حاضر مانع مرتفع ہو جاویں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ مولوی رشید احمد صاحب فتاویٰ رشید یہ جلد کتاب الخطر والا باحدہ صفحہ ۶۱ پر فرماتے ہیں، بلا حراز میرزاگ کا سننا جائز ہے، اگر گانے والا اہل فساد نہ ہو اور مضمون راگ کا خلاف شرع نہ ہو اور موافق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں، خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قوالی اہل کے لئے شرائط کے ساتھ جائز ہے اور بلا شرائط اور نا اہل کے لئے حرام ہے، قوالی کی شرائط علامہ شامی نے اسی کتاب الکراہیۃ میں چھ بیان فرمائے ہیں مجلس میں کوئی امر دہے، بے دائمی کا لڑکا نہ ہو اور ساری جماعت اہل کی ہو اس میں کوئی نا اہل نہ ہو قوال کی نیت خاص ہو۔ اجرت لینے کی نہ ہو، لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے نہ جمع ہوں، بغیر غلبہ کے وحد میں کھڑے نہ ہوں، اشعار خلاف شرع نہ ہوں اور قوالی کا اہل ہو ہے کہ اس کو وجد کی حالت میں اگر کوئی تموار مارے تو خبر نہ ہو، بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سرسار روز تک اس کو کھانا نہ دیا جاوے پھر ایک طرف کھانا ہوا دوسری طرف گانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار کرے، ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی عام قوالیاں حلال ہیں یا عام لوگ قوالی سنیں بلکہ ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا وہ اکابر صوفیائے عظام کو محض قوالی کی بنا پر گالیاں دیتے ہیں، اور قوالی کو شل زنا کے حرام کہتے ہیں، اس لئے عرض کرنا پڑا کہ خود قوالی نہ سنو مگر اولیاء اللہ جن سے سماع ثابت ہے اُن کو برائے کہو۔ قوالی ایک دردی دوا ہے جس کو درد ہو وہ پیئے جس کو نہ ہو وہ نہ پیئے، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ نہ این کاری کنم و نہ انکاری کنم۔ ”میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود سنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی بُرائیاں آئیں، لہذا اس کے مقابل خواجہ اجیری و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں ہے سب فاسق تھے معاذ اللہ۔ ان کلمات سے دکھ بچنا۔ مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

اعتراض ۱ اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حلال حرام نہیں بن جاتا، تو تعزیرہ داری بہت سوں کے میلے کھیل تماشے، سنیما تھیٹر وغیرہ سب جائز ہونے، کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جوئے کا کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس ولیمہ میں ناچ رنگ دسترخوان پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبول و دعوت سنت مگر حرام کام کے ملنے سے حرام ہوگئی، اسی طرح عرس بھی ہے مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا۔ ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو، اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا اگر فعل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جس کو غلط کہتے ہیں، تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کر دے گا جیسے کہ پیشاب کپڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا، کپڑے کا جز نہ بنا، پانی کا جز بن گیا، تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، نکاح، سفر، بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں مگر ان کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعزیرہ داری میں اسراف باجے نا جائز ملے اس طرح جز بن کر داخل ہونے کہ کوئی تعزیرہ داری وغیرہ اس سے خال نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیرہ داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کر بلا معلیٰ کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھ لے نہ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے، الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس ان محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے، سر ہند شریف میں مجدد الف چاند صاحب رضی اللہ عنہ کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبداللہ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے ہیں، صرف مجلس وعظ اور تقسیم طعام سیرینی ہوتی ہے، نیز ہر دعوت قبول کرنا سنت نہیں، تا بالغ بچہ کی دعوت، اہل میت کی مریدہ دعوت اغنیاء کو جس کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو اس کی دعوت قبول کرنا جائز ہے، اسی طرح جس ولیمہ میں ناچ و رنگ خاص دسترخوان پر ہو اس کا قبول کرنا منع ہے، بخلاف زیارت قبور کے کہ وہ بہر حال سنت ہے لہذا احرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہے تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہوگی، بہت باریک فرق ہے خیال رکھنا چاہیے۔

بحث زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

عرس بزرگان اور زیارت قبور کے لئے سفر کرنا بھی جائز اور باعث ثواب ہے دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

سفر عرس کے بارے میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے، یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔ جائز کے لئے جائز اور سنت کے لئے سنت ہے۔ فرض کے لئے فرض ہے۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد و تجارت کے لئے سفر سنت ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے کیوں کہ یہ زیارت واجب دوستوں کی ملاقات۔ شادی عقدہ میں اہل قرابت کی شرکت۔ اطباء سے علاج کرانے کے لئے سفر کرنا جائز کیونکہ یہ چیزیں خوب جائز ہیں چوری و کینتی کے لئے سفر حرام۔ کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرض کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرض خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْتِهِ مَهْجًا جَوًّا إِلَى اللَّهِ وَ رَسُولُهُ ثُمَّ يُدِرْ كِهَ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۱۰۰)

”جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لئے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اس کو موت آگئی تو اس کا اجر عند اللہ ثابت ہو گیا۔“

سفر ہجرت ثابت ہوا۔ لَا يَلْفُ قَرِيْشٍ إِلَّا لَفِيْهِمْ رِحْلَتُهُ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ

”اس لئے کہ قریش کو میل دلا یا ان کے جاڑے اور گرمی کے دنوں سفر میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔“

وَإِذَا قَالُ مُوسَىٰ لِقَتْنَهُ لَا أَبْرُحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا (پارہ ۱۵ سورہ ۱۸ آیت ۶۰)

”اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ رہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لئے مکے۔ مشائخ کی ملاقات کیلئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يُنْيُ إِذْ هَبُوا فَتَحَسَّنُوا مِنْ يَوْسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْسُرُوا مِنْ رُوحِ اللَّهِ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۷)

”اے میرے بیٹے جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔“

یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لئے حکم دیا۔ تلاش محبوب کے لئے سفر ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

إِذْ هَبُوا بَقِيَّتِي صِيْ هَذَا فَالْقُوْهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيْرًا (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۹۳)

”میرا میرا کرتے جاؤ۔ میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔“

علاج کے لئے سفر ثابت ہوا۔ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يَوْسُفَ أَوْىٰ إِلَيْهِ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۶۹)

”پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔“

ملاقات فرزند کے لئے سفر ثابت ہوا۔ فرزند یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فَارْسِلْ مَعَنَا أَخَانًا نَّكْتَلُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفَظُونَ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۶۳)

”ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم غلام لائیں گے اور ان کی ضرورت حفاظت کریں گے۔“

روزی حاصل کرنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

إِذْ هَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ”فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔“

تبلیغ کے لئے سفر ثابت ہوا۔ مقلوۃ کتاب العلم میں ہے۔

مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ”جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔“

حدیث میں ہے۔ اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِأَبْصِيْن ”علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ کریم میں ہے۔“

طلب کردن علم شد بر تو فرض و گروا جب است از پیش قطع ارض

”علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اس کے لئے سفر بھی ضروری ہے طلب علم کے لئے سفر ثابت ہوا۔“

گلستان میں ہے۔

برو اندر جہاں تفرج کن! پیش ازان روز گز جہاں بروی

”جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے، سیر کے لئے سفر ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ہے۔“

(پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۱۱)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ

”کفار سے فرما دو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہوا۔“

جب ملکوں پر عذاب الہی آیا ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو حشرات ادویاء کی زیارت کیلئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا یہ حضرات طیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے حشرات پر پہنچنے سے شان الہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دینا پر راج کرتے ہیں اس سے ذوق عبادت پیدا ہوتا ہے ان کے حشرات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے۔

وَهَلْ تُنْذِرُ الرِّحْلَةَ لَهَا كَمَا أُعِيدَ مِنَ الرِّحْلَةِ إِلَى زِيَارَةِ خَلِيلِ الرَّحْمَنِ وَ زِيَارَةِ السَّيِّدِ الْبَدِيِّ لَمْ أَرَمَنْ صَرَخَ بِهِ مِنْ أَلَمَتِنَا وَمَنْعَ مِنْهُ بَعْضُ الْأَيِّمَةِ الشَّافِعِيَّةِ قِيَّاسًا عَلَى مَنْعِ الرِّحْلَةِ بِغَيْرِ الْمَسْجِدِ

الثَّلَاثِ وَرَزَّاهُ الْغَزَالِي يَوْضُوحَ الْفَرْقِ

”اور آیا زیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل ظلیل الرحمن اور سید بدوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کیلئے سفر کرنے کا رواج ہے میں نے اپنے آئمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجد کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے اس منع کی تردید کردی فرق واضح فرمادیا۔“

شامی میں اس جگہ ہے۔

وَأَمَّا الْوَلِيَاءُ فَإِنَّهُمْ مُتَّفَقُونَ فِي الْقُرْبِ إِلَى اللَّهِ وَ نَفْعِ الزَّائِرِينَ بِحَسَبِ مَعَارِفِهِمْ وَأَسْرَارِهِمْ

”لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ و زائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معروف و اسرار کے۔“

مقدمہ و شامی میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقبت میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔

إِنِّي لَا تَبْرُكُ بِأَبَى حَنِيفَةَ وَ أَجْبَى إِلَى قَبْرِهِ فَإِذَا عَرَّضْتَ لِي حَاجَةً صَلَّيْتُ رَكَعَتَيْنِ وَ سَأَلْتُ اللَّهَ عِنْدَ قَبْرِهِ فَتَقْضَى سَرِيعًا

”میں امام ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔“

اس سے چند امور ثابت ہوئے زیارت قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کی قبر کی زیارت کے لئے صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جا کر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روانہ جانا۔ نیز زیارات روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ قادیانی رشیدیہ جلد اول کتاب الخطر والا باحدہ صفحہ ۵۹ میں ہے ”زیارت بزرگان کے لئے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض ناجائز دونوں اہل سنت کے علماء ہیں۔ مسئلہ مختلف ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔“ رشید احمد غفری عنہ

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ اسلئے کہ ہم عرض کر چکے سفر کی حالت و حرمت اس کے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقا ہے۔ **أَلَا فَزَوْهَا** تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ نیز دینی دنیاوی کاروبار کے لئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟

دوسرا باب

سفر عرس پر اعتراضات و جوابات میں

مکھڑا باب المساجد میں ہے۔

اعتراض ۱

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثِ مَسْجِدٍ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا

”تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف کا سفر نہ کیا جاوے۔ مسجد بیت اللہ، مسجد بیت المقدس، اور میری یہ مسجد۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبور بھی ان تینوں کے سوا ہے۔

جواب

اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہذا ان مساجد میں یہ نیت کر کے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے چنانچہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیوں کہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیارتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہونگے۔ آج تجارت کے لئے، علم دین کے لئے، دنیوی کاموں کے لئے صد ہاتھ کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام ٹھہریں گے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے ”و بعضی از علماء گفتند کہ بخشن در مساجد است یعنی در مسجدے دیگر جز این مساجد سفر جائز نہ باشد و اما مواضع دیگر جز مساجد خارج از مضموم اس کلام است۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مضموم سے خارج ہیں۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِي الشَّرْحِ الْمُسْلِمِ لِلنَّوَوِيِّ قَالَ أَبُو مُعْمَدٍ يُحْرَمُ شَدُّ الرِّحَالِ إِلَى غَيْرِ الثَّلَاثَةِ وَهُوَ غَلَطٌ "وَفِي الْأَحْيَاءِ ذَهَبَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ إِلَى الْأَسْتِدْلَالِ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الرِّحْلَةِ لِزِيَارَةِ الْمَشَاهِدِ وَقُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالصُّلَحِينَ وَمَاتَبِينَ إِلَى أَنَّ الْأَمْرَ لَيْسَ كَذَلِكَ بَلِ الزِّيَارَةُ مَأْمُورٌ "بِهَذَا الْخَبَرِ الْأَفْزُورُوهَا إِنَّمَا وَرَدَتْ عَنْ الشَّدِّ بِغَيْرِ التَّلَفُّتِ مِنَ الْمَسْجِدِ لِمَا لَهَا وَأَمَّا الْمَشَاهِدُ فَلَا تُسَاوَى بَلْ يَرَكَّزُ يَارْتَهَا عَلَى قَدْرِ دَرَجَاتِهِمْ عِنْدَ اللَّهِ هَلْ يَمْنَعُ ذَلِكَ الْقَابِلُ عَنْ شَدِّ الرِّحَالِ بِقُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ كِبَائِهِمْ وَمُوسَى وَيَحْيَى وَالْمَنْعُ مِنْ ذَلِكَ فِي غَايَةِ الْأَخَالَةِ وَالْأَوَّلِيَاءِ فِي مَعْنَاهُمْ فَلَا عَبْدَانِ يُكُونُ ذَلِكَ مِنْ أَغْرَاضِ الرِّحْلَةِ كَمَا أَنَّ زِيَارَةَ الْعُلَمَاءِ فِي الْخِيُوفَةِ

”نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سوائے ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء حبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے کہ **الافزور دھا** ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات حبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات اور قدر درجہات ہیں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کرے جیسے حضرت ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ علیہم السلام اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا۔

اسی مشکوٰۃ کتاب الجہاد فی فضاء میں ہے۔

لَا تَرْكَبُ الْبَحْرَ إِلَّا خَاجًا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ غَرِيًّا فَإِنْ تَحَثَّ الْبَحْرُ نَارًا وَقَعَتِ النَّارُ بَحْرًا

”دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا عمرہ کرنے والا کہیے کیا سوائے تینوں کے اوروں کو سفر دیار حرام ہے۔“

غرض کہ حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جاوے گی۔

رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب اولیاء اللہ کی رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی پوری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لئے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑے ہو گئے تو ریل گزر گئی تو سبھی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، نوکری، تجارت وغیرہ کیلئے سفر کیوں کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی الامراض ہے اور وہ تو ہر جگہ ہے آپ دہوا بدلنے کے لئے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو، وہاں کی آب و ہوا تو تدریجی کو مفید ہو۔ لیکن اولیاء کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ ان کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لئے دعا کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے۔ معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

جس درخت کے نیچے بیت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گاہ بنا لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمر کے خلاف ہے۔

جواب یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا، بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تہکرات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے ہاں مبارک تہجد شریف اور قیام اور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔

مسلم جلد دوم کتاب الامارت باب بیان بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوہ الحندیسہ میں ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ اَبِي مَسْنَمٍ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَانْطَقْنَا فِي قَابِلٍ حَاجِبِينَ فُحِصِي عَلَيْنَا مَكَانُهَا.

”میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ حج کے لئے گئے تو۔ تو انکی جگہ ہم پر چھٹی ہوگئی۔“

بخاری میں ہے۔ **فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ نَسِينَا هَا فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهَا**

”پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پانہ نہ سکے۔“

پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصل درخت کٹوا دیا۔

بحث کفن یا الفی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اولاً تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا۔ دوم مردے کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اسکے منکر ہیں۔ لہذا اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا **إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَإَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا** میری قمیص لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ اٹکیا رہے ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آ جائیں۔

مشکوٰۃ باب غسل میت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایات ہے کہ جب ہم نیت بت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم ﷺ کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت لمعات میں ہے۔

هَذَا الْحَدِيثُ أَصْلٌ فِي التَّبَرُّكِ بِالْأَثَرِ الصَّالِحِينَ وَلِبَاسِهِمْ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ مُرِيدِي الْمَشَائِخِ مِنْ لِبَسِ أَقْبَمِهِمْ فِي الْقَبْرِ

”یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور ان کے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔“ اسی حدیث کے ماتحت اھمۃ اللغات شریف میں ہے ”دریں جا استحباب تبرک است لباس صلحہ کسین و آثار ایشان بعد از موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تمہاری ہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخبار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال میں فرماتے ہیں۔“ چوں وقت رحلت قریب تر آئے فرمودند کہ بعض آیات و کلمات کہ مناسب معنی عنود اشعار اور کلمات جو کہ عنود بخش کے مناسب ہوں کسی کا غنڈ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دو یا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں ”شجرہ و درقبر ہاں معمول بزرگان است لیکن ایں رادو طریق است اول اینکه بر سید مردہ و درون کفن یا بالاکفن گذارند ایں طریق رافقہا منع سے کند و طریق دوم ایں است کہ جانت سر مردہ اندرون قبر حاچی بگوارند و درون کاغذ شجرہ را نہند۔“ قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا پیچھے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں حاچی بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل میت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ابی قحیف پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کو نکلوا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب من أخذ الکفن میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور علیہ السلام سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تھی تم نے کیوں مانگ لیا۔ انہوں نے کہا۔

وَاللّٰهُ مَا سَأَلْتُهُ لَأَلْبَسَهَا إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِنَكُونُ كَفَنِي قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ كَفَنَهُ

”اللہ کی قسم میں نے پہنے کے لئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اس کا کفن ہوا۔“

ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور طبری نے مسند القردوس میں سعد بن عبداللہ بن عباس سے روایت کی کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

إِنِّي الْبَسْتُهَا لِنَلْبَسُ مِنْ ثِيَابِ الْجَنَّةِ وَ أَصْطَبَعْتُ مَعَهَا فِي قَبْرِهَا لِأَخَفِّفَ عَنْهَا ضَغْطَةَ الْقَبْرِ

”قمیص تو اس لئے پہنائی کہ ان کو جنت کا لباس ملے اور انکی قبر میں آرام اس لئے فرمایا کہ ان سے ٹھکی قبر دروز ہو۔“

ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الصحابہ میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عینتاً فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے پیچھے رکھ دینا۔

وَحَذَّ ذَلِكَ الشَّعْرَ وَالْأظْفَارَ فَاجْعَلْهُ فِي فَيْمِي وَ عَلَى عَيْنِي وَمَوَاضِعِ السُّجُودِ مِنِّي

”اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو لو۔ اور انگوٹھ میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء و جملہ پر رکھ دینا۔“

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبد الرحمن روای سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منظور ہوتو الحرف الحسن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی عظیم ابن علی نے نو اور الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ كَتَبَ هَذَا الدُّعَاءَ وَجَعَلَهُ بَيْنَ صَدْرِ الْمَيِّتِ وَكَفِّهِ فِي رُقْعَةٍ لَمْ يَنْلُهُ عَذَابُ الْقَبْرِ وَلَا يَزِي مُنْكَرًا وَنَكِيرًا

”جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔“
قنادی کبریٰ المکی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

أَنَّ هَذَا الدُّعَاءَ لَهُ أَصْلٌ وَأَنَّ الْفَقِيهَ ابْنَ عَجِيلٍ كَانَ يَأْمُرُ بِهِ ثُمَّ أَفْنَى بِحَوَازِ كِتَابَتِهِ قِيَاسًا عَلَى كِتَابَةِ اللَّهِ فِي نَعْمِ الزَّكَاةِ.

”اس دعا کی اصل ہے اور فقید ابن عجل اس کا حکم دیتے تھے اور اسکے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔“
وہ دعا یہ ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

الحرف الحسن میں ترمذی سے نقل کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتے اسے مہر لگا کر قیامت کے لئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لاکر نہاد کرے گا کہ عہد دالے کہاں ہیں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ وَعَنْ طَاوُسٍ أَنَّهُ أَمَرَ بِهَذَا الْكَلِمَتِ فَكُتِبَ فِي كَفِّهِ (الحرف الحسن) حضرت طاووس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجہ امام کو روری کتاب استسنان میں ہے۔

ذَكَرَ الْإِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْ كَتَبَ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفِّهِ عَهْدُ نَامِهِ يُرْجَى أَنْ يَغْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمَيِّتِ وَ يَجْعَلَهُ أَمْنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

”امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرما دے اور عذاب قبر سے امن دے۔“
در مختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے۔

كَتَبَ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ أَوْ عِمَامَتِهِ أَوْ كَفِّهِ عَهْدُ نَامِهِ يُرْجَى أَنْ يَغْفَرَ اللَّهُ لِلْمَيِّتِ

”میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے۔“

در مختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے بیٹے یا پیشانی پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ عذاب الہی سے بچ گیا۔ قنادی بزاز یہ میں کتاب الجنایات سے کچھ قبل ہے۔

أَذْكَرُ الْإِمَامِ الصَّفَّارُ لَوْ كَتَبَ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفِّهِ عَهْدُ نَامِهِ يُرْجَى أَنْ يَغْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمَيِّتِ وَ يَجْعَلَهُ أَمْنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ نَصِيرُ هَذِهِ رَوَايَةٌ فِي تَحْوِيلِ ذَلِكُمْ وَقَدْ رَوَى أَنَّهُ

كَانَ مَكْتُوبًا عَلَى أَفْعَافِ أَفْرَاسٍ فِي أَصْطَبِلِ الْفَارُوقِ حُبْسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

”اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے۔ اور مروی ہے کہ فاروق کے اصطلح کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ **حَسَنٌ لِّی سَبِيلُ اللّٰهِ** ان کے علاوہ اور بہت سی روایت فقیر پیش کی جاسکتی ہیں مگر ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لئے الحرف الحسن یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔“

قتل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر بزرگ اس وچھل کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچے جاوے تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جوابِ تکبیرین یاد آنے کی امید ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث **لَقِّنُوا اَمَوْنُکُمْ** میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔ تیسرے اس لئے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت مٹتی ہے۔ جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ گھبرا ہوا دل قرار پاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ** اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔ تفسیر نیشاپوری و روح البیان سورہ کہف ذرا آیت **مَا یَعْلَمُ اِلَّا قَلِیْلٌ** اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے تحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آتے ہیں گئی ہوئی چیز تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت۔ بھاگتے وقت۔ آگے بھگانے کے لئے ایک کانڈ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیجے جاویں۔ اور بھیجتے کے لئے اگر کسی کانڈ پر لکھ کر کھڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کر دی جاوے۔ اور بخار، دوسرے لئے۔ حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدی ران پر لکھ کر باندھے۔ مال کی حفاظت کیلئے۔ دریاں سوار ہوئے وقت اور قتل سے بچنے کے لئے۔ (از الحرف الحسن و تفسیر خزائن العرفان و ممل) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یسلیخا، مکلیخا، ہشلیخا، مرنوش، ورنوش، شاذنوش، مرطوش (روح البیان سورہ کہف آیت **مَا یَعْلَمُ اِلَّا قَلِیْلٌ**) محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کر کے فرمادیتے ہیں **لَوْ قُرِئَتْ هَذِهِ الْاَسْنَادُ عَلٰی مَجْنُوْنٍ لَّبَرَّءٌ مِنْ جُنَّتِهِ** اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے بزرگانِ دین، راویانِ حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحابِ بدر کے ام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔ اور بعد موت بیکار رہوں یہ نہیں ہو سکتا ضرور ان سے فائدہ ہوگا۔ لہذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔

دوسرا باب

کفنی لکھنے پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض ۱ وہی پرانا سبق کہ کفنی (انی) لکھنا بدعت ہے لہذا حرام ہے۔

جواب ہماری گزشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض ۲ کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مردہ اُن پڑھ ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ جہالت اس عالم میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شاہی کتاب الکراہیت) حالانکہ بہت سے جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ نے جیشاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد و پیمان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خوب بخود آ جاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال لکھے ہوئے دیئے جائیں گے۔ اور جاہل و عالم سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہذا تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض ۳ علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التَّشْهَد کے کچھ عرصہ قلیل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیوں کہ جب میت پھولے متھن کی تو اس کے پیچ و خون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔ اور ان کی بے ادبی ہوگی۔ لہذا یہ ناجائز ہے۔ (حاشیائیں عالم طور پر یہی سوال کرتے ہیں)

جواب ناس کے چند جوابات ہیں اذلا تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہد نامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو

جائز۔ اس میں حرفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

لَعَمْرُؤُا نَقُلُ عَنْ بَعْضِ الْمُحَافِظِينَ عَنْ فَوَائِدِ الشَّرْحِ أَنَّ مِمَّا يَكْتَسِبُ عَلَى بَهْجَةِ الْمَنِيِّ بِغَيْرِ مَذَابٍ إِلَّا صَبَحَ الْمُسَبِّحَةِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالْعَلَى الصَّدْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ وَرَسُولُ اللَّهِ وَذَلِكَ بَعْدَ اغْتَسَلٍ قَبْلَ التَّكْفِينِ

”بعض محققین نے فوائد الشرحی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔“

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جو ان نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن ادریس نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں۔ تو کیا احناف کے حکم مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی مہتممیں نہیں پھولتی پھٹتی۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنے تحت جگر زنب بنت رسول اللہ ﷺ کے کفن میں رکھوایا۔ حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیے کیا یہاں خون و پیپ میں اتھڑے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم یہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ کہ تبرک چیزوں کا نجاست میں ذالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آب و حزم نہایت تبرک پانی ہے اس سے استنجاء حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنس خوردہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ بیٹ میں پہنچ کر مٹانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ **حَسْبِيَ سَبِيلُ اللَّهِ**۔ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی ہتھیلیاں پڑنے کا احتمال تو یہ ہے گھوڑے جس زمین پر بھی لوٹے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے حلیں القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر انبیا کے لئے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا۔ صحیح نہیں کیوں کہ کسی مقصد کیلئے ہو حرف تو وہ ہی نیت کے فرق سے حرف کا حکم نہیں بدلتا۔ غرض کہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی ائمہ بک کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت پیش کرو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے انتخاب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول انتخاب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہیت کیوں کہ بلا دلیل ہے۔

اعتراض ۴ عہد نامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آدیا نہیں بر باد ہو جاوے گا اور اسراف حرام ہے۔

جواب چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بیکار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

اعتراض ۵ حضور علیہ السلام نے عبد اللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفن بیکار ہے۔ نیز یہ لگا کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن و لباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جاسکتے ہیں۔ کیوں کہ عبد اللہ ابن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب اس واقعہ سے تو کفن دینے کا ثبوت ہوا کیوں کہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفن ہی پہنائی تھی۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان انجرو قابل پیداوار زمین کو پہنچاتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی انسانی دلوں کو کیوں نہ جائیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے ایک تو اس کا پینا مخلص مومن تھا جس کی دلجوئی منظور تھی، دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے۔ تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی شخص لے لے یا نہ لے۔ بادل ہرز زمین پر برستا ہے مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا۔ کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے قصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔

بحث بلند آواز سے ذکر کرنا

مخواب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر و عشاء بلند آواز میں درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیلہ یہ کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اصول حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہذا یہ حرام ہے ذکر بالجہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہذا اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے **فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرَ اللَّهِ** کا اس طرح ذکر کر دو جس طرح اپنے باپ و داداؤں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ کفار کہ حج سے فارغ ہو کر مجمعوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسی عظمیٰ بیان کرتے تھے اس کو منع فرمایا۔ اور اسکی جگہ ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لئے تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاص کر جماعتوں کے ملنے کے وقت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (پارہ ۹ سورہ ۷۷ آیت ۲۰۴)

”جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔“

معلوم ہوا کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر بالجہر ہی سنا جاسکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیریہ آیات) مشکوٰۃ باب الذکر بعد اصلوۃ میں ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَوةٍ يَقُولُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

”حضور علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ** مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔“

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ق. اَلْ كُنْتُ اَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيرِ

”عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور علیہ السلام کی نماز کا اختتام معلوم کرتا تھا۔“

یعنی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ یوحہ صغریٰ کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز ختم ہوئی۔

لغات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ لَمِيحْضِرَ الْجَمَاعَةَ لِأَنَّهُ كَانَ صَغِيرًا مِمَّنْ لَا يُؤَاطِبُ عَلَى ذَلِكَ

”حضرت ابن عباس بچے تھے اس لئے جماعت پابندی سے نہ آتے تھے۔“

مسلم جلد اول باب الذکر بعد اصلوۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

إِنْ رَفَعَ الصَّوْتُ بِالدُّخْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”یعنی فرأض سے فارغ ہو کر بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مروج تھا۔ مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔“

فَإِنْ ذَكَرْنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ، فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرْنِي فِي مَلَأَةٍ ذَلَرْتُهُ، فِي مَلَأَةٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ

”جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے ہنس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اس سے بہتر مجمع میں اسکا ذکر فرماتے ہیں (یعنی مجمع ملائکہ میں) جامع صغیر میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرُوا فِي الْجَنَازَةِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** زیادہ کہا کرو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ رسالہ از کار مطبوعہ دہلی معصوم شیخ محمد تھانوی مولوی رشید احمد صاحب کے استاد حدیث صفحہ ۷۹ میں ہے

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْهَرُ مَعَ الصَّاحِبَةِ بِالْأَذْكَارِ وَ التَّهْلِيلِ وَ التَّسْبِيحِ بَعْدَ الصَّلَاةِ“ حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ تسبیح و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۴ ذریعہ ۲ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہے۔

الدُّكْرُ بِرَفْعِ الصَّوْتِ جَائِزٌ ”بَلْ مُسْتَحَبٌّ“ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ رَبَّنَا لِيُعْتَمَ النَّاسُ بِإِظْهَارِ الدِّينِ وَ وَصُولِ بَرَكَةِ الدُّكْرِ إِلَى السَّامِعِينَ فِي الدُّوْرِ وَ الْبَيُوتِ وَ يُوَافِقُ الدُّكْرُ مَنْ سَمِعَ صَوْتَهُ وَ يَشْهَدُ لَهُ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ رَطْبٍ وَ يَابِسٍ سَمِعَ صَوْتَهُ

”بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ ریاست نہ ہو تاکہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی برکت گھروں میں سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز سننے ذکر میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک و تر ذکر کے ایمان کی گواہی دے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں۔ تفسیر خازن و روح البیان پارہ ۶ میں زیر آیت ایک روایت نقل کی حضور علیہ السلام نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری سے فرمایا کہ آج رات ہم نے جہاد قرأتِ سنائی تم کو تو واؤ دی آواز دی گئی ہے۔ ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔

فَقُلْتُ أَمَّاوُ اللَّهُ لَوْ عَلِمْتُ إِنَّكَ تَسْمَعُ لَحَبْرَتُهُ، خَيْرًا. التَّحْيِيرُ حُسْنُ الصَّوْتِ

”میں نے عرض کیا کہ رب کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے سن رہے ہیں۔ تو میں اور بھی آواز بنا کر پڑھتا۔“ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوں گی۔ اولاً یہ کہ صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی دوسرے یہ کہ ذکر اللہ تلاوت قرآن عبادت الہی ہے اور عین عبادت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تمنا تھی۔

حَمَامَةُ جَرَعِي خَوْمَةُ الْجَنْدِلِ اسْجَعِي فَانْتِ بِمَرَأَى مِنْ سَعَادٍ مُسْمَعِي ا

مختلوفہ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ التلیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے چاٹا صحابہ کرام کا امتحان لینے کے لئے تشریف لے گئے ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرمادیں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق اکبر تو پست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم خوب بلند آواز سے صبح کو ان صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی تو صدیق اکبر نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مَنْ فَا جِئْتُ مِنْهُ، يَا رَسُولَ اللَّهِ یا حبیب اللہ جس کو سنانا منظور تھا اس کو میں نے سنا یا یعنی رب کو، فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اَوْ قَطُّ الْوَسَّانَ وَ اَطَرُ ذَالِ الشَّيْطَانِ سَوْتوں کو جگا رہا تھا۔ شیطان کو بھگا رہا تھا۔ سبحان اللہ عزوجل دونوں جواب مبارک ہیں۔ کسی پر ناراضگی نہ فرمائی۔ بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو۔ اور فاروق تم کچھ پست کرو۔ صلی اللہ علیہ وسلم

مختلوفہ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ﷺ یہ کیا کار ہے فرمایا بَلْ مُنِ ”مُنِيبٌ“ نہیں بلکہ

توبہ کرنا لا مؤمن ہے عالمگیری کتاب انکراوید باب چہارم فی الصلوٰۃ و التبیح و قرءۃ القرآن میں ہے قَاضٍ عِنْدَهُ جَمْعٌ ”عَظِيمٌ“ يَرْقَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّسْبِيحِ وَ التَّهْلِيلِ جُمْلَةً لَا بَأْسَ بِهِ کسی قاضی کے پاس بہت بڑی جماعت ہو اور وہ سب مل کر بلند آواز میں سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔

عالمگیری میں اسی جگہ ہے اَلْأَفْضَلُ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ خَارَجَ الصَّلَاةِ الْجَهْرُ ”نماز کے علاوہ جہر ہے کہ قرآن بلند آواز سے پڑھے۔“

عالمگیری یہی مقام اَمَّا التَّسْبِيحُ وَ التَّهْلِيلُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ وَإِنْ رَفَعَ صَوْتَهُ، سُبْحَانَ اللَّهِ يَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے میں حرج نہیں۔ اگرچہ بلند آواز سے کہے۔ شامی جلد اول مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے۔

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَ خَلْفًا عَلَى اسْتِغْبَابِ ذِكْرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا أَنْ تُشَوِّشَ جَهْرُهُمْ عَلَى

”مقتدین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے نکل کر نامستحب ہے مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی نہ ہو۔“

فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنَّ الْجَهْرَ أَفْضَلُ لِأَنَّهُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَعَمَلًا وَلِتَعْدَى فَإِنَّهُ إِلَى السَّامِعِينَ وَيُوقِظُ قَلْبَ الْغَافِلِينَ فَيَجْمَعُ هُمُ إِلَى الذِّكْرِ وَيَصْرِفُ سَمْعَهُ إِلَيْهِ وَيُنْظِرُ دُتُورَ النَّشَاطِ

”بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل کو بیدار کرتا ہے انکے خیالات اور انکے کانوں کو گھرا لہی کی طرف کھینچتا، نیند کو بھگاتا ہے خوشی بڑھاتا ہے۔“

درمختار باب صلوة العیدین بحث بکبر تشریف میں ہے۔

وَلَا يَمْنَعُ الْعَامَّةَ مِنَ التَّكْبِيرِ فِي الْأَسْوَاقِ فِي الْأَيَّامِ الْحُسْرِ وَبِهِ نَاخُذُ

بقر عید کے دن دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں میں نعرہ بکیر کہنے سے نہ روکوا کی کوہم اختیار کرتے ہیں غالباً اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ بکیر لگاتے ہوں گے یا اگرچہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو اسی عبارت کے ماتحت ثانی میں ہے۔

قِيلَ لَا يَسِي حَنِيفَةً يَنْبَغِي لِأَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهَا أَنْ يَكْبُرُوا أَيَّامَ الْحُسْرِ فِي الْأَسْوَاقِ وَالْمَسْجِدِ قَالَ

الْفَقِيهَةُ أَبُو جَعْفَرٍ وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ تَمْنَعَ الْعَامَّةُ عَنْهُ لِقَلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرِ وَبِهِ نَاخُذُ فَا

فَا ذَاكَ فَعَلَهُ أَوْلَى

”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوہ و غیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں اور مسجدوں میں بکیر کہیں فرمایا ہاں امام ابو جعفر قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ عوام کو اس بکیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پہلے ہی سے کار خیر میں کمر بستہ رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی بکیریں مستحب ہیں۔

کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی کتاب الصلوٰۃ علی التبی میں ہے یُسْتَحَبُّ لِقَارِئِ الْحَدِيثِ وَغَيْرِهِ مِمَّنْ فِي مَعْنَاهُ إِذَا ذَكَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَالتَّسْلِيمِ بِهِ وَقَدْ نَصَّ الْعُلَمَاءُ مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ عَلَى أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالصَّلَاةِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّلْبِيَةِ

یعنی حدیث شریف پڑھنے والوں وغیرہم کو چاہیے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو بلند سے صلوٰۃ و سلام پڑھیں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلند آواز سے درود پڑھے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصار اسی پر کفایت کی جاتی ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب النظم والا باحہ صفحہ ۱۰۴ میں ایک سوال و جواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور درود بالجہر خفیف ہوا شدید جائز ہے یا نہیں؟ الجواب ذکر جہر خواہ کوئی ذکر ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص سے ہے وہاں مکروہ ہے اور صالحین و دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اعتقاد مذہب صاحبین ہے۔

والسلام ۱۶ رجب الثانی ۱۳۱۲

مصروع مدنی لاکھ پوہ بھارے گواہی تیری

اب تو کسی دیوبندی وہابی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے روکے۔ کیونکہ اس کے بلا کرامت جواز پر جہشی ہو چکی ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر باجہر جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لیے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لئے سرودی میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت لینے آنا۔ دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مکتوبہ وغیرہ) اور ذکر بالجہر میں بمقابلہ خفی کے مشقت زیادہ ہے لہذا یہ افضل ہے۔ دوسرے اس لیے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے کہ جہاں تک مؤمن کی آواز جاتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت، پتے، گھاس، جن و انس قیامت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجہر کا فائدہ ڈاکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔

اگر نہ بھی کریں تو بھی سننا ثواب ہے اور لازم سے متعدی اچھا۔ چوتھے اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ آذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ دیگر اذکار سے بھی شیطان بھاگتا ہے اس لئے ذکر بالجہر میں شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اصل نے کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل و سستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں اکثر نیند بھی آ جاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریا کری کے لئے نہ اذکار یا کیلئے ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدس سرہم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں۔

دل میں ہو یا دہی گوشہ تنہائی ہو پھر تو خلوت میں عجیب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے اولیاء ذکر بالجہر میں مشغول رہتے ہیں ان کا اس پر عمل ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تھیں انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

ہر دو حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرے ہیں اور باقی حضرات جلوت میں خلوت مگر اللہ تعالیٰ ان سب سے جنت کا وعدہ فرمایا مگر ان کا یہ اختلاف حلت و حرمت میں نہیں۔ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو حنفی والے جہاد والوں کو طعن کریں نہ جہاد والے حنفی والوں کو یہ ساری گفتگو ان دیوبندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگات ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرمان کے قربان کہ نہ اس کا میکم نہ اٹکا میکم رضی اللہ عنہما۔

دوسرا باب

ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقل اور عقل۔ ہم اولیٰ نقلی اعتراضات میں مع جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض ۱ **وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً وَ ذَوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْعُدُوِّ وَالْاَصَالِ**
 ”اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو وزاری اور ڈر سے اور بغیر آواز لکھے صبح و شام“

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی دل ہی میں چاہئے بلند آواز سے منع ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بالجہر بحالت نماز مراد ہے یعنی انہما کی نمازوں میں قرأت یا مقتدی ہر نماز میں یا احتیاط وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَمَنْ أَمَّ فِي صَلَوةِ الْجَهْرِ يَتَّبِعْ لَهُ، أَنْ لَا يَجْهَرَ جَهْرًا شَدِيدًا بَلْ يَقْتَصِرْ عَلَى قَدْرِ مَا يَسْمَعُهُ، مَنْ خَلْفَهُ، قَالَ فِي الْكُشْفِ لَا يَجْهَرُ فَوْقَ حَاجَةِ النَّاسِ وَالْأَفْهَوُ مُبْسَى

”جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ گنہگار ہوگا۔“

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ **وَالْمُرَادُ مِنْهُ أَنْ يَقَعْ ذَلِكَ الذِّكْرُ حَيْثُ يَكُونُ مَتَوَسِّطًا بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْخَافَةِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَجْهَرُ** یعنی مراد یہ ہے کہ جہر و خفاء کے درمیان ذکر اللہ چاہئے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَّبِعُ بِالدُّكْرِ الْقُرْآنَ فِي الصَّلَوةِ يَرِيدُ أَقْرَبَ سِرًّا فِي نَفْسِكَ

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن ہے۔“

مقصد یہ ہے کہ دل میں قرأت کر دو خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَوَتِكَ وَلَا تُخَافُتُ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا

”اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستان دونوں کے بیچ میں راست ڈھونڈو۔“

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر محض قولی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شامل ہو کہ اس کے بغیر ذکر بیکار ہے خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے **وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِي النَّفْسِ أَنْ**

يُسْتَحْضَرُ فِي قَلْبِهِ عَظْمَةُ الْمَذْكُورِ جَلَّ جَلَالُهُ“ اسی خازن میں ہے وَأِذَا كَانَ الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ عَارِيًا عَنْ ذِكْرِ الْقَلْبِ كَانَ عَدِيمَ الْفَائِدَةِ لِأَنَّ فَائِدَةَ الذِّكْرِ حَضُورُ الْقَلْبِ وَاسْتِشْعَارُهُ عَظْمَةُ الْمَذْكُورِ جَلَّ جَلَالُهُ“ کہا گیا ہے کہ دل میں ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو یعنی جبکہ بانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ تولد کا حاضر کرنا اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دل میں لانا ہے۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہر سے بہتر یعنی یہ امر احتجالی ہے اور احتجاب بھی ہر وقت اور ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لئے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ وَأِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ تودوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی کبھی بالجہر چاہیے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجہر ہو تو خاموشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو اگر جہر میں خوف رہا ہے تو سکوت بہتر۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب پیدا ہو۔ اور سونے والے جاگ جاویں اور تمام چیزیں قیامت کے دن ذکر کے ایمان کی گواہی دیں تو جہر بہت ہے۔ روح البیان میں ہی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَذْكُرُ رَبِّكَ فِي نَفْسِكَ وَهُوَ الذِّكْرُ بَا الْكَلَامِ الْخَفِيِّ فَإِنَّ الْإِخْفَاءَ أَذْخَلَ فِي الْإِخْلَاصِ وَأَقْرَبُ مِنَ الْإِجَابَةِ وَهَذَا الذِّكْرُ يُعْمَ الْأَذْكَارَ كُلَّهَا مِنَ الْقُرْءَةِ وَالِدُعَاءِ وَغَيْرِهَا

”اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کا خلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر تمام ذکروں اور قرأت اور دعاؤں کو شامل ہے۔“ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے، بِأَنَّ الْإِخْفَاءَ أَفْضَلُ حَيْثُ خَافَ الرِّيَاءَ أَوْ نَادَى الْمُصَلُّونَ أَوِ النَّائِمُونَ وَالْجَهْرُ أَفْضَلُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْعَمَلَ فِيهِ أَكْثَرُ وَلِأَنَّ فَائِدَتَهُ تَسْعَدُ إِلَى السَّامِعِينَ وَلِأَنَّهُ يَوْقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ وَيَسْمَعُ هَمُّهُ وَيُصْرِفُ سَمْعَهُ وَإِلَيْهِ

”آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہہ رہا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے علاوہ دیگر مقام میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور اسلئے کہ یہ ذکر کے دل کو پیدا کرتا ہے خیالات کو جمع کرتا ہے اور ذکر کی طرف کانوں کو متوجہ کرتا ہے۔

اعترض ۲ وَأَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

”اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو بیشک حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو نا پسند ہے۔

جواب اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

أَيُّ مُتَضَرِّعِينَ مُتَذَلِّلِينَ مُخَفِّينَ الدُّعَاءَ لِيَكُونَ الْقُرْبُ إِلَى الْجَابَةِ لِيَكُونَ الْخَفَاءُ ذَلِيلَ الْإِخْلَاصِ وَالْإِخْتِرَازِ عَنِ ارْتِيَاءِ ”یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے ہوئے دعا کرو تاکہ قبولیت سے قریب ہو کیونکہ چپکے سے دعا کرنا اخلاص کی اور ریا سے دور ہو سکی دلیل ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہیضہ دعا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔“

تفسیر خازن یہ ہی آیت وَقِيلَ الْمُرَادُ بِهِ حَقِيقَةُ الدُّعَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الدُّعَاءَ هُوَ السَّوَا وَالطَّلَبُ وَهُوَ نَوْعٌ مِنَ الْعِبَادَةِ

تفسیر خازن اسی آیت کے ماتحت ہے وَالْأَرْبُ فِي الدُّعَاءِ أَنْ يَكُونَ خَفِيًّا يَهْدِيهِ الْإِلَهِ قَالَ الْحَسَنُ دَعْوَةُ السِّرِّ وَدَعْوَةُ الْعَلَانِيَةِ سَبْعُونَ ضَعْفًا

”دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے حسن نے فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعا نہیں برابر ہیں۔“

یا مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی ادعوا سے مراد ہر ذکر الہی ہے اور یہ امر احتجالی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَذَهَبُ بَعْضِهِمْ إِلَى أَنْ إِخْفَاءَ الطَّاعَاتِ وَالْعِبَادَاتِ أَفْضَلُ مِنْ إِظْهَارِهَا لِهَذَا لَايَةٌ وَلِكُونِهَا أَبْعَدُ مِنَ الرِّيَاءِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنْ إِظْهَارَهَا أَفْضَلُ لِيَقْتَدِيَ بِهِ الْغَيْرُ فَيَعْمَلُ مِثْلَ عَمَلِهِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنْ إِظْهَارَ الْعِبَادَاتِ الْمَفْرُوضَةِ أَفْضَلُ مِنْ إِخْفَاءِهَا

بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے اور اس لیے کہ یہ ریاء سے زیادہ دور ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اظہار افضل ہے تاکہ دوسرے بھی اس کی پیروی کر کے عبادت کریں اور بعض فرماتے ہیں کہ فرضی عبادات کا اظہار اخفائے بہتر ہے۔

اعتراض ۳ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

”اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے پھر بلند آواز سے پکارنا ہے۔“

جواب اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا ہے جو ذکر بالجہر یہ سمجھ کر کریں کہ خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتائیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر بالجہر تو غافل قلب کو جگانے کے لئے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَسَبَبُ نَزُولِهِ مَا رَوَى أَنْ إِعْرَابِيًّا قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَبُ رَبَّنَا فَتَنَّا بِهِ أَمْ بَعِيدُ فَنَّا دِيهِ فَقَالَ تَعَالَى

”اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا۔“

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا برا ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے موقع پر اتاری جبکہ لوگ نعرہ تکبیر لگانا چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کا مشاہدہ تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پہنچے جاویں کہ کفار کو خبر نہ ہو چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى خَيْبَرَ أَشْرَفَ النَّاسُ عَلَى وَادِفَرَفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِرْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ لَا تَدْعُونِ أَصَمًّا وَلَا غَائِبًا

”جبکہ حضور علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ کسی اونچے جنگل پر چڑھے تو انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نری کر تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو۔“

هَذَا بِإِعْتِبَارِ الْمَشَارِبِ وَالْمَقَامَاتِ وَاللَّاتِقِ بِحَالِ الْغَفْلَاتِ الْجَهْرِ بِقُلْعِ الْخَوَاطِرِ

”یہ موقع اور محل اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے حال کے لائق ذکر بالجہر ہے بڑے خیالات کو دفع کرنے کے لئے۔“

اعتراض ۴ مشکوٰۃ کتاب الاسماء باب الثواب السبع والتحمید میں ہے۔

فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِرْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمًّا وَلَا غَائِبًا إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَيَّ أَخَذَكُمْ مِنْ غَنِيٍّ رَاحِلَةٍ

”یا آواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر نری کر تم نہ تو بہرے کو پکارے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع و بصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جسکو تم پکارتے ہو وہ تم سے بہت بلند تمہاری سواروں کی گردوں کے زیادہ قریب ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث۔

جواب اس کا جواب ضمن سوال نمبر ۲ کے ماتحت گزر چکا ہے یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقع کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمان کا لشکر بغیر اطلاع خیبر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خیبر جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی چونکہ موقع کے خلاف تھا لہذا روک دیا گیا۔ اسی حدیث کی ابتدا اس طرح ہے كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُونَ

الخ ہم ایک سفر میں تھے کہ لوگ با آواز بلند تکبیر کہنے لگے۔ یا یہ کہ مسلمانوں پر آسانی کے لئے بطور مشورہ یہ فرمایا گیا کہ تم سفر کی مشقت میں ہو پھر چیخنے کی مشقت بھی اٹھاتے ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الْجَهْرِ لِلتَّيْسِيرِ وَالْإِفَاقَ لَا يَكُونُ الْجَهْرُ غَيْرَ مَشْرُوعٍ

”اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے ممانعت محض آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے“

اھم العلماء میں اسی حدیث کے ماتحت ہے دریں اشارت است کہ منع از جہر برائے آسانی وزنی است نہ از جہت تا مشروعیّت ذکر بالجہر حق آنست ذکر جہر مشروع است بے سہرگر بعارض ایں را ور رسالہ اول و اثبات نمودیم۔“ اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلا شہر مشروع ہے لیکن کسی وجہ سے اور ہم نے اسکا ثبوت رسالہ اوراد میں دیا ہے۔

عراض ۵ ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَ أَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَخَذًا بِالْأَقْلَ لِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ بَدْعَةٌ

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول لیا کم کو لینے کیلئے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔ اور بدعت میں کمی بہت ہے ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نوں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر نماز فرض کے تکبیر تشریق کہنا چاہئے۔ اور صاحبین کے نزدیک نوں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر۔ اس لیے صرف دو دن تکبیر کہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اسی ہدایہ میں اسی فصل تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَلَأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ خِلَافُ السُّنَّةِ وَالشَّرْعِ وَرَدَّ بِهِ عِنْدَ أَوْجَعَمَاعِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ

”اور اس لیے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے، اور اس کا حکم ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔“

جواب امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوفہ کہ بازاؤں میں نعرہ کی اجازت دی۔ کہیں اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوة العیدین میں عید الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَالْخِلَافُ فِي الْأَفْضَلِيَّةِ أَمَّا الْكُرَاهَةُ فَمُنْتَفِيَةٌ عَنْ الطَّرْقَيْنِ

”یعنی اختلاف محض افضلیت میں ہے۔ لیکن کراہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔“

اسی شامی میں اسی جگہ ہے **التَّكْبِيرُ بِالْجَهْرِ فِي غَيْرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ لَا يُسَنُّ إِلَّا بِأَزَاءِ الْعَدُوِّ أَوْ لِلصُّوَصِ وَقَاسٍ عَلَيْهِ يَنْصَحُهُمُ الْحَرِيقُ وَالْمُخَاوِفُ كُلُّهَا رَأَى الْفُقَهَاءُ نَبِيَّ أَوْ عَلَا شَرْقًا**

”ایام تشریق کے علاوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر سنت نہیں۔ مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگنے اور تمام خوفناک چیزوں کو اور جہتانی نے زیادہ کیا ہے کہ بلندی پر چڑھنے کے وقت۔“

وَرِثَارَ بَابِ الْعِيدِينَ فِي هَذَا لِلْخَوَاصِ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَمْتَنِعُونَ عَنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنْفِيلٍ أَصْلًا

”یہ احکام خواص کیلئے ہیں عام کو نہ تکبیر سے روکو نہ فیل سے۔“

شامی میں اسی بحث میں ہے **لَا فِي الْبَيْتِ أَيْ لَا يُسَنُّ وَلَا فَهُوَ ذِكْرٌ مَشْرُوعٌ** غرض کہ ثابت ہوا کہ ہدایہ کی یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں ہے نہ کہ جائز ہونے میں۔ نیز تکبیر تشریق میں یہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے۔ اور اگر ان آیات و احادیث کی یہ توجہ نہیں نہ کی جاویں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض ذکر اللہ وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ جیسے اذان۔ بقرعید کے موقعہ پر تکبیر تشریق حج میں تلبیہ جملوں کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور قلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احادیث کی وجہ سے قرآنی آیت میں قید لگانا جائز نہیں لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آگیا لہذا جائز ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے۔

عَنْ فَتَاوَى الْقَاضِي أَنَّهُ حَرَامٌ لِمَا حُجَّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ إِخْرَاجُ جَمَاعَةٍ عَنِ الْمَسْجِدِ يُهْلَلُونَ وَيُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهْرًا وَقَالَ لَهُمْ مَا أَرَأَيْكُمْ إِلَّا مُبْتَدِعِينَ شَامِي جلد ص ۷

”قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود صحیح روایت کیساتھ ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔“

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر ذکر اللہ اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود نے ان ذکرین اور درود خوانوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا انہوں نے آج ذکر بالجہر نہ کرنے والوں کو وہابی کہا جاتا ہے۔ یہ ہے انقلاب زمانہ ایمان کفر بن گیا اور کفر ایمان (راہِ سنت) جواب اس کے دو جواب ہیں ایک اثری اور دوسرا تحقیقی جواب اثری تو یہ ہے کہ پھر تم بھی بدعتی ہوئے اور حرام کے مرتکب کیوں کہ تمہارے دینی سیاسی جلسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران نعرہ بکجی اور غلاں صاحب زندہ باد۔ دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ تم ان بالجہر ذکر کروں پرتو سے لگاتے ہوں انہیں روکتے ہو کیا مسجدوں میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے، باقی تمہارے جلسے نعرے سب جائز۔

جواب تحقیقی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاویٰ بزازیہ اور فتاویٰ شامی نے دیا ہے، جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر پوری عبارت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبارت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔

وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ فَجَائِزٌ كَمَا فِي آذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَالْجُمُعَةِ وَالْحَجِّ وَقَدْ حُرِّزَتِ الْمَسْجِدَةُ فِي الْخَيْرِيَّةِ وَحُمِلَ مَا فِي فَتَاوَى الْقَاضِي عَلَى جَهْرِ الْمُنْصَرِّ

”بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ جمعہ اور حج میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ فتاویٰ خیر یہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو فتاویٰ قاضی میں ہے اس سے مراد نقصان وہ جہر ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود نے ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اذان کے وقت جبکہ لوگ نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے، یہ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا کیا کوئی اور دینی ضرورت تھا۔ خلاصہ یہ کہ نقصان وہ جہر ممنوع ہے۔ اب ذرا فتاویٰ بزازیہ کو بھی دیکھ لو اسی حدیث ابن مسعود کو نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاویٰ میں تو یہ ہے کہ ذکر بالجہر سے کسی کو نہ روکا اگرچہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تا کہ اسی آیت کے خلاف نہ ہو جاوے مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا حَضْرَتِ ابْنِ مَسْعُودٍ كَمَا فِي عَمَلِ تَمْبَارِ سَانَ فَتَاوَى كَيْ خَلَفَ هَذَا اس کے جواب میں عبارت فرماتے ہیں۔ جس میں یہ بھی ہے۔

الْإِخْرَاجُ عَنِ الْمَسْجِدِ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ لِإِعْتِقَادِهِمْ الْعِبَادَةَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ النَّاسُ بِأَنَّهُ بِذَعَةٍ وَالْفِعْلُ جَائِزٌ وَالْجَائِزُ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ غَيْرَ جَائِزٍ لِعَرَضِ يَلْحَقُهُ

”آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لئے کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہر بھی عبادت ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے اور جائز کا کبھی کسی عارضی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے۔“

اسی فتاویٰ میں اسی جگہ ہے۔ وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ فَجَائِزٌ كَمَا فِي آذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَالْحَجِّ۔ مخالفین کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اولاً تو یہ کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخا کیوں؟ جواب اذان وغیرہ زور سے دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ درود صَلَّی اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ حدیث سے ثابت نہیں لہذا ناجائز ہے۔ جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ درود اعتدال میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب کتاب شان حبیب الرحمن میں ملاحظہ کرو۔ تیسرے یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نماز یوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے ہیں۔ لہذا ناجائز ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر بالجہر بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع و نہ جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ جب جائز ہونا چاہئے دوسرے یہ کہ یہاں وہاں میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ وقف کر کے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے۔ اور اس وقت سب لوگ نماز

سے فارغ ہو چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر و عشاء چیخ کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ بقرعید کے زمانے میں جماعت فرض کے بعد فوراً ہی سب لوگ با آواز بلند تین بار تکبیر تشریق کہتے ہیں۔ کہیے ان ذکر و نمازی کا دھیان بٹتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہو گئے اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرنا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہذا اے نمازیو! اے قرآن یاد کرنے والو! واعظو تم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرق ہیں۔ مگر معطلہ میں صرف جماعت اولی کیلئے طواف بند ہوگا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا۔ اور طواف میں دعاؤں کا اسقدر شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنا نہیں دیتی۔ کہیے وہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں کے خلل کی وجہ سے طواف بند کراؤ گے۔

بحث اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ گیارہویں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لئے کچھ عرصہ پہلے بکرے اور مرغے وغیرہ پالتے ہیں۔ اور ان کو فریہ کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر ان کو **بِسْمِ اللّٰہ** پڑھ کر کے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء و صلحاء کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانور اس کی نیت سے بالا کیا گیا ہے۔ اس لئے کہہ دیتے ہیں۔ گیارہویں کا بکرا یہ غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے۔ جیسے کہ ولیمہ کا جانور مگر حق الثمن اس کام کو حرام اس گوشت کو مردار۔ اور فاعل کو مرد و مشرک کہتے ہیں۔ اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو حرام ہے خیال رہے کہ اس حلت و حرمت میں ذبح کرنا لے کا اعتبار رہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان کا جانور مشرک نے ذبح کر دیا مردار ہو گیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کر دیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبح کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے چھپے زندگی میں جانور بت کے نام کا تھا مگر ذبح خدا کے نام پر ہوا حلال ہے اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا۔ مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مردار اسی کو قرآن نے فرمایا۔ **وَمَا أَهْلٌ بِهِ لَبِغٍ لِلّٰہ** وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا یہاں پکارنے سے مراد بوقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

أَيُّ رُفِعَ الصَّوْتُ لِبَغِيْرِ اللّٰہِ بِهِ كَقَوْلِهِمْ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ عِنْدَ ذَبْحِهِ

”یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اللات و العزى“

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ **بَأَنَّ ذُبِحَ عَلَىٰ اسْمِ غَيْرِهِ** اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي مَا ذُكِرَ عَلَىٰ ذَبْحِهِ غَيْرُ اسْمِ اللّٰہِ وَذَلِكَ أَنَّ الْعَرَبَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يَذْكُرُونَ أَسْمَاءَ أَصْنَامِهِمْ عِنْدَ الذَّبْحِ فَحَرَّمَ اللّٰہُ ذَلِكَ بِهِذِهِ الْآيَةِ وَبَقَوْلِهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَيْهِ.

”یعنی وہ جانور حرام ہے جس کے ذبح پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اس کو اس آیت سے اور آیت **وَلَا تَأْكُلُوا** سے حرام فرمایا۔“

تفسیر کبیریہ ہی آیت **وَكَانُوا يَقُولُونَ عِنْدَ الذَّبْحِ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ فَحَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالَىٰ ذَلِكَ**

”اہل عرب ذبح کے وقت کہتے تھے۔ بسم اللات و العزى اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا۔“

تفسیر احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعْنَاهُ مَا ذُبِحَ بِهِ لِاسْمِ غَيْرِ اللّٰہِ مِثْلَ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ وَأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ

”آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وہ ہے بتوں کیلئے ذبح کیا جاتا تھا۔“

تفسیر مدارک میں اسی کے ماتحت ہے۔ **أَيُّ ذُبِحَ لِلْأَصْنَامِ فَلْذِكْرَ عَلَيْهِ غَيْرُ اسْمِ اللّٰہِ أَيْ رُفِعَ بِهِ الصَّوْتُ لِلصَّنَمِ**

وَذَلِكَ قَوْلُ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ

”یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کیلئے ذبح کیا جاوے پس اس پر غیر اللہ کا نام لیا جاوے یعنی اس پر بت کی آواز دی گئی ہو۔ اور یہ جاہلیت والوں کا یہ کہنا تھا کہ اللات و العزى“

تفسیر باب الاول میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ **يَعْنِي مَا ذُبِحَ لِأَصْنَامٍ وَالطَّوَاعِيْبِ وَأَصْلُ الْإِهْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ وَذَلِكَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَرْفَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ بِذِكْرِ إِلَهِتِهِمْ إِذَا ذَبَحُوا** تفسیر علامہ ابو سعید میں ہے **أَيُّ رَفْعٍ بِهِ الصَّوْتُ عِنْدَ ذُبْحِهِ لِلصَّنَمِ** تفسیر حسینی میں اسی آیت کے ماتحت ہے، وہ آنچہ آواز برادر وہ شود بغیر اللہ از برائے غیر خدا بدیاں در وقت ذبح آں یعنی بنام بتان بکشد۔ ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت **مَا أَهْلٌ بِهِ لِيَغْيِرَ اللَّهُ** سے مراد ہے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا۔ لہذا جانور کی زندگی میں کسی نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہاء کی عبارات بھی پیش کرتے ہیں۔ تفسیر اسحاق احمدیہ میں اسی آیت **وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِيَغْيِرَ اللَّهُ** کے ماتحت ہے۔

وَمِنْ هُنَا عَلِمَ أَنَّ الْبَقْرَةَ الْمَنْذُورَةَ لِلْأَوْلِيَاءِ كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِي زَمَانِنَا حَلَالٌ طَيِّبٌ لِأَنَّهُ لَمْ يُذَكَّرِ اسْمُ غَيْرِ اللَّهِ وَفَتْ الذَّبْحُ وَإِنْ كَانُوا يُنْذِرُونَهَا "اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء کے لیے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں۔"

اس میں تو گیارہویں شریف کے بکرے کا خاص فیصلہ فرمادیا نام لیکر اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ بزرگ ہیں جو کہ عرب و عجم کے علماء کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے ہیں۔ شامی باب الذبح میں ہے۔

إِعْلَمَ أَنَّ الْمَذَارَ عَلَى الْقَصْدِ عِنْدَ ابْتِدَاءِ الذَّبْحِ "جاننا چاہئے کہ جلت و حرمت کا دار و مدار ذبح کے وقت نیت کا ہے۔" صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں۔ عاصیری باب الذبح میں ہے۔

مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاةَ الْمَجُوسِيِّ لَيَبِتْ نَارِهِمْ (أَوْ بِكَافِرٍ لَا إِلَهِيَّهِمْ تَوَكَّلْ لِأَنَّهُ سَمَى اللَّهَ تَعَالَى وَيُكْرَهُ لِلْمُسْلِمِ كَذَابُ السَّارِ خَائِنَةٍ نَاقِلًا عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوَى) "مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری جو ان کے آئندہ کے لئے یا کافر کی ان بتوں کیلئے تھی۔ ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کیلئے مکروہ ہے۔ اسی طرح تارخانیہ میں جامع الفتاویٰ سے نقل کیا۔"

دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبح بھی کرتا یہ بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے، گویا مالک کا پالنا اور ذبح کرنا دونوں قاسد مگر چونکہ بوقت ذبح مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہے۔ لہذا حلال ہے۔ کہیئے گیارہویں میلاد کا بکرا اس بت پرست کے بکرے سے بھی گیا گذرا ہے؟ کہ وہ تو حلال مگر یہ حرام۔ الحمد للہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیارہویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعصی ثواب۔

دوسرا باب

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعراضات و جوابات

اعتراض ۱ اس آیت **مَا أَهْلٌ بِهِ لِيَغْيِرَ اللَّهُ** میں کلمہ **أَهْلٌ** اہلال سے مشتق ہے اور اہلال کے معنی لغت میں ذبح کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارنے کے ہیں۔ لہذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت ذبح وہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ متہ وکی گائے اگرچہ خدا کے نام پر ذبح ہو حرام ہے۔

نوت یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت فرما گئے۔

جواب اہلال کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عرفی معنی ہیں بوقت ذبح پکارنا۔ اور یہ عرفی معنی ہی اس جگہ مراد ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عرفی معنی ہیں نماز تو **اقِيمُوا الصَّلَاةَ** سے نماز فرض ہوئی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت مائل کے ماتحت ہے۔

الْإِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ هَذَا مَعْنَى الْإِهْلَالِ فِي اللَّغَةِ ثُمَّ قِيلَ لِلْمُحَرَّمِ

"الخ اہلال کے معنی ہیں بلند آواز کرنا (پکارنا) یہ معنی لغوی ہیں مگر عمر کو کہا گیا الخ"

اسی طرح حاشیہ بیضاوی اللہ باری میں اسی آیت مائل کے ماتحت ہے۔

أَيُّ رَفَعَ بِهِ الصَّوْتُ الْخَ هَذَا أَصْلُهُ، ثُمَّ جُعِلَ عِبَارَةً عَمَّا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللَّهِ

”یعنی اسکو پکارا گیا ہو یہ اہلال کے لغوی معنی ہیں پھر اس اہل سے مراد لی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے“

اگر یہاں اہلال کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہوں گی۔ اولاً یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہوگی۔ مفسرین کے اقوال تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام وغیرہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے **أَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَمَا أَهْلُ الْآيَةِ قَالَ ذَبَحَ وَأَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا أَهْلٌ يَعْنِي مَا أَهْلٌ لِلطَّوَاغِ يُتِ وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَمَا أَهْلٌ قَالَ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللَّهِ وَأَخْرَجَ ابْنُ حَاتِمٍ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ وَمَا أَهْلٌ يَقُولُ مَا ذُكِرَ عَلَيْهِ اسْمُ غَيْرِ اللَّهِ** تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے **قَالَ الرَّبِيعُ ابْنُ أَنَسٍ يَعْنِي مَا ذُكِرَ عِنْدَ ذَبْحِهِ اسْمُ غَيْرِ اللَّهِ** معلوم ہوا کہ اس قدر صحابہ کرام و تابعین کا یہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

جواب دوم یہ ہے تمہارے بتائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

”اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں مقرر کئے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔“

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے، جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا۔

كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوبَ الشَّيْطَانِ

”کھاؤ اسکو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطانوں کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔“

تفسیر فتح البیان میں ذی آیت **مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ** اور نووی شرح مسلم کتاب الجنۃ ونعيمہا باب الصفۃ اللّٰہی **يَعْرِفُ بِهَا إِلَى الدُّنْيَا أَهْلُ الْجَنَّةِ** صفحہ ۲۸۵ میں ہے۔

الْمُرَادُ انْكَارُ مَا حَرَّمَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ مِنَ السَّائِبَةِ وَالْبَحِيرَةِ وَالْحَامِ وَإِنْهَا لَمْ تُصَرَّ حَرَامًا بِتَخَرُّبِهِ ”یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بحیرہ وغیرہ کہ یہ جانور ان کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جو سائبہ و بندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا اگر مسلمان بِسْمِ اللّٰہ کہہ کر ذبح کر لے تو حلال ہے ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْتُ حَجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بَزْغِمِهِمْ** اور کفار یوں کہ یہ جانور اور کھیتی روکی ہوئی ہے۔ اس کو وہ ہی کھائے۔ جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال ہیں۔ نیز فرماتا ہے۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذِكْبِورِنَا وَمَحْرُومٌ عَلَيْنَا أَزْوَاجَنَا کفار یوں کہ جانوروں کے شکم میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر یہ حرام وہی کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقت تھے اور کفار کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی تردید فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فاتحہ کی نیت سے پالے ہوئے جانور کیوں حرام ہو گئے؟ تیسرے یہ کہ **أَهْلٌ** کے یہ معنی فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں ہم اس بحث کے پہلے باب میں

عائگیری عبارت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے بت یا آگ کے چڑھاوے کیلئے جانور مسلمان سے ذبح کرایا۔ مسلمان بِسْمِ اللّٰہ سے ذبح کیا وہ حلال ہے۔ اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کر دی گئی کہ اولیاء اللہ کے نذر پالا ہوا جانور حلال ہے چوتھے یہ کہ یہ معنی عقل کے بھٹلاف ہیں اس لئے کہ جب اہل کے لغوی معنی مراد ہوئے یعنی جانور پر اسکی زندگی میں یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا جانور کو

حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جائیں۔ کیوں کہ قرآن میں آتا۔

مَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ اور ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے ”ما“ میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا یا کسی اور

نبی سے بہر حال حرمت آتی چاہے تو زید کا بکر، عمر کی بھینس، زید کے آدم، بکر کے باغ کے پھل، فلاں کی بیوی، ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرّہ، امام بخاری کی کتاب سب ہی نہیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام، اور بخاری ترمذی تو خاص شرک ہوا۔ کہ انکی نسبت بخار اور ترمذی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں، جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلائی، سب کو حرام رہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا، اور فلاں کی زوجہ کی گئی جب فلاں کو حلال ہوئی، کبھی غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدر آباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا دکنی لکھا ہوا قرآن شریف تھا مگر یہ اس کے دولاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا امیر عبدالرحمن خان کا استعمال شدہ قالین پچاس ہزار روپے میں امریکہ والوں نے خریدا۔ پرانے کتے بھی قیمتی ہوتے ہیں۔ (سراکعلی ہری) غرض کہ اہل کے یہ معنی ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے خلاف۔ انھیں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت کے نام پر پالا بعد میں اس سے غائب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اصل میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا ماحل کی حد میں آ گیا۔ اب ماننا ہی پر کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکار کے پھرتا تو بکرے اللہ کے نام پر ذبح کرتا۔ تو بھی حرام ہوتا۔ چھپے یہ کہ اگر اہل کے معنی لغوی مراد لیے جاویں جب بھی بہ کی وجہ سے پکارنے میں تخصیص ہوگی۔ اس طرح کہ بھلی کے معنی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی ذبح ورنہ پھر بہ سے کیا فائدہ ہوگا۔ بغیر بہ کے بھی معنی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان چل نے آیت **ما اھل بہ** بغیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی ہا کہ جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے بہر حال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

اعتراض ۲ فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو **بِسْمِ اللّٰہ** سے ذبح کیا جاوے مگر ذبح کی نیت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارہویں کرنے والے کی نیت حضور غوث اعظم کو راضی کرنا لہذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح **بِسْمِ اللّٰہ** سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہو گیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۳ میں آتی ہے۔

جواب ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اولاً یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہانا رب کو راضی کرنے کیلئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، حقیقہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادۃ ہے مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے آگے پیچھے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جگہ نہیں۔ دوسرے پٹھری کی چھاری کی آزمائش کے لئے ذبح کرنا یہ نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر **بِسْمِ اللّٰہ** سے ہوا تو جانور حلال ورنہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ویرہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کے لئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کیلئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کیلئے ہے یہ بھی اگر **بِسْمِ اللّٰہ** سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے کے لئے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو۔ جیسے کہ ہندو لوگ، بتوں یا دیوی پر جانور کی بھینٹ چڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خوب دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے وہ جانور اگر **بِسْمِ اللّٰہ** کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کرنا لے کی نیت بھینٹ کی ہو نہ کہ ذبح کرنا لے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا ذَبَحْ عَلَى النُّصَبِ اور حرام ہے، وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں سلیمان چل فرماتے ہیں۔

أَيُّ مَا قُصِدَ بِذَبْحِهِ النُّصَبُ وَلَمْ يُزَكَّرْ اسْمُهَا عِنْدَ ذَبْحِهِ بَلْ قُصِدَ تَعْظِيمُهَا بِذَبْحِهِ فَعَلِيَ بِمَعْنَى اللّٰمِ فَلَيْسَ هَذَا مُكْرَرًا مَعَ مَا سَبَقَ إِذْ ذَاكَ فِيمَا قُصِدَ بِذَبْحِهِ تَعْظِيمُ الصَّنَمِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِهِ
 ”یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے ذبح سے بت مقصود ہوں اور ان کے ذبح کے وقت بت کا نام نہ لیا گیا ہو یا کہ بت کی تعظیم کے لئے کیا گیا ہو۔ پس اطلاق بمقتی لام ہے لہذا یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ وہاں ماحل میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا جاوے اور اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کے ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔“

محسان اللہ کا عمدہ فیصلہ کیا کہ جو بت کے نام پر ذبح ہو وہ تو ماحل میں داخل ہے اور جس ذبح سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ **مَا ذَبَحْ عَلَى النُّصَبِ** میں داخل۔ بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو ماحل سے ثابت کیا ہے بمعنی **مَا ذَبَحْ لَتَعْظِيمِ غَيْرِ اللّٰہ** اسی پر درختاری عبارت ہے غرض کہ جانور کی حرمت میں دو چیزوں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ کو راضی کرنے کے لئے جانور کا خون بہانا یا بس معنی کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو۔ تقرب بغیر اللہ ہے اسی کو فقہاء حرام فرماتے ہیں۔ چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لئے حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کرنا لے کا مقصد وہ ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقراء پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لہذا اس سے گوشت مقصود ہوا۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا۔

کیونکہ دیکھ گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے یا دوسرا جانور کہ تو فاتحہ کر دے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا معلوم ہوا کہ غوث پاک رضی اللہ عنہ کے نام پر خون بہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت والا ہی جان سکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے رہا جانور کا نہ بدلنا۔ اسکی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ ولیمہ کے لئے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تبادلہ گوارا نہیں کرتے۔ بعض لوگ فاتحہ کے لئے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تبادلہ گوارا نہیں کرتے۔ بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا وعدہ ہو گیا اس کو بدلنا جائز نہیں۔ جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے مگر غلط خیال سے ذبح کیوں حرام ہو گیا۔ غرض کہ اہتمام اور ہے بھینٹ اور خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت فاتحہ کے لئے ہو اور فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کیلئے ہو تو حلال ہے۔ کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اسکی عبادت نہیں۔

اعتراض ۳ درختار عالمگیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ۔

ذَبَحَ لِقُدُومِ الْأَمْعِ وَنَحْوِهِ كَوَاحِدٍ مِنَ الْعُظَمَاءِ يُحْرِمُ لَأَنَّهُ أَهْلٌ بِهِ لِبَغْيِ اللَّهِ وَلَوْ ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ
 ”پاشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا۔ تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اگر چاہے اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔“
 اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ **بِسْمِ اللَّهِ** ہی سے ذبح ہو لہذا گیارہویں کا جانور بہر حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لئے ہے اگرچہ ذبح **بِسْمِ اللَّهِ** سے ہو۔

جواب اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو حرام۔ بھینٹ کے معنی بیان کئے جاتے ہیں کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لئے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ درختار کتاب الذبح میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ لِلصُّيْفِ لَا يُحْرَمُ لَأَنَّهُ سُنَّةُ الْخَلِيلِ وَاکْرَامُ الصُّيْفِ إِكْرَامُ اللَّهِ وَالْفَارِقُ إِنَّهُ إِنْ قَدِمَهَا يَأْكُلُ مِنْهَا كَانَ الذَّبْحُ لِلَّهِ وَالْمُنْفَعَةُ لِلصُّيْفِ أَوَّلُ لَوْلِيَمَةٍ أَوْ لِلذَّبْحِ وَإِنْ لَمْ يَقْدِمَهَا يَأْكُلْ مِنْهَا بَلْ يَذْفَعُهَا لِبَغْيِهِ كَانَ لِنَعْتِظِمِ غَيْرَ اللَّهِ فَتَحْرَمُ

”اور اگر ذبح مہمان کیلئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے آگے رکھا تا کہ اس میں کھائے تو یہ ذبح اللہ کیلئے ہوگا اور نفع مہمان کیلئے یا ولیمہ یا تجارت کیلئے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ بوجہ کسی کو دیدیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لئے ہے لہذا حرام ہے۔“

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ درختار میں ہے

وَفِي صَيْدِ الْمُتَنِيَةِ إِنَّهُ يُكْرَهُ، وَلَا يَكْفُرُ لِأَنَّا لَا نُبْسِي الظَّنَّ بِالْمُسْلِمِ أَنَّهُ يَتَقَرَّبُ إِلَى الْأَدَمِيِّ بِهَذَا لِنَحْرِ

”ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے ذبح کا فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے۔ اس کے حاشیہ درختار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۶ زیر آیت

وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِبَغْيِ اللَّهِ مَا يَذْبَحُ عِنْدَ اسْتِقْبَالِ السُّلْطَانِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِ أَفْتَى أَهْلُ الْبُخَارَى بِتَحْرِيمِهِ إِنَّمَا يَذْبَحُونَهُ اسْتِيشَارًا بِقُدُومِهِ فَهُوَ كَذَبْحِ الْعَقِيقَةِ لِوِلَاةِ الْمَوْلُودِ مِثْلُ هَذَا لَا يُوجِبُ التَّحْرِيمَ كَذَا فِي شَرْحِ الْمَشَارِقِ

”یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے اہل بخاری نے اسکی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا حقیقہ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کر دیتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ روان ہوگا کہ پادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے آج کل یہ رسم نہیں تو پادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں تو وہ حرام اور جو اظہار خوشی کے لئے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے

ہے۔ غرضکہ گیارہویں کے جانور کو ذبیحہ قدوم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

اعتراض ۴ گیارہویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہذا

گیارہویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہے۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں ہے۔ **وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ**

عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِمَخْلُوقٍ

جواب اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں نذر عرفی ہے بمعنی ہدیہ و نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لئے ہے اور اس کا تصرف یہ

ہے اور ان میں سے کوئی بھی شرک نہیں۔ اسناد سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ ہدیہ۔

بحث ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَاذْخُلُوا الْبَنَاتِ سُجَّدًا وَقُوا حِطَّةً** ”یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔“ اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرام گاہ ہے اس کی تعظیم اسی طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جائز حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک مقامات پر تو یہ جلد قبول ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافح والمعاقدہ فصل ثانی میں ہے۔

وَعَنْ ذِرَاعٍ وَكَانَ فِيهِ وَلَدٌ عَبْدُ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَا دُرَّ مِنْ رِوَا حِلْنَا فَتَقَبَّلَ يَدْرُسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَلَهُ

”حضرت ذرّاع سے مروی ہے اور یہ وند عبد القیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سوار یوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔“

مشکوٰۃ باب الکباثر وعلامات العفاق میں حضرت صفوان ابن عسال سے روایت ہے

فَقَبَّلَ عَذِيْبَهُ وَرَجَلَهُ ”پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوٰۃ شریف **بَابُ مَا يُقَالُ عَنْهُ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ** بروایت ترمذی وابوداؤد میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَبَّلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ ابْنَ مَطْعُوْنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ ”حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔“

شفا شریف میں ہے **كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَضَعُ عَدَهُ عَلَى الْمِمْبَرِ الَّذِي يَجْلِسُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَضَعُهَا عَلَى وَجْهِهِ**

”جس منبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبد اللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منبر پر رکھتے تھے (چومتے تھے)“ شرح بخاری لابن حجر باوہ ششم صفحہ ۱۵۱ میں ہے۔

اِسْتَبْطَ بَعْضُهُمْ مِّنْ مَّشْرُوعِيَّةٍ تَقْبِيْلُ الْاَزْكَانِ جَوَارِ تَقْبِيْلِ كُلِّ مَنْ يَسْتَحِقُّ الْعِظَمَةَ مِنَ اَدْمِيٍّ وَغَيْرِهِ نَقَلَ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ اَنَّهُ سِعِلَ عَنْ تَقْبِيْلِ مَنْبَرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَقْبِيْلِ قَبْرِهِ قَالَ فَلَمْ يُرَبِّهِ بَأْسًا وَنُقِلَ عَنْ ابْنِ اَبِي الصَّنْفِ الْيَمَانِي اَحَدِ عُلَمَاءِ مِلَّةٍ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ جَوَارَ تَقْبِيْلِ الْمُصْحَفِ وَاَجْزَاءِ الْحَدِيْثِ وَقُبُوْرِ الصَّالِحِيْنَ مُلَخَّصًا

”اگر ان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر یا قبر انور پر چومنا کیا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یمانی سے جو کہ کہہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبر چومنا جائز ہیں۔“

توضیح میں علامہ جلال الدین سیوطی قدسی سرہ فرماتے ہیں۔

يَسْتَبْطُ بَعْضُ الْعَارِفِيْنَ مِنْ تَقْبِيْلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَقْبِيْلَ قُبُوْرِ الصَّالِحِيْنَ

”حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔“

ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس، طعین، بال غرض کہ سارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے، بلکہ بزرگان دین کے بال و لباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے لڑائی وغیرہ مضامین میں امداد حاصل کرنا۔

قرآن کریم میں ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طاوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آدیا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو جیتنے ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں محرز موسیٰ اور محرز ہارون کے ترک کی کاٹھائے ہوں گے اس کے فرشتے اس آیت کی تفسیر ہیں تفسیر خازن روح البیان و تفسیر مدارک اور جلالین وغیرہ نے لکھا ہے، کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں) ان کے مکانات شریفہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ان کے کپڑے اور آپ کے طفلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصاء اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لئے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا۔ ان کی عظمت کرنا طریقہ انبیاء ہے۔ تفسیر خازن و مدارک روح البیان و کبیر سورہ یوسف پارہ ۱۲ آیت **فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ** کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو ان کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تعویذ بنا کر ڈال دی تاکہ محفوظ رہیں۔ سارے پانی نے پیدا کیے ہیں۔ مگر آب زمزم کی تعظیم اس لئے ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا۔ مقام ابراہیم پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اس کی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی **لَا أَقْسِمُ بِهَذَا**

الْبَلَدِ وَأَنْتَ حَلٌّ "بِهَذَا الْبَلَدِ" نیز فرمایا **وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ** ایوب علیہ السلام سے فرمایا **أَرْكَضُ بِرَجُلِكَ هَذَا** **مُغْتَسِلٌ بَارِدٌ وَ شَرَابٌ** ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا۔ وہ شفا بنا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفاء ہے۔ مشکوٰۃ شروع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماعیل بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا جبہ (پتھر) شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلائی تھیں اسی مشکوٰۃ کتاب الطعمہ باب الاشراف میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے متکفیز سے منہ مبارک لگا کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کیلئے متکفیزہ کا منہ کات کر رکھ لیا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الاصلوٰۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے وسعہ اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بیچہ (یہودیوں کا عبادت خانہ) ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں کلی فرمادی اور فرمایا کہ اس بیچہ کو توڑ دو اور اس پانی کو وہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنالو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ مشکوٰۃ باب السترہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو حضرت بلال نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضور بلال کی طرف دوڑے۔ جس کو اس غبار شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر ٹی لی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کی استعمال چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب الملوک میں ہے۔

إِنْ قَبْلَ يَدْعَالِيْمٍ أَوْ سُلْطَنٍ عَادِلٍ بِعَلِيْمِهِ وَعَذَلِيْهِ لَأَبَاسٌ بِهِ

"اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چوئے ان کے علم و عدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔"

اسی عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارۃ القبور میں ہے۔

لَأَبَاسٌ بِتَقْبِيْلِ قَبْرِ وَالِدَيْهِ كَذَابِي الْغَرَابِ "اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔"

اسی عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

إِنَّ التَّقْبِيْلَ عَلَى خَمْسَةِ أَرْجِهْ قُلَّةِ الرُّوحَةِ كَقُبْلَةِ الْوَلَدَةِ وَقُبْلَةِ النَّحْيَةِ كَقُبْلَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْضُهُمْ وَقُبْلَةُ الشَّفَقَةِ كَقُبْلَةِ الْوَلَدِ بِوَالِدَيْهِ وَقُبْلَةُ الْمُؤَدَّةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ أَخَاهُ قُبْلَةُ السَّهْوَةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ إِمْرَأَتَهُ وَزَادَ بَعْضُهُمْ وَقُبْلَةُ الْحَبْرِ الْأَسْوَدِ

"بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں۔ شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے۔ دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیادہ کیا دین داری کا بوسہ اور وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔"

در مختار جلد ہفتم کتاب الکراہیت باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَلَا يَأْسُ بِتَقْبِيلِ يَدِ الْعَالِمِ وَالسُّلْطَنِ الْعَادِلِ ”عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں۔

اس جگہ شامی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔

قَالَ ثُمَّ أَدْنَى لَهُ فَقَبَّلَ رَأْسَهُ وَرَجَلَيْهِ وَقَالَ لَوْ تَحُكَّتْ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ يُسْجَدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَقَالَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ

”حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو سجدہ کا حکم دیتے تو عورت کو دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔“

در مختار نے اسی جگہ بوسہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا۔

قُبِّلَةُ الدِّيَانَةِ لِلْحَجَرِ السَّوْدِ وَتَقْبِيلُ عُتْبَةَ الْكُغْبَةِ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ قِيلَ بِدَعَا ”لَكِنْ رُوي عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَأَمَّا تَقْبِيلُ الْخُبَيْرِ فَجَوَزَ الشَّافِعِيُّ أَنَّهُ بِدَعَا ”مُبَاخَاةٍ“ وَأَقِيلَ حَسَنَةً ”مُلَخَّصًا“

”ایک بوسہ بنداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ شریف کی چوکھٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک کو چومنا بعض لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لیکر چومتے تھے اور روٹی کا چومنا اسکو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا ہے کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے۔“

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا کہ دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکانے لگے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں اور تبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے، یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے سروراجت اب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب النظیر والاباحہ صفحہ ۵۴ پر فرماتے ہیں ”تقظیم دیندار کو کھڑا ہونا سنت ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے۔“ فقہ رشید احمد عفی عنہ۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث و فقہی عبارات عبارت پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جواب میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاؤں حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ عز و جل اس کے سوا اور ذیل نکلیں گے۔

اعتراض ۱ فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔ نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ اور جس طرح تعظیم سجدہ حرام ہو گیا۔ تعظیم رکوع بھی حرام ہو گیا اور جبکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لئے اس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہو گیا لہذا یہ حرام ہے۔ در مختار کتاب الکراہیت باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَتَقْبِيلُ الْأَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ ”لأنه يشبهه عِبَادَةُ الْوُتَنِ

”علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔“

اسی کے ماتحت شامی ہیں ہے۔

الْإِيمَاءُ فِي السَّلَامِ إِلَى قَرِيبِ الرُّكُوعِ كَمَا السُّجُودِ وَفِي الْمُحِيطِ أَنَّهُ يُكْرَهُ الْإِنْحِنَاغُ لِلْسُّلْطَنِ وَغَيْرِهِ وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ عَلَى إِبْطَالِ السُّجُودِ عَلَى هَذَا التَّقْبِيلِ

”سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضرت مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بلایا گیا اور داخل

ہو نیکار وازہ چھوٹا کر گیا تھا اس کہانہ سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولاد وازہ سے میں پاؤں داخل کئے تاکہ جھکنا نہ لازم آجائے (یہ اعتراض انتہائی ہے اور عام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں)۔

جواب ہم اولاد جسدہ کی تعریف کریں۔ پھر جسدے کے احکام۔ پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا حکم ہیں اس سے یہ اعتراض خوب خود بخود دفع ہو جاویگا۔ شریعت میں جسدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی، پھر اس میں جسدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب الصلوٰۃ بحث جسدہ اگر بغیر جسدے کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیت گیا تو جسدہ نہ ہوا۔ جیسے کہ بعض لوگ بیمار یا سردی یا چار پائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں۔ جسدہ دو طرح کا ہے۔ جسدہ تحیہ اور جسدہ عبادت۔ جسدہ تحیہ تو کسی کی ملاقات کے وقت جسدہ کرنا اور جسدہ عبادت کسی کو خدا کی طرح جان کر کرنا۔ جسدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک ہے کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہر نبی تو حید لائے شرک کسی نے نہیں پھیلایا۔ جسدہ تحیہ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو جسدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو جسدہ کیا۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورہ ہود زیر آیت

وَقِيلَ بَعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ میں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو جسدہ کرے۔ شیطان بولا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کی زندگی میں جسدہ نہ کیا تو ان کی قبر کو کیا جسدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے اس جسدہ تحیہ کو حرام فرمایا۔ لہذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو جسدہ تحیہ کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر شرک یا کافر نہیں۔ معرض نے جو درخت کی عبارت پیش کی اسی جگہ درخت میں ہے۔

إِنْ كَانَ عَلَىٰ وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالْتَعْظِيمِ كَفَرُوا وَإِنْ كَانَ عَلَىٰ وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا وَصَارَ إِلِمًا مَرْتَكِبًا لِلْكِبِيرَةِ

”اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لئے ہو تو کفر ہے اور اگر تحیہ کے لئے ہو تو کفر نہیں ہاں گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔“ اس عبارت کے ماتحت ثانی نے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا۔ اسکی دو نوعیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یا اگر حد رکوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہاء منع فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لئے ہو اور وہ کام تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جو تاسیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنے کے لئے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لئے یہ حلال ہے اگر یہ تحیہ نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت محمد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ وہ بار اکبری میں اکبر بادشاہ کو جسدہ کرایا جاتا ہے اور اکبر اس غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔

اعتراض ۴ احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسہ دے کر فرمایا۔

إِنِّي أَعْلَمُ إِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ لَوْ لَا إِنِّي رَفِيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَبَّلْتُكَ ”پتھر ہے نفع دے نہ نقصان اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تھپے چومے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تو تھک چومتا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آگیا مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ان تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہذا نہ چننا ہی مناسب ہے۔

جواب مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ ہدایہ مذیلۃ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ اسے امیر المؤمنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ جب بیٹاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دن آویگا اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مؤمنین کی گواہی دے گا۔ لہذا یہ اللہ کا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق نے فرمایا۔

اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے، معلوم ہوا کہ سنگ اسود نفع و نقصان پہنچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگ اسود کو یہ خطاب اس لئے تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سقہ سے ناراض کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فراق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا

پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا اور چومنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید کی بلکہ **لَا تَصْرُدُ لَا تَنْفَعُ** کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرمادیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ الذات یہ پتھر نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے۔ کہ اس پتھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہماری تقریر سے روافض اور وہابیوں دونوں کے اعتراض اٹھ گئے۔

تعب ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہاں تو سنگ اسود کے بوسہ کے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابراہیم کو اپنا مسئلہ بنا لیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور لٹل پڑھتے ان ہی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** مقام ابراہیم بھی تو ایک پتھری ہے اس کے سامنے لٹل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند ہے۔

اعتراض ۳ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لئے انکا چومنا، ان کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صد ہا جگہ ہال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے ہال ہیں؟

جواب تبرکات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں کافی ہے اس کے لئے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا نہ ان کے ثبوت کے لئے چار مقلی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لئے دو کی گواہی کافی اور رمضان کے چاند کے لئے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر، نکاح، نسب یا دگڑوں اور اوقاف کے ثبوت کے لئے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پردہ سی آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر شل زن و شوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یا دگڑوں کے ثبوت کے لئے شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

”کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔“

اس آیت میں کفار کہ جو رحمت دی گئی ہے کہ گزشتہ کفار کی یادگاروں، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ قوم آباد تھی قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لئے محض شہرت معتبر مانی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار اور فرمایا۔ شفا شریف میں ہے۔

وَمِنْ أَعْظَامِهِ وَآكْبَارِهِ إِعْظَامُ جَمِيعِ أَسْبَابِهِ وَآكْبَارُ مَشَاهِدِهِ وَآمَكَّتِيهِ وَمَا لَمَسَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ عُرِفَ بِهِ حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسباب ان کے مکانات اور جس کو اس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا اور جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی ہے ان سب کی تعظیم کرے۔ شرح شفا میں ملا علی قاری اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں۔

إِنَّ الْمُرَادَ جَمِيعُ مَا نَسَبَ إِلَيْهِ وَيَعْرِفُ بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان میں یہی عبارت شفا نقل فرما کر **وَيَعْرِفُ بِهِ** پر حاشیہ لکھا۔

وَلَوْ كَانَ عَلَىٰ وَجْهِ الْأَشْهَارِ مِنْ غَيْرِ ثُبُوتٍ اخْتَارَهُ خَدَّاقَالِ عَلِيُّ بْنُ الْقَارِئِ

”اگر یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو۔ اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا۔“

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک منقطہ میں یہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء اہلسنت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور ازیرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی لوگ عزت و حرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ مہربان تبرکات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں۔

عاشقان راہ کار با تحقیق! ہر کیا نام اوست قربانم!

لطیفہ ہم دھوراجی کا ٹھیاواڑ کی گلیز مسجد میں بارہویں رقع الاول شریف کو وعظ کہنے گئے وہاں بال مبارک کی زیارت کی جارہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درود پاک کرتے تھے کوئی روتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرض کہ عجیب پر کیف منظر تھا ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو لٹوے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بال حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر بھی تو اس تعظیم کی کیا ثبوت ہے؟ میں نے جواب نہ دیا۔ بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے عبدالرحمن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ اولاً تو اس نکاح کے گواہ نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطرے سے ہے تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے شرمندہ ہو گئے کہنے لگے یہ اور بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہمپاری قدس سرہ سے ایک دیوبندی صاحب فرمانے لگے حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہئے کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا چپ رہ آؤ۔ بولے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں میں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی۔ جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

”آج لے ان کی پناہ آج دعا مانگ ان سے“

اعتراض ۴ نقشہ اصل طہلین شریف نہیں یہ تو تہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا فوٹو ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

جواب یہ نقشہ اصل طہلین کی نقل ہے اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیئے لاہور کا چھپا ہوا قرآن شریف، اس کا کاغذ و روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر واجب تعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دو شنبہ معظم ہے کہ اصل کی حاک کی ہے۔

بحث عبدالنبی عبدالرسول نام رکھنا

عبدالنبی عبدالرسول عبدالمصطفیٰ عبدالحی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن و حدیث و اقوال فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض و جواب۔

پہلا باب اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِيمَانِكُمْ**

”اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کثیروں کا۔“

اس عبادت میں عباد کو کم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی تمہارے بندے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ

”اے محبوب فرما دو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نہ امید نہ ہو۔“

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرما دو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے قلام اور اہل حق، دوسرے معنی کو بھی بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ مثوی شریف میں فرماتے ہیں۔

بندہ خواہ خواہ احمد درر شاد جملہ عالم را خواں قلن یا عباد

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پڑھ لو قلن یا عباد۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ کبیر ترجمہ شاکم امداد یہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آتَيْنَهُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَهُم مِّنْ شَرِكٍ**۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آتَيْنَهُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ** آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضر وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر منبر خطبہ میں فرمایا **قَدْ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ عَبْدَهُ وَخَادِمَهُ** ”میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔“

مثوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال (رضی اللہ عنہما) کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے تو عرض کیا۔

گفت ما دو بندگان کوئے تو کردش آزاد ہم بروئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں ان کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں۔

صاحب در مختار خطبہ در مختار میں اپنے شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں۔

فَإِنِّي أُرْوِيهِ عَنْ شَيْخِنَا الشَّيْخِ عَبْدِ النَّبِيِّ الْخَلِيلِيِّ ”میں اس کو اپنے شیخ عبدالنبی الخلیلی سے روایت کرتا ہوں۔“

معلوم ہوا کہ صاحب در مختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عبید سو دکان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں غرض کہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن و حدیث و اقوال متافین سے ثابت ہے عرب والے عام طور پر کہتے ہیں۔ عبدی خڑو۔ شاعر کہتا ہے **عَالُوَاهِبُ الْمَاءَةِ الْهَجَانِ وَعَبْدُهَا لَحِيفَةٌ** تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبدالنبی نام رکھنے کو شرک کہا۔ مگر تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولانا رشید احمد ابن مولانا پادشاہ احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ رشید احمد صاحب کے خاندانی بزرگ مشترک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد حلالی ہے یا حرامی۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض ۱ عبد کے معنی ہیں عابد عبادت کرنا والا تو عبد اللہ نبی کے معنی ہوں گے نبی کی عبادت کرنا والا اور یہ معنی صریح شرک ہیں لہذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب عبد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاوے گا تو اس کے معنی عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام لہذا عبد اللہ نبی کے معنی ہوئے نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب انکراہیت باب تسمیہ الاولاد میں ہے۔

وَالْتَّسْمِيَةُ بِاسْمٍ يُوجَدُ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى 'جَائِزَةً' كَالْعَلَى وَالرَّشِيدِ وَالْبَدِيعِ لِأَنَّهُ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمُسْتَرَكَّةِ وَيُرَادُ فِي حَقِّ الْعِبَادِ مَا لَا يُرَادُّ فِي حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى 'كَذَا فِي السَّرَاجِيَةِ

”جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں ان سے نام رکھنا جائز ہے۔ جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کیلئے ان کے وہ معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لیے مراد نہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنی اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنی اسی طرح عبد اللہ کے معنی اللہ کا عابد عبد اللہ نبی کے معنی نبی کا غلام اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنی ہوں گے

مِنْ عِبَادِ اللَّهِ

اعتراض ۲ منقولہ باب الادب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب الالفاظ من الادب وغیرہ میں ہے۔

لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَأَمَتِي كَلُّكُمْ عِبْدُ اللَّهِ وَكُلُّ النِّسَاءِ كُفَى أُمَّاءُ اللَّهِ وَلَكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِي وَجَارِيَتِي

”تم میں سے کوئی نہ کہے عبدی امی (میرا بندہ وغیرہ) تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی لوطیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی و جارہی۔“
اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہذا احرام ہے اور عبد اللہ نبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہذا منع ہے۔
جواب یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے۔

فَبِأَن يُقِيلَ قَدْ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهَا السَّلَامُ فِي أَسْرَاطِ السَّاعَةِ أَنَّ تِلْكَ الْأَمَةَ رُبَّتْهَا فَالْجَوَابُ مِنْ وَجْهِينِ أَحَدُهُمَا أَنَّ الْحَدِيثَ الثَّانِي لِبَيَانِ الْجَوَازِ وَأَنَّ النَّهْيَ فِي الْأَوَّلِ لِلذَّبِّ وَكَرَاهِيَةِ التَّنْزِيهِ لَا لِلتَّحْرِيمِ.

”اگر کہا جاوے کہ حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں فرمایا کہ لوطی اپنے رب کو کہے گی (یعنی بندے کو پرمائی) اس کا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ دوسری حدیث بیان جواز کیلئے ہے اور پہلے حدیث میں ممانعت است کیلئے ہے اور کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔“

مسلم میں اسی جگہ ہے۔ لَا يَقُولَنَّ لِحَدِّ كُفَى لِلْعَبِّ الْكَرَمُ فَإِنَّ الْكَرَمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ

اسی جگہ یہ بھی ہے لَا تَسْمُوا الْعَبَّ الْكَرَمُ فَإِنَّ الْكَرَمَ الْمُسْلِمُ

اگر کریم نہ کہو کیونکہ کریم تو مسلمان ہے، منقولہ کتاب الادب باب الاسامی میں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَكِيمُ وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلَمَّا تَكُنَّى أَبَا الْحَكِيمِ ”حکم تو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو حیران نام ابو الحکم کیوں ہے۔“

منقولہ میں اسی جگہ ہے لَا تَسْمَيْنَ غُلَامَكَ يَسَارًا وَلَا رَجَاً وَلَا نَجِيحًا وَلَا أَفْلَحَ

”اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجی اور افلح نہ رکھو۔“

ان تمام حدیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن وحدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے۔ كَمَا دَرَيْتَانِي صَغِيرًا : فَارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مرتبی یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اُس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں لیکن اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں دہابیوں کو چڑانے کے لئے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق قاتحی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیے۔

بحث اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنی۔ اسقاط کرنا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب۔

پہلا باب

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے اسقاط کا ثبوت کیا، اسقاط کے لغوی معنی ہیں گرا دینا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دور کرنا۔ چنانچہ وجہ الصراط میں ہے اسقاط آں چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میت باین قدر کہ غیر شود۔ اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمدۂ اسواہ جاتے ہیں۔ جسکو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعد موت ان کی سزا میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مطہرہ نے اس نیکی کی حالت میں اس میت کی دھگیری کرنے کے لئے کچھ طریقے تجویز فرمائے کہ اگر ولی میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کر دے تو پچھارہ مردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام اسقاط ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہوتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو قلعہ بچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی پچھتا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت عمر معلوم کی جاوے اس میں سے نو سال عورت کے لئے اور بارہ سال مرد کے لئے باقی کے لئے نکال دو اب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہوئیے زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ گئی ہیں کہ نہ وہ پڑھی اور نہ قضا کیں اس لئے زیادہ سے زیادہ اندازہ لگا لو۔ جتنی نمازیں حاصل ہوں فی نماز ۵۷ روپے بخشی پھر گہیوں خیرات کر دو۔ یعنی جو فطرہ کی مقدار ہے وہ ہی ایک نماز کے فدیہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوئی اور ایک ماہ کی نمازیوں کا فدیہ ۹۰ سیر گندم تقریباً اور سال کی نماز ۱۰۸۰ سیر گندم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذمہ دس میں سال کی نمازیں ہیں تو صد ہا سیر غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دیدار مالدار تو یہ کر سکے مگر غریب نہ ممکن۔ ان کے لئے یہ طریقہ ہے کہ ولی میت بقدر طاقت گندم یا اس کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازیں کا فدیہ ۹۰ سیر تھا تو ۹۰ سیر گندم یا اس کی قیمت لے اور کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے دے۔ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ ہار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کر دیں رحمت الہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرمادے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے۔ پنجاب میں جو عام طور پر مروج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا اس سے نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا سب نمازوں کا فدیہ ادا ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ، لکھائی، چھپائی کا ہے اگر دو روپیہ کا یہ نسخہ ہے تو دو روپیہ خیرات کا ثواب میلگا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزار ہا روپیہ سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرض کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے طریقہ صحیح نہ ہوئیے کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہوگا نہ کہ حرام ہے بلا دلیل کسی شہیم کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلاء دیوبندی کا کام ہے بقدر خیرات ثواب مل جاوے گا۔

نوٹ ہم نے فدیہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کہ لئے نہیں ہے ایک نماز کا فدیہ ۵۷ روپیہ بخشی پھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگائیں۔ اسقاط کے ثبوت میں تین بحثیں کرتا ہیں ایک تو یہ کہ حرام سے بچنے ثواب حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے شرعی حیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا فدیہ مال سے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے حضور ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سولگڑیاں مار دوں گا رب تعالیٰ نے انکو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بیٹا میں کو اپنے پاس رکھیں اور اڑا طاہر نہ ہو۔ اس کے لئے بھی ایک حیلہ ہی فرمایا جبکہ مفضل ذکر سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ انکی آپس میں صلح کرادو۔ حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیدیں۔

مشکوٰۃ کتاب البیوع باب الربو میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرے لائی۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ روڑی خرے تھے میں نے دو صاع ردی خرے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرے کے لئے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا۔ آنجیدہ ایسا کرو کہ خرے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور ان پیسوں سے اچھے خرے لے لو۔

دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب الخلل۔ اس طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الخلل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الخلل اور ذخیرہ میں ہے۔

كُلُّ حِيلَةٍ يَحْتَثُّ بِهَا الرَّجُلُ لِبَاطِلٍ حَقِّ الْغَيْرِ أَوْ لِدُخَالٍ شُبْهَةٍ فِيهِ أَوْ لِمَمْرٍ بِطَائِلٍ فِيهِ مَكْرُوهَةٍ ۖ وَكُلُّ حِيلَةٍ يَحْتَثُّ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ أَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَا إِلَى حَلَالٍ فَهِيَ حَسَنَةٌ ۖ وَالْأَصْلُ فِي جَوَازِ هَذَا لِنَوْعِ (الخ)

”جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لیے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا حلال کو پالے وہ اچھا ہے اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اس سے مارو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عالم مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہ ہی صحیح مذہب ہے حوی شرح اشباہ اور تارخانہ میں جواز حیلہ کی بہت نفیس تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔“

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ وَقَعْتُ وَحْشَةً ۖ بَيْنَ هَجْرَةٍ وَسَارَةٍ فَخَلَقْتُ سَارَةً ۖ إِنَّ ظَفَرْتُ بِهَا فَفَقِطْتُ عُضْوًا مِنْهَا فَأَرْسَلَ اللَّهُ جِبْرِيلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يُصْلِحَ بَيْنَ هُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَا حِيلَةٌ يَمِينِي فَأَوْحَىٰ اللَّهُ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَأْتِ بِسَارَةٍ أَنْ تَنْقُبَ أَذُنِي هَاجِرَ فَمِنْ ثَمَّ نَقُوبُ الْأَذُنِ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقع ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹ دوں گی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان کی صلح کرادیں حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے۔“

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا۔

دوسری فصل روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ

”اور جن کو اس روزے اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مجبور، بوڑھا یا بیمار، الموت کا مریض جب روزے کے قائل نہ رہے تو ہر روز کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بہ قائل روزے کے زیادہ بہم بالشان ہے اس لئے روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ آیت کے ماتحت تفسیر استاذ احمدیہ شریف میں ملا احمد جیون قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وَالصَّلَاةُ نَظِيرُ الصَّوْمِ بَلْ أَهَمُّ فِيهِ فَأَمَرَنَاهُ بِالْفِدْيَةِ إِحْيَا طًا وَفَجَوْنَا الْقَبُولَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى فَضْلًا
”نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاط حکم دیا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔“

منا میں ہے وَوُجُوبُ الْفِدْيَةِ فِي الصَّلَاةِ لِلْإِحْيَا طِ ”نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔“

شرح وقار یہ میں ہے وَفِدْيَةُ كُلِّ صَلَاةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ

”ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہ ہی صحیح ہے۔“

شرح الیاس میں ہے وَ يُعْتَبَرُ فِدْيَةُ كُلِّ صَلَاةٍ فَائِبَةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ أَى كَفِدْيَةِ يَوْمٍ

فتح القدیر میں ہے مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قِسَاءٌ رَمَضَانَ فَأَوْصَى بِهِ أَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيهِ، لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرًا لِأَنَّهُ عَجَزَ عَنِ الْإِدَاعِ وَكَذَلِكَ إِذَا أَوْصَى بِالْإِطْعَامِ عَنِ الصَّلَاةِ

”ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔ جو شخص مرجا دے اور اس پر رمضان کی قضاء ہے پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گےہوں یا ایک صاع خرے یا جو دیدے کیونکہ میت اب ادا سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں کھانا دینے کی وصیت کی ہو۔“

طحاوی علی مرقی الفلاح میں ہے اَعْلَمُ أَنَّهُ قَدْ وَرَدَ النَّصُّ فِي الصَّوْمِ بِاسْقَاطِهِ بِالْفِدْيَةِ اتَّفَقَتْ كَلِمَةُ الْمَشَائِخِ عَلَى أَنَّ الصَّلَاةَ كَالصَّوْمِ اسْتِحْسَانًا وَإِذَا عَلِمْتَ ذَلِكَ تَعَلَّمْ جَهْلٌ مَنْ يَقُولُ إِنَّ اسْقَاطَ الصَّلَاةِ لَا أَصْلَ لَهُ، إِنْطَالٌ ”لِمُتَّفَقٍ عَلَيْهِ مِنَ الْمَذْهَبِ

ان عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز روزے کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے بلکہ حدیث بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ سنائی نے اپنے سنن کبریٰ اور عبد الرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبد اللہ ابن عباس سے نقل فرمایا۔

لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَكِنْ يُطْعَمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدْنٍ مِنْ حِنْطَةٍ
”کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے روزہ رکھے لیکن اسکی طرف ہر دن کے عوض وہ گندم (آدھا صاع) خیرات کر دے۔“

مکتوٰۃ کتاب الصوم باب القضاء میں ہے قَالَ مَاتَ عَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا
”جو مرجا دے اور اس کے زمانہ رمضان کے روزے ہوں تو چاہئے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔“

غرض کہ نماز روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

تیسری فصل مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی۔ **فَصْلٌ "فِي إِسْقَاطِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ"** یعنی یہ فصل نماز و روزے کے اسقاط ہے اس میں فرماتے ہیں۔

وَلَا يَصِحُّ أَنْ يُصَوْمَ وَلَا أَنْ يُصَلِّيَ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَفِ مَا أَوْصَى بِهِ عَمَّا عَلَيْهِ يَدْفَعُ ذَلِكَ الْمِقْدَارَ لِلْفَقِيرِ فَيَسْقُطُ مَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ مِنْ صِيَامٍ وَصَلَاةٍ وَيَجُوزُ إِعْطَاءُ فِذْيَةِ صَلَواتٍ لِوَاحِدٍ جَمَلَةً بِخِلَافِ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ ترجمہ وہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔ درمختار باب قضاء القوايت میں ہے اس کا ترجمہ وہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہوا۔ اسی شرح میں شامی میں اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَالْأَقْرَبُ أَنْ يُحْسَبَ عَلَى الْمَيِّتِ وَيُسْتَقْرَضَ بِقَدْرِهِ بِأَنْ يَقْدَرَ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوْ سَنَةٍ أَوْ بِحَسَبِ ثَلَاثَةِ عُمُرِهِ بَعْدَ اسْقَاطِ الثَّلاثِي عَشَرَ سَنَةً لِلذَّكَرِ وَتِسْعَ سِنِينَ لِلْأُنْثَى لِأَنَّهَا أَقَلُّ مُدَّةً بَلُوْغِهِمَا فَيَجِبُ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ نِسْفُ عَزَاوَةِ فَتَحُ الْقَدِيرِ بِالْمُدَّةِ الدَّمِشَقِيَّ مُدَّةً مَا بَيْنَا وَلِكُلِّ سَنَةٍ شُمُوسِيَّةٍ عَزَاوَةٌ فَيُسْتَقْرَضُ فِيمَنْهَا وَيُدْفَعُهَا لِلْفَقِيرِ ثُمَّ يَسْتَوْهَبُهَا مِنْهُ وَيَتَسَلَّمُهَا مِنْهُ لَتَيْمِ الْهَبَةِ ثُمَّ يَدْفَعُهَا لِلذَّكَرِ الْفَقِيرِ آخَرَ وَهَكَذَا فَيَسْقُطُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ كَفَّارَةُ سَنَةٍ بَعْدَ ذَلِكَ يُعَيِّدُ الدَّوْرَ لِكَفَّارَةِ الصِّيَامِ ثُمَّ الْأُضْحِيَّةِ ثُمَّ الْإِيْمَانِ لَكِنْ لَا بُدْفِي كَفَّارَةِ الْإِيْمَانِ مِنْ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ بِخِلَافِ فِذْيَةِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ إِعْطَاءُ فِذْيَةِ صَلَواتٍ لِوَاحِدٍ

"یعنی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کرے کہ میت پر کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس انداز سے قرض لے اس طرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے انداز سے لے یا میت کی کل عمر کے اندازہ کرے اور پوری عمر میں سے بلوغ کی کم از کم مدت جو مرد کے لئے بارہ سال ہے اور عورت کے لئے نو سال وضع کر دے پھر حساب کر لے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف عزاوہ ہوگا (حج القدیر و شقی مدے) اور ہر شش سال کا کفارہ چھ عزاوہ ہوا جس وراثت اس کی قیمت قرض لے اور فقیر کو اسقاط کیلئے دے پھر فقیر اسکو دے اور وراثت یہ قبول کر کے مہووب پر قبضہ کر لے۔ پھر وہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں دے اسی طرح دورہ کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک سال کا کفارہ ادا ہوگا اور اسکے بعد روزہ اور قربانی کے کفارہ کیلئے پھر قسم کے لئے لیکن کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف فدیہ نماز کے کہ اس میں چند نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتا ہے۔"

یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ الا شاہ النظائر میں ہے۔

أَرَادَ الْفِذْيَةَ عَنْ صَوْمِ أَبِيهِ أَوْ صَلَواتِهِ وَهُوَ فَقِيرٌ "يُعْطَى مَنْوَنٍ مِنَ الْحِنْطَةِ فَقِيرًا ثُمَّ يَسْتَوْهَبُ ثُمَّ يَسْتَوْهَبُ" ثُمَّ يُعْطِيهِ وَهَكَذَا إِلَى أَنْ يُتِمَّ مَرَاتِي الْفَلَاحِ شرح نور الایضاح میں ہے فَحِيلَتُهُ لِإِبْرَاءِ ذِمَّةِ الْمَيِّتِ عَنْ جَمِيعِ مَا عَلَيْهِ أَنْ يَدْفَعَ ذَلِكَ الْقَدَارَ الْيَسِيرَ بَعْدَ تَقْدِيرِهِ بِشَيْءٍ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَلَاةٍ أَوْ نَحْوِهِ وَيُعْطِيهِ لِلْفَقِيرِ بِقَصْدِ اسْقَاطِ مَا يُرَدُّ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ بَعْدَ قَبْضِهِ يَهْبَةُ الْفَقِيرِ لِلْوَلِيِّ أَوْ لِلْأَجْنَبِيِّ وَيَقْبُضُهُ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْمَوْهُوبُ لَهُ لِلْفَقِيرِ كَجِهَةِ الْإِسْقَاطِ مُتَبَرِّءٌ بِهِ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ يَهْبُهُ الْفَقِيرُ لِلْوَلِيِّ (المنان قال) وَهَذَا هُوَ الْمُخْلِصُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ وہی ہے اوپر گزرا۔ عالمگیری میں ہے وَإِنْ لَمْ يَتْرُكْ مَا لَا يَسْتَقْرِضُ وَرَثَتُهُ بِصَفِّ صَاعٍ وَيَدْفَعُ إِلَى مَسْكِينٍ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ مَسْكِينٍ "عَلَى بَعْضِ وَرَثَتِهِ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ حَتَّى يُتِمَّ الْكُلُّ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ اسی طرح بحر الرائق یعنی شرح کنز الدقائق جامع الرموز معتمد ظہیر ہے شرح مختصر الفقہاء فتاویٰ قاضی خان۔ قرائد جواہر القول المختصر وغیرہ سب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف سے تمام کی عبارات نقل نہیں کیں۔ منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیٹرو مولوی رشید احمد صاحب گنگوئی کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۱۰۳ میں ہے "حیلا اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلسوس کا علانوں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیلہ کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحت

فیت ورثہ کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیاویہ کا ہے“ فقہ رشید احمد عفی عنہ

اگرچہ اس میں بہت ہیر پھیر کی مگر جائز مان لیا لہذا اب کسی دیوبندی کو تو حیلہ اسقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبارات پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ مالدار آدمی بھی اگر پورا فدیہ ادا کرے تو تمام ترکہ اسی میں چا دیا جاویگا۔ ورثہ کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوا۔ تو حیلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ رہا حیلہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ بدرجہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے لہذا لغو ہے۔

دوسرا باب

حیلہ اسقاط پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیوبندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لغافی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شہادت میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

اعتراض ۱ حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دیتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَخْدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ

”یہ منافقین اللہ اور مسلمان کو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔“

یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جاویں۔

جواب حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شرعیہ پورا کرنا کسی طرحی تدبیر اُردو میں بولتے ہیں ”حیلہ رزق بہانہ موت“ اور حیلہ تورب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیلئے حیلہ کرنا گناہ ہے۔ لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب کسی جگہ مسجد بن رہی ہے۔ روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ فقیر کو زکوٰۃ دی اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔ لینے کا حیلہ کرنا نہ اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیلہ ہے خدا نے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔

رحمت حق بہانہ می طلبہ و رحمت حق بہانہ می طلبہ

”خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے“

یہ آیت خذ عون منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمائینی کو اپنے لئے آڑ بناتے تھے۔ اور دل میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اب اس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کیوں کہ صدقہ غضب الہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ **الصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ** مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ چھوٹ جاوے وہ ایک دینا خیرات کرے۔ اسی مشکوٰۃ باب الخیض میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئندہ نمازوں کا یہ فدیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ مال سے نماز میں معاف کراویں۔

اعتراض ۲ نماز روزہ و عبادت بدی ہے اور فدیہ مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔

جواب یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُبْغِضُونَهُ لَذِيَّةٌ طَعَامٌ مَسْكِينٍ جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الہی ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مردود ہوا۔ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معاوضہ مال دیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جان کا بدلہ بھی مال سے ہوا ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نمازی پہلی انتیات بھول گیا تو سجدہ سو کرے کسی نے اپنی بیوی سے ٹھہرا کر لیا تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بحالت احرام شکار کر لیا۔ اگر پیسہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزہ رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرمایا بس و چشم منظور ہے۔

اعتراض ۳ حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیوں کہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے؟ اسلیئے یہ بند ہونا چاہیے۔

جواب یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ پر دلیر ہوتا ہے کیوں کہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوٰۃ کا مال بغیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جب آدمی کو معلوم

ہو گیا کہ تو بے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض لغو ہے اسی طرح یہ بھی چھٹھن کہ فدیہ نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیح کو غلط استعمال کرے تو غلطی اس استعمال کرتے والے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز یہ مسئلہ اسقاط صد ہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو۔

اعتراض ۴: کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیلہ کر کے پھلی کا ٹکڑا کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الہی آ گیا اور وہ بندر بنادیتے گئے

مُكُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ معلوم ہوا کہ حیلہ سخت گناہ ہے اور عذاب الہی کا باعث۔

جواب: حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا سب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن پھلی کا ٹکڑا ان پر حرام تھا۔ ایسے حیلہ اب بھی منع ہیں۔

اعتراض ۵: قرآن فرماتا ہے **لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ** نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود کا نے اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اولاد مال خرچ کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرادے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیلہ خلاف قرآن ہے۔

جواب: اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں گزر گیا کہ اس آیت کی چند توجہیں ہیں ایک ہی بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے یا نہ کرے اس لئے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے

یاد یہ کہ یہ آیت کریمہ عبادت بدنہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی طرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے ذمہ سے اس کے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر یہ توجہیں نہ کی جاویں تو بہت سی آیت قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آوے گی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مومنین اور اپنے ماں باپ کیلئے دعا کریں۔ نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا ہی ہے۔ احادیث نے میت کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

ضروری ہدایت: بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے درٹا اسکی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کراتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مشکوٰۃ کتاب عذاب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ **وَتَوَلَّىٰ عَنْهُ أَصْحَابُهُ ۖ أَنَا هَٰذَا مَلَكَانَ** اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں تب مکر تکبر فرشتے سوالات کے لئے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد اول باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ مخصوص سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید، جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون سے مرنے والا زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنے والا (بشرطیکہ یہ دونوں صابر ہوں) صدیق، نابالغ بچہ، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا۔ ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا یا مرض موت میں روزانہ سورہ اخلاص پڑھنے والا (بعض نے فرمایا کہ نبی سے بھی) اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتے تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہو اور بعد دفن سے ہی آدمی وہاں موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جب جمعہ آ گیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا۔ گویا یہ عذاب الہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرمادے۔ اب جبکہ آدمی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور قاری بھی ہو۔ کتاب الاذکار مرقہ امام نووی باب ما یقول بعد الدفن میں ہے کہ **قَالَ الشَّافِعِيُّ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَقْرَأُوا عَنْدهُ ۖ شَيْئًا**

مَنْ الْقُرْآنِ قَالُوا فَإِنْ خَشِمُوا الْقُرْآنَ كُلَّهُ ۖ كَانَ حَسَنًا

”یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے۔ اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔“

ہم اذانِ قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو ہنر و آگ جاتا ہے اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت و قرآن ضرور نافع ہوگی ان شاء اللہ عزوجل مگر چاہئے کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے اگرچہ لوگ باری شیشیں۔

ضروری نوٹ: بعض جگہ مسلمان رمضان کے جمعۃ الوداع کے دن کچھ تو اہل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرام و بدعت کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو روکتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے **أَرَأَيْتَ الَّذِي يُنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ** بھلا دیکھو جو منع کرتا ہے۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کہ کسی نمازی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے قضاء عمری بھی نماز ہے اس لئے روکنا ہرگز جائز نہیں۔

قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تغیر روح البیان پارہ ۳ سورہ انعام زیر آیت **وَلَتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمُجْرِمِينَ** ایک حدیث نقل کی۔

أَيُّمَا عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ تَرَكَ صَلَاتَهُ، فِي جَهَائِهِ لَوَاتَبٍ وَنَدِمَ عَلَى تَرْكِهَا فَلْيَصِلْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَقْرَأُ فِي كُلِّ مَنُهَا الْفَاتِحَةَ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ وَالْإِخْلَاصَ وَالْمُعَوَّذَتَيْنِ مَرَّةً لَا يَحَاسِبُهُ اللَّهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَكَرَهُ، فِي مُخْتَصَرِ الْأَحْيَاءِ

”جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہوا اسکے چھوٹ جانے کی وجہ سے توجہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں نقل پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی اور قل ھو اللہ اور قلک وسورہ ناس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اس سے قیامت کے دن حساب نہ لے گا۔ اس حدیث کو مختصر الاحیاء میں ذکر کیا۔

صاحب روح البیان اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادام ہونیکا یہ مطلب ہے کہ وہ تارک الصلوٰۃ بندہ شرمندہ ہو کر تمام نمازیں قضاء پڑھ لے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضا کرنے کا جو گناہ ہوا تھا وہ اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازیں قضاء نہ پڑھو۔ صرف یہ نماز پڑھ لو سب ادا ہو گئیں یہ تو روافض بھی نہیں کہتے کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سال بھی تک نماز نہ پڑھو۔ پس جمعۃ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہو گئیں۔ مطلب وہی ہے جو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔ اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرجہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حاجیوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ بارگاہ الہی سے جواب آیا کہ ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (مظوق العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر حرمہ و لحد میں دعا فرمائی۔ تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرمادیئے گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض مار لو، کسی کو قتل کر دو، کسی کی چوری کر لو اور حج کراؤ۔ سب معاف ہو گیا۔ نہیں بلکہ ادائے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر وغیرہ ہو گئی وہ معاف کر دی گئی حقوق العباد بہر حال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان اس قضا عمری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کر لے تو اس کو سمجھا دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔ اللہ تو فیخی خیر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

بحث اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل انہما میں کا مسئلہ بھی لکھ دو تا کہ کتاب مکمل ہو جاوے لہذا اس کو بھی داخل کتاب کرے ہیں۔ رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین

اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ** تو اس کو سن کر اپنے دونوں انگوٹھے یا کئی یا کئی انگلی چوم کر انگوٹھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیادی و دینی بہت فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوٰۃ مسعودی جلد دوم باب ہستم یا ننگ نماز میں ہے۔

رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ سَمِعَ إِسْمِي فِي الْأَذَانِ وَوَضَعَ إِنْهَامِيهِ عَلَى عَيْنَيْهِ فَإِنَّا طَالِبُهُ فِي صُفُوفِ الْقِيَمَةِ وَقَائِدُهُ إِلَى الْجَنَّةِ

”حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے انگوٹھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۶ سورہ مائدہ زیر آیت **وَإِذَا نَاذَرْتُمُ إِلَى الصَّلَاةِ** ہے۔

وَضَعَفَ تَقْبِيلُ ظَفَرِي إِنْهَامِيهِ مَعَ مَسْبَحِيهِ وَالْمَسْحُ عَلَى عَيْنَيْهِ عِنْدَ قَوْلِهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْبُثْ فِي الْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ لَكِنَّ الْمُحَدِّثِينَ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْحَدِيثَ أَوْضَعُ يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهِ فِي التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيْبِ شامی جلد اول باب الاذان میں ہے **يُسْتَحَبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ عِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرْثُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ مَتَّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظَفَرِي الْأَيْمَنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ قَائِدًا لَهُ إِلَى الْجَنَّةِ، كَذَلِكَ كُنْزُ الْعِبَادَةِ فَهَسْتَانِي وَنَحْوُهُ فِي الْفَتَاوَى الصُّوفِيَّةِ وَفِي كِتَابِ الْفَرْدُوسِ مَنْ قَبْلَ ظَفَرِي إِنْهَامِيهِ عِنْدَ سَمَاعِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ فِي الْأَذَانِ أَنَا قَائِدُهُ وَمُذْجِلُهُ فِي صُفُوفِ الْجَنَّةِ وَتَمَامُهُ فِي حَوَاشِي الْبَحْرِ لِلرَّمْلِيِّ**

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخن کو مع کلے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مردوع سے ثابت نہیں لیکن محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے۔“

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہتے **قُرْة عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ** پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی انگوٹھوں پر رکھے اور کہے **اللَّهُمَّ مَتَّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ** تو حضور علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی کی مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان میں **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ** سن کر تو اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حاشی رملی میں ہے۔“

اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ، کتاب الفردوس تہجانی، بحر الرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنہ فی الاحادیث الدارۃ علی السنہ میں امام سیوطی نے فرمایا۔

ذَكَرَهُ" اللّٰهُ يُلْجِئُ فِي الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ هَذَا وَقَبْلَ بَاطِنِ الْآنَا مِلَّتَيْنِ السَّبَابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي وَلَمْ يَصِحْ

”وہی نے فردوس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سرکار نے جب مؤذن کا قول **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ** سنا تو یہی فرمایا اور اپنی کھلی کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوم اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔“

یہ حدیث پایہ صحت تک نہ پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مصنفہ ابو العباس احمد مکرر وار سے نقل کیا۔

عَنْ الْخِضَرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنُ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ مَرْحَبًا بِحَبِيبِي وَ قُرَّةُ عَيْنِي مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ثُمَّ يَقْبَلُ إِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمُذْ أَبَدًا ”حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشہدان محمدًا رسول اللہ تو کہے **مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمدًا ابن عبد الله** پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دیکھیں گی۔“

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن بابائے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے ان کی آنکھ میں ٹکری جا پڑی اور کل نہ کی سخت درد تھا۔ **وَأَنَّهُ لَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنُ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ ذَلِكَ فَخَرَّ جَبَّ الْحَصَاةُ مِنْ نُورِهِ** ”جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا اشہدان محمدًا رسول اللہ تو یہی کہہ لیا فوراً ٹکری آنکھ سے نکل گئی۔“

”اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام احمد کو فرماتے ہوئے سنا (امام احمد حنفی مدنی مصر میں سے ہیں) فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک سے تو اپنے کھلی کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے۔

وَقَبْلَهُمَا وَمَسَحَ بِهِمَا عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمُذْ أَبَدًا ”اور دونوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی نہ آنکھ دیکھے گی۔“

پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق و حرم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دیکھیں گی۔

وَقَالَ لِي كُلُّ مَنْهَا مِنْهُمَا مَنْذُ فَعَلْتُهُ لَمْ تَرْمُذْ عَيْنِي ”انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری بھی آنکھیں نہ دیکھیں۔“

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔ **قَالَ ابْنُ صَالِحٍ وَأَنَا مِنْذُ سَمِعْتُهُ إِسْتَعْمَلْتُهُ فَلَا تَرْمُذْ عَيْنِي وَأَرْجُوا أَنَّ عَفَيتَهُمَا تَذَوُّمٌ وَإِنِّي أَسْلِمُ مِنَ الْعَمَى انْشَاءَ اللّٰهُ**

”ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب یہ سنا ہے اس پر عمل کیا مری آنکھیں نہ دیکھیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہے گا اور میں اندھا ہونے سے محفوظ رہوں گا۔“

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشہدان محمد رسول اللہ سن کر یہ کہے **مَرْحَبًا بِحَبِيبِي وَ قُرَّةُ عَيْنِي مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اور اپنے انگوٹھے چوم لے اور آنکھوں سے لگائے۔

لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمُذْ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دیکھیں گی۔ غرض کہ اسی مقاصد حسنہ میں بہت سے آئمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا۔

شرح نقایہ میں ہے۔

وَأَعْلَمَ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأَوَّلِ مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرْثُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ بَعْدَ وَضْعِ ظَفَرِي إِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ لَهُ تَالِيًا إِلَى الْجَنَّةِ كَذَلِكَ

”جانتا چاہیے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ نہ کرے کہ یہ قرۃ یعنی بک یا رسول اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے تو حضور علیہ السلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے۔“

مولانا جمال ابن عبد اللہ ابن عمر کی قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں

تَقْبِلُ الْإِنْبَاءَ مَيَّنَ وَوَضَعَ هُمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ ذِكْرِ اسْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْأَذَانِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌّ صَرَحَ بِهِ مَسْنَدُنَا

”اذان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف نہ کرنا گھٹے چونا اور انگوٹھوں سے لگانا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اسکی ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے۔“

علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ کلمۃ مجمع بحوالہ الانوار میں اسی حدیث کو **لَا يَصِحُّ** فرما کر فرماتے ہیں۔

وَرَوَى تَجَرِبَةُ عَنْ كَثِيرِينَ ”اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔“

اس کے علاوہ اور بھی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصار اسی پر قناعت کرتا ہوں حضرت صدر الافاضل مولانا فی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی و ام ظلم فرماتے ہیں کہ ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام ہے (انجیل برہاس) آجکل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اس کے ترجمے کیے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلامی احکام سے ملنے جلتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس (نور مصطفیٰ) کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفیٰ کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو، جہاں تک بتایا گیا ہے کہ زمانہ عیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔ علمائے احناف کے علاوہ علمائے شافعی و علمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب ”اعانۃ الطالبین علی حال الفاظ فتح المعین“ مصری صفحہ ۲۳۷ میں ہے۔

ثُمَّ يَقْبِلُ الْإِنْبَاءَ مَيَّنَ وَيَجْعَلُ هُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ ثُمَّ يَغْمُزُ لَمْ يَرْمُذْ أَبَدًا

”پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے آنکھوں سے لگائے تو کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔“

مذہب مالکی کی مشہور کتاب ”کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیر وانی“ مصری جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں، پھر فرماتے ہیں۔

عَيْنَيْهِ لَمْ يَغْمُزْ لَمْ يَرْمُذْ أَبَدًا ”اندھا ہوا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔“

اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی حدیثی صفحہ ۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَبَيِّنْ مَوْضِعَ التَّقْبِيلِ مِنَ الْإِنْبَاءِ إِلَّا أَنَّهُ: فَقُلْ عَنِ الشَّيْخِ الْعَالِمِ الْمُفَسِّرِ نُورِ الدِّينِ الْخُرَّاسَانِيِّ قَالَ بَعْضُهُمْ لَقِيْنَهُ وَفَتَّ الْأَذَانَ فَلَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ قَبَّلَ إِنْهَاءَ مَيَّنَ نَفْسِهِ وَنَسَحَ بِالْظُّفَرَيْنِ أَجْفَانِ عَيْنَيْهِ مِنَ الْمَنَاقِ إِحْمَى نَاحِيَةِ الشَّدْعِ ثُمَّ لَعَلَ ذَلِكَ عِنْدَ كُلِّ تَشْهِيْدٍ مَرَّةً لَسَانَتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ كُنْتُ لَفَعَلَهُ ثُمَّ نَزَحْنَاهُ فَمَرَضَتْ عَيْنَايَ فَرَأَيْتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَقَالَ لِمَا تَرَكْتِ” مَسَحَ عَيْنَيْكَ عِنْدَ الْأَذَانِ إِنْ أَرَدْتَ أَنْ تَبْرَأَ عَيْنَاكَ لَعَلَّ فِي الْمَسْحِ فَاسْتَيْقِظْتَ وَ مَسَحْتَ قَبْرَهُ ثُمَّ يَغْمُزُ دَفْعِي مَرَضُهَا إِلَى الْآنِ

مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ منسور نور الدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کو اذان کے وقت ملے جب انہوں نے مؤذن کو اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے ہوئے سنا انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا۔ اور کبھی کے کونے تک پہنچایا۔

پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگو کہ میں پہلے انگوٹھے چوما کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ پس میری آنکھیں بیمار ہو گئیں۔ پس میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آنکھیں اچھیں ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا شروع کرو۔ پاس پیدا ہوا اور یہ مسح شروع کیا مجھ کو آرام ہو گیا۔ اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا۔ (ماخوذ از بیچ السلام)

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان وغیرہ میں انگوٹھے چومنا آنکھوں سے لگانا مستحب ہے حضرت آدم علیہ السلام اور صدیق اکبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء محدثین و مفسرین اس کے استحباب پر متفق ہیں آئمہ شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی ہر زمانہ اور ہر ایک مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل فائدے ہیں یہ عمل کرنے والا آنکھ دکھنے سے محفوظ رہے گا اور ان شاء اللہ عز و جل کبھی اندھا نہ ہوگا اگر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لئے یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے ہار ہا تجربہ ہے اسکے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں تلاش فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اس کو حرام کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے استحباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

نوٹ اذان کے متعلق تو صاف و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں پیش کی جا چکیں تکبیر بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان فرمایا گیا ہے۔ دواؤ انوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان۔ لہذا تکبیر میں **أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** پراگوٹھے چومنا نافع و باعث برکت ہے۔ اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت خیر سے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی جاوے باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱

انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا **لَا يَحُجُّ فِي الْمَرْفُوعِ مِنْ كُلِّ هَذَا شَيْءٌ** "ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔" ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا۔ **كُلُّ مَا يُرْوَى فِي هَذَا فَلَا يَصِحُّ رَفْعُهُ** یعنی اس مسئلہ میں حقیقی احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا **لَمْ يَصِحَّ مِنَ الْمَرْفُوعِ مِنْ هَذَا شَيْءٌ** "ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔" صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔

جواب اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَإِذَا بَسَّتِ رَفْعُهُ إِلَى الصَّدِيقِ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَيَكْفِي لِلْعَمَلِ بِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاهِدِينَ

"یعنی میں کہتا کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔"

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا **لَمْ يَصِحَّ** یعنی یہ تمام احادیث حضور ﷺ تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے لہذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔ تیسرے یہ کہ اصول حدیث و اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو جاوے تو حسن بن جاتی ہے چنانچہ درختا رحہ جلد اول باب مستحبات الوضوء میں اعضاء وضو کی دعاؤں کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ حَبَّانَ وَغَيْرُهُ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ طَرَفٍ اس حدیث کو ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے تحت شامی میں فرماتے ہیں۔ **أَيُّ يَقْوَى بَعْضُهَا بِبَعْضِهَا فَارْتَفَعِيَ إِلَى مَرْتَبَةِ الْحَسَنِ** یعنی بعض اسناد بعض کو قوت دیتی ہیں لہذا اس یہ حدیث درجہ حسن کو پہنچ گئی اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے لہذا حسن ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی علامہ شامی اسی رد المختار جلد اول باب اذان میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں۔

عَلَى أَنَّهُ فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ يَجُوزُ الْعَمَلُ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ كَمَا مَرَّفِي أَوَّلَ كِتَابِ الطَّهَارَةِ

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب و حرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہذا اس حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز مسلمانوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنف امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

وَقَدْ رَفَعْنَا فِيهِ حَدِيثًا مِنْ حَدِيثِ أَبِي أَمَامَةَ لَيْسَ بِالْقَائِمِ أَسْنَادُهُ وَلَكِنْ أَوْتَصَدَ بِشَوَاهِدٍ وَبِعَمَلِ أَهْلِ الشَّامِ

یعنی تلقین میت کی حدیث قوی لا سنا نہیں مگر اہل شام کے عمل و دیگر شواہد سے قوی ہو گئی انگوٹھے چومنے پر بھی امت کا عمل ہے لہذا یہ حدیث قوی ہوتی اس سے زیادہ حقیق نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی حدیث نہ ملتی۔ تب بھی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے۔

مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ "جس کو مسلمان اچھا جائیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔"

چھٹے یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صرف صوفیاء کرام کا تجربہ بکافی ہوتا ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ہوامع میں ہوامع مقدمہ کے دسویں ہامع میں فرماتے ہیں اجتہاد اور اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند اختراع اطباء لشیخ قریب الدین را تصریفی اعمال میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے کہ طبیب لوگ حکمت کے نسخے ایجاد کرتے ہیں۔ خود شاہ ولی صاحب نے اپنی

کتاب القول الجلیل وغیرہ میں صد ہا عمل تعویذ گنڈے جتنا کو دفع کرنے سے جنت سے محفوظ رہنے۔ حاصل محفوظ رکھنے کے تجویز فرمائے ہیں کہ فلان دعا بہر کی کھاں پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار کے ڈال دو اسقاط نہ ہوگا پٹیم کا رنگ ہو اور عورت کے جسم سے ناپ کر نو گرہ لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا روزہ کو مفید ہے وغیرہ وغیرہ بتاؤ کہ ان اعمال کے متعلق کون سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے، مگنی ہوئی چیز کے تلاش کرنے کے لئے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل درود چشم کے لئے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح فقیر اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے جو منہ کو مستحب فرمایا۔ اس انتخاب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوع کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم انتخاب تو بالکل صحیح ہے۔ گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ انتخاب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آٹھویں یہ کہ اچھا اگر مان لیں کہ انتخاب کا ثبوت ضعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو کراہت کے ثبوت کی کوئی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے جو منہ کو مستحب ہے یا نہ چومو وغیرہ وغیرہ ان شاء اللہ عز و جل کراہت کے لئے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ کہ اس اعتراض کے پر غچے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

اعتراض ۲ حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نو مصطفیٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کرچو ماتھا۔ تو تم کون سا نو رکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جو وجہ وہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب حضرت باجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لئے صفادہ مروہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہو؟ حضرت اسحاق علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو ٹکڑ مارے آج تم حج میں وہاں کیوں مارتے ہو؟ وہاں اب کو نسا شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لئے طواف میں رمل کر کر اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طواف قدوم میں رمل کیوں کرتے ہو؟ اب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی ہے۔

اعتراض ۳ کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ جو منہ چاہیے۔

جواب چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لئے اسی کو چومتے ہیں مضمومات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورہ اعراف زیر آیت **بَدَتْ لَهُم مَّا سَوَّاهُمْ** میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب ان پر عتاب الہی ہوا وہ کپڑا تار لایا گیا۔ مگر انگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن چٹنی لباس ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود چٹنی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیوں کہ وہ اس چٹنی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضور آدم علیہ السلام کے لئے زمین پر آیا تھا اور طوقان لومی میں اٹھایا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا اسی طرح ناخن بھی اس چٹنی لباس کی یادگار ہے۔

بحث جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے با آواز بلند کلمہ طیبہ سب مل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو بھی منع کرتا ہوگا مگر پنجاب میں آکر معلوم ہوا کہ دیوبندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرتا ہوں اس بحث کے بھی دو باب لکھے جاتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

پہلا باب

جنازہ کے آگے کلمہ طیب یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازے کے آگے کلمہ طیب یا تسبیح و تہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیت و احادیث صحیحہ و اقوال فقہا شاہد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَيُّ يَذْكُرُونَ دَائِمًا عَلَى الْحَالَاتِ كُلِّهَا فَاتِمِّينَ وَقَائِدِينَ وَمُضْطَجِعِينَ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَخْلُو عَنْ هَذِهِ الْهَيْئَاتِ غَالِبًا

”آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔“
تفسیر ابواسعد میں اسی کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُ تَعْمِيمُ الذِّكْرِ لِلْأَوْقَاتِ وَتَخْصِيصُ الْأَحْوَالِ الْمَذْكُورَةِ لَيْسَ لِتَخْصِيصِ الذِّكْرِ لِرَبِّهِ فَإِنَّ الْأَحْوَالَ لَيْسَتْ إِلَّا هَذِهِ الثَّلَاثَةُ ثُمَّ لَمَّا وَصَفَهُمْ بِكُونِهِمْ ذَكِرِينَ فِيهَا كَانَ ذَلِكَ دَلِيلًا عَلَى كُونِهِمْ مَوَاطِئِينَ عَلَى الذِّكْرِ غَيْرِ فَاتِمِّينَ عَنْهُ

اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گذر چکا۔ ابن عدی نے کامل میں اور امام زہلی نے نصب الراية تخریج احادیث الہدایہ جلد دوم صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں لکھا ہے عَنْ ابْنِ عُمرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ يَسْمَعُ مَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَمْشِي خَلْفَ الْجَنَازَةِ إِلَّا قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُبْدِيًا وَرَاجِعًا اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو۔ پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔ تحذیر الخوارزمی روا الخطار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ پر ہے۔ وَلَكِنْ قِدَاعَتَادَ النَّاسُ كَثْرَةَ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفَعَ أَصْوَاتَهُمْ بِذَلِكَ وَهُمْ إِنْ مَنَعُوا أَبَتْ نَفْسُهُمْ عَنِ السُّكُوتِ وَالتَّفَكُّرِ فَيَقْعُونَ فِي كَلَامٍ بَنِيَوِيٍّ وَرُبَّمَا وَقَعُوا فِي عَيْبِهِ وَانْكَارِ الْمُنْكَرِ إِذَا قُضِيَ إِلَيْهَا مَا هُوَ أَعْظَمُ مُنْكَرًا كَانَ تَرْكُهُ أَحَبُّ لَآئِهِ إِنْ تَكَاَبَ ”بِاخْفِ الْمُضَرَّتَيْنِ كَمَا هُوَ الْقَاعِدَةُ الشَّرْعِيَّةُ

اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات و احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ہر حال میں ذکر الہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ اب کسی موقع پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث واحدہ اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء و بحال جناب و بحال حیض بھی تلاوت کے علاوہ تمام ذکر و دل کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جا رہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الہی جائز ہوا۔ قرآن فرماتا ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ”خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔“

اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فَالْمُؤْمِنُونَ يَسْتَأْنِسُونَ بِالْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ الَّذِي هُوَ الْإِسْمُ الْأَعْظَمُ وَيُجِبُّو استِمَاعَهَا وَالْكَفَّارُ يَفْرَحُونَ بِاللُّذْنِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِذِكْرِ غَيْرِ اللَّهِ

”جس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ ہم اعظم ہے) مسلمان اُس لیے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔“

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بھرا اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہذا ہر طرح جائز ہوا محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ۹ صفحہ ۹۹ میں بروایت حضرت انس ہے۔

اَكْثَرُ وَاَفَى الْجَنَازَةِ قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَكْتُوَةٌ كِتَابِ الدَّعَوَاتِ بَابِ ذِكْرِ اللَّهِ فِيهِ۔

إِنَّ اللَّهَ مَلَبِكَةٌ يَطْلُفُونَ فِي الطَّرِيقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ فَإِذَا وَجَدُوا أَهْلًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوا إِلَيَّ حَاجِبِكُمْ قَالَ فَيَحْفُو لَهُمْ بِأَجْنِبِهِمْ

”اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھران ذکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں ارج۔ لہذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔

مَكْتُوَةٌ اِی بَابِ مِیْن ہے۔“

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَمُوا قَالُوا وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ فَارْتَمَوْا قَالُوا وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ جَلَّتِ الذِّكْرِ

”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مَكْتُوَةٌ میں اسی باب میں ہے کہ

الشَّيْطَانُ جَائِمٌ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَاكَرَ اللَّهَ خَسَسَ

”شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ جاوے گا تو شیطان سے میت کو ام رہیگی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجبر کو دلائل ثابت کیا گیا۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ صدیقہ مدنیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبدالحی ناہلی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجبر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے یا کراہت تحریمی کی بناء پر۔ پھر فرماتے ہیں۔

لَكِنَّ بَعْضَ الْمَشَائِخِ جَوَزُوا الذِّكْرَ الْجَهْرِيَّ وَرَفَعُ الصَّوْتِ بِالْتَعْظِيمِ قَدَامَ الْجَنَازَةِ وَخَلَفَهَا لِتَلْقِيَنِ الْمَيِّتِ وَالْأَمْوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ وَتَسْبِيهِ الْعُقَلَى وَالظُّلَمَةِ وَرِطَالَةِ صُدَاءِ الْقُلُوبِ وَقَسْوَتِهَا يُحِبُّ الدُّنْيَا وَرَبَا سَبِيهَا

”یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی محبت دور ہو۔“

لواقع الانوار القدسیہ فی بیان العمود والحمد یہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

وَكَانَ سَيِّدِي عَلَى الْخَوَاصِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ إِذَا عَلِمَ مِنَ الْمَاشِيْنَ مَعَ الْجَنَازَةِ أَنَّهُمْ لَا يَتَرَكُونُ السَّعْوَةَ فِي الْجَنَازَةِ وَيَسْعَلُونَ بِأَحْوَالِ الدُّنْيَا فَيَنْبَغِي أَنْ تَأْمُرَهُمْ بِقَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ فَإِنَّ ذَلِكَ أَفْضَلُ مِنْ تَرْكِهِ وَلَا يَنْبَغِي لِلْفَقِيهِ أَنْ يُنْكِرَ ذَلِكَ إِلَّا بِنَصٍّ أَوْ إِجْمَاعٍ فَإِنَّ لِّلْمُسْلِمِينَ إِذْ ذُنُ الْعَامُ مِنَ الشَّارِعِ بِقَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ كُلُّ وَقْتٍ شَأْنٌ وَلِلَّهِ

الْعَجَبُ مِنْ عَمَى قَلْبٍ مَنْ يُنْكِرُ مِجْلَ هَذَا

حضرت علی الخو اس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ انکو گلہ پڑھنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ گلہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو گلہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔ ورنہ تعجب ہے، اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کر لے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عبودۃ المشرک میں فرماتے ہیں۔

وَلَا تُمْكِنُ أَحَدًا مِنْ أَخْوَانِنَا يُنْكِرُ شَيْئًا ابْتَدَعَهَا الْمُسْلِمُونَ عَلَى جَهَةِ الْقُرْبَةِ وَرَوَاهُ حَسَنًا لَا سِيَّمَا مَا كَانَ مُتَعَلِّقًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ كَقَوْلِ النَّاسِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَوْ قَرَاءَةَ أَحَدِ الْقُرْآنِ أَمَا مَهَا وَنَحْوُ ذَلِكَ فَمَنْ حَرَّمَ ذَلِكَ فَهُوَ قَاصِرٌ عَنْ فَهْمِ الشَّرِيعَةِ

”ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ پید پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت کے سمجھنے سے قاصر ہے۔“

پھر فرماتے ہیں۔ وَكَلِمَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ الْكَبِيرُ الْحَسَنَاتِ فَكَيْفَ يَمْنَعُ مِنْهَا وَتَأْمَلُ أَحْوَالَ غَالِبِ الْخَلْقِ الْآنَ فِي الْجَنَازَةِ تَجِدُهُمْ مَشْغُولِينَ بِعَهْدَاتِ الدُّنْيَا لَمْ يَعْبُرُوا بِالْمَيِّتِ وَقَبْلَهُمْ غَافِلٌ عَنْ جَمِيعِ مَا وَقَعَ لَهُ بَلْ رَأَيْتُ مِنْهُمْ مَنْ يَضْحَكُ وَإِذَا تَعَارَضَ عِنْدَنَا مِثْلُ ذَلِكَ وَكُنْ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَمْنَا ذِكْرًا لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ كُلُّ حَدِيثٍ لِقَوْلِ أَوَّلَى مِنْ حَدِيثِ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا فِي الْجَنَازَةِ فَلَوْ صَاحَ كُلُّ مَنْ فِي الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَلَا إِعْتِرَاضَ

یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ تمام نیکیوں میں بہترین کی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب حالت ہیں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہشتے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کر کے یہ گلہ پہلے زمانہ میں میت کیساتھ پکار کر نہیں پڑھا جاتا تھا۔ اس کے ناجائز ہو نہ کا حکم دینا درست نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے بلکہ دنیا داروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہشتے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

الْجَزَامُ فِيهِ تَنْزِيهَةٌ

”جب فقہاء مکروہ فرما دیں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دلیل میں نظری کیاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہت تنزیہی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرما دیں تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی۔ اور جن فقہاء نے بھی اس ذکر بالجبر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّهُ لَا يَجِبُ الْمُعْتَدِينَ اللَّهُ حَذَّرَهُ مِنْ جَزَائِهِمْ وَهُوَ عَزِيزٌ

یعنی بلند آواز سے دعا کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہذا یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شعرانی نے عمو و مشائخ میں اسی ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا وَقَدَرَجَّحَ الشُّرُوءُ أَنَّ

الْكَلَامَ خِلَافَ الْأُولَىٰ امام نووی نے اس کو ترجیح دی کہ جنازے کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں۔ شرح طریقہ عمدہ نے بیان فرمایا وَهُوَ يُكْرَهُ عَلَىٰ مَعْنَىٰ أَنَّهُ تَارِكُ الْأُولَىٰ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے بایں معنی کہ خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہر حال مانتا پڑے گا کہ جن فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اُس زمانے کیلئے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں جو بھی جنازے کے ساتھ جاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اس سے عبرت پکڑتا تھا اہل میت کے ساتھ رنج و غم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی مدعی بھی یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کر لیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَإِذَا حَمَلْتُ إِلَى الْقَبْرِ جَنَازَةً فَأَعْلَمُ بِأَنَّكَ بَعْدَ هَا مَحْمُولٌ

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جایا جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلاف حکمت تھا کہ بات کرنے میں دھمیاں بٹے گا۔ اور دل اور طرف متوجہ ہو جاوے گا۔ لہذا فقہاء نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب الاذکار معنفہ امام نووی باب ما یقول الماشی مع الجنازہ میں ہے۔

وَالْحِكْمَةُ فِيهِ ظَاهِرَةٌ وَهِيَ أَنَّهُ اسْكُنْ لِخَاطِرِهِ وَاجْتَمِعْ لِقَبْرِهِ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْجَنَازَةِ وَهُوَ الْمَطْلُوبُ فِي هَذَا الْحَالِ

مٹھو باب دفن الامیت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لئے گئے۔ وَجَلَسْنَا مَعَهُ كَانَ عَلَىٰ رَفْئِصِنَا الطَّنْبُرُ تیاری قبر میں دیر تھی تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا ہے تاکہ آواز سے پرندے اڑ نہ جاویں اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دنیاوی باتیں ہنسی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گپیاں اڑاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغلہ کر کے دل بہلاتے ہیں ان کو ڈر الہی میں مشغول کر دینا ان بیہودہ باتوں سے بہتر ہے۔ لہذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر رہے وہ جاہل ہے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عمو و مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَأَمَّا لَمْ يَكُنِ الْكَلَامُ وَالْقِرَاءَةُ وَالذِّكْرُ أَمَامَ الْجَنَازَةِ فِي عَهْدِ السَّلَفِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَمَاتَ لَهُمْ مَيِّتٌ مِنْ غَيْرِهِ فَكَانُوا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى النَّطْقِ الْكَثِيرِ لِمَا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ خَرَسَتْ أَلْسِنُهُمْ عَنْ كُلِّ كَلَامٍ فَإِذَا وَجَدْنَا جَمَاعَةً بِهَذِهِ الصِّفَةِ فَلَا يَأْخِذُ عَلَيْنَا أَنْ لَا تَأْمُرَهُمْ بِقِرَاءَةٍ وَلَا ذِكْرِ

”گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا ذکر کرنا اس لئے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا تھا تو سارے شرکاء رنج و غم میں شریک ہو جاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قربت اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر ان کو قدرت نہ رہتی تھی۔ اور ان کی زبانیں گوئی ہو جاتی تھیں۔ اگر ہم آج اس صفت کے لوگ پالیں تو ہم ان کو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم ندیں گے۔“

سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کہنے کیا آج کل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بحیری شرح اقتضاع کے حاشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں۔

قَوْلُهُ "وَكَرِهَ لَفْظُ" فِي الْجَنَازَةِ قَوْلُهُ "لَفْظُ" أَيْ رَفَعَ صَوْتٌ وَلَوْ بِقِرَآنٍ أَوْ ذِكْرِ أَوْ صَلَوةٍ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهَذَا بِإِوْتَابٍ مَا كَانَ فِي الصَّدْعِ الْأَوَّلِ وَالْأَقْلَانِ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ شِعَارُ الْمَيِّتِ لِأَنَّهُ تَرَكَّهُ مَزْدَرِيَّةً بِهِ وَلَوْ قِيلَ بِوُجُوبِهِ لَمْ يَتَعَدَّ كَمَا نَقَلَهُ الْمُدَائِنِيُّ

یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا درود خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے ہے جو کہ پہلے زمانے میں مسلمانوں کی تھی۔

مام شمرانی نے محمود شائع میں فرمایا۔

فِيمَا أَخَذْتُهُ الْمُسْلِمُونَ وَاسْتَحْسَنُوهُ قَوْلُهُمْ أَمَامَ الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَوْ وَسَيَلْنَا يَوْمَ الْعَرَضِ عَلَى اللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَتَخَوَّذْتُ لِكَ فَمِثْلُ هَذَا لَا يَجِبُ انْكَارُهُ فِي هَذَا الزَّمَانِ لِأَنَّهُمْ إِنْ لَمْ اسْتَعْمَلُوا بِذَلِكَ لَأَنْ قَبْلَهُمْ قَارِعٌ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ رَأَيْتُ بَعْضَهُمْ يَضْحَكُ أَمَامَ الْجَنَازَةِ وَيَمْنَحُ

در اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ذکر بالجبر میت کی علامت ہے اس کے چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہذا اس کو اگر ضروری بھی کہا جاوے تو بھی بعید نہیں ہے جیسا کہ مدافعی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے جس کام کو اچھا سمجھا کرا پیدا کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یا یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یا اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیوں کہ اگر وہ لوگ اس ذکر میں مشغول نہ ہوئے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں۔ بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کے آگے ہشتے ہوئے مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام شمرانی قدس سرہ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اُس سے بدر حال آج کل ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں درجہ کی لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ زمین پر لگیں کھینچ کر کنکروں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تھپتھپانے والے کھینچ کر کنکروں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تھپتھپانے والے کھینچ کر کنکروں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تھپتھپانے والے کھینچ کر کنکروں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔

لطیفہ مخالفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سننا، ناہموگوں کے اُس میں بھی مذاق کرنے کو نہ منع کرتے ہیں نہ اُس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الٹی لوگا کیوں بدی ہے کہ کلام، بانی، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ، خدا سمجھو۔

نوٹ ضروری شاید کوئی کہے کہ اسلام احکام تو کبھی بدلے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟

اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی ملت کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کہ اوّل زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اولیاء اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرور نماز زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پڑھنا عسکریں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن میں آیات اور کوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا لیکن اب عوام کے فائدے کے لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب آداب المصنف میں ہے۔

لَا بَأْسَ لِكِتَابَةِ اسْمِ السُّورِ وَعَدِّ الْآيِ وَهُوَ وَإِنْ كَانَ إِحْدَانًا فَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ كَانَ إِحْدَانًا وَهُوَ حَسَنٌ وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِإِخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ

"سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔"

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کھانا اور وغیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جارہا ہے لہذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لئے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خوانی میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے یافتوں میں شرکت کر لیں جائز ہے۔ چنانچہ در مختار فن میت کی بحث میں ہے۔

وَلَا تَأْسَ بِتَقْلِهِ قَبْلَ دَفْنِهِ وَبِالْإِعْلَامِ بِمَوْتِهِ وَبِإِزِيدِهِ بِشَعْرِهِ أَوْ غَيْرِهِ

یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو غسل کرنا اس کے جنازے کا اعلان کرنا، میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اسکے سوا جائز ہے۔
اس کی شرح شامی میں ہے۔

إِنِّي إِعْلَامٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِيَقْضُوا حَقَّهُ وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ أَنْ يُنَادِيَ عَلَيْهِ فِي الْأَقْلَةِ وَالْأَوَّاقِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُ تَنْوِيهِ "بِدُكْرِهِ"

یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تاکہ لوگ اس میت کا حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا ہے یہ کہ گلی کو چوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا جاوے اور صحیح ہی ہے کہ اعلان مکروہ نہیں ہے جب کہ اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔

جبکہ اعلان جنازہ کے لئے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس بجز کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ ہے جبکہ اس سے فائدہ خاص ہو تو جائز ہے۔ اسی لیے علامہ شامی نے اسی بحث میں تارخانیہ سے نقل کیا۔

وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ الْجَنَائِزِ فَيَحْتَمِلُ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ النَّوْحُ أَوِ الدُّعَاءُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلَاةَ أَوِ الْإِفْرَاطَ فِي مَدْحِهِ كَعَادَةِ الْجَاهِلِيَّةِ بِمَا هُوَ يَسْبِيهَا الْمُحَالُ وَأَمَّا أَصْلُ النَّشَاءِ عَلَيْهِ فَغَيْرُ مَكْرُوهٍ

”لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد نوحہ کرنا یا میت کے لئے نماز شروع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ مکروہ ہے۔“

حاصل یہ کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور با فائدہ ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے فی زمانہ اس میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کر دیئے گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت خاص اہل علم کو ہے۔ اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو نان کو منع نہ کیا جاوے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الہی سے نرو کو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الہی سے بے رغبت ہیں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ در مختار باب صلوة العیدین میں ہے۔

وَلَا يُكْرَهُ فِي طَرِيقِهَا وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلُهَا مُطْلَقًا وَكَذَا لَا يَتَنَفَّلُ بَعْدَهَا فِي مُصَلًّا فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ "عِنْدَ الْعَامَّةِ"

عید گاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ عید سے پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عید گاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

هَذَا لِلْخَوَاصِّ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَمْنَعُونَ مِنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنْفَلٍ أَصْلًا لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ

”یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عام کو اس سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کا خیر میں کم ہے۔“

اس کے ماتحت شامی میں ہے **أَنْ لَا يَسِرَّ أَوْ لَا يَجْهُرُ فِي التَّكْبِيرِ** یعنی اُن کو آہستہ اور بلند آواز سے تکبیر کہنے سے نرو کا جاوے۔ نیز ہم ذکر بالجہر کی بحث میں بحوالہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہیں کیا ان کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں۔ ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر خواص کو کسی خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں۔ اسی لیے فقہاء نے تو یہ فرما دیا کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اذکار تو یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے وہم یہ کہ پہلے زمانہ کے لئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ علت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان الہذا فائدہ مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔

اعتراض ۲ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چیختے جاتے ہیں ”رام رام ست ہے“ اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت نا جائز ہے لہذا یہ منع ہے۔

جواب کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور ہم خدا کے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار رنگارنگ سے گڑگا کا پانی لے کر آتے ہیں۔ ہم مکہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کہ کفار کے قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں آگ رکھا فرمیں اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں۔ تو شوق سے پڑھیں یا چمکا کام ہے۔ اور اچھے کام میں مشابہت بُری نہیں ہوتی۔“

راستہ میں کلمہ طیبہ آواز سے پڑھنا بے ادبی ہے کیوں کہ وہاں گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہذا یہ منع ہے۔

جواب

یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے جیسے کہ پاخانہ یا گھورا (ردی) شامی بحث قرعت عند المسیت میں ہے۔ **وَلَوْ فِي الْفَسَنَةِ لَأَنَاسَ بِأَلْقَرِهِ وَآيَكِبَا أَوْ مَا شِئَا إِذَا لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ الْمَوْضِعُ مُعَدًّا لِلنَّجَاسَةِ** سوار یا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جبکہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن بغل میں لے کر راستے سے گزرنا ناجائز ہے اور تکبیر تحریق کہتا ہوا جاوے۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔

وَيُكْبَرُ جَهْرًا اتِّفَاقًا فِي الطَّرِيقِ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔ حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب الصلوٰۃ والتسبیح میں اور عمدة الابرار مجموع النوازل، خانیا، سراچیہ، ملتقط جنیس وغیرہ میں ہے۔ **وَأَمَّا التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ لَأَنَاسَ بِذَلِكَ وَإِنْ رَفَعَ صَوْتَهُ** حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے بھی جائز ہے۔

اعتراض ۴

جنارے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈر جاتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو موت یاد آ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں لہذا بقاعدہ طہی یہ بھی منع ہونا چاہئے۔

جواب

قرآن فرماتا ہے **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ** اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں مسلمانوں کو تو اس سے چین اور راحت ہوتی ہے۔ ہاں کفار ڈرتے ہوں گے۔ اُن کو ڈرنے و کفار تو اذان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا اُن کی وجہ سے اذان بندی جاوے گی۔ ہاں اگر کسی حاذق طیب نے لکھا ہو کلمہ طیب کی آواز دبا کے اسباب میں سے ہے تو پیش کیا جاتے لیکن وہ طیب مسلمان اور حاذق ہو۔ کوئی دیوبندی یا کہ وہی طیب نہ ہو وہی باتوں کا اعتبار نہیں۔ ثابت ہوا کہ نیت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باعث برکت ہے۔ مخالفین کے پاس سحر غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض قوی نہیں۔ **وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى ذَلِكَ**

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک جس قدر مسائل میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دار و مدار نہیں صرف کراہت اور احتباب میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بناء پر عرب و عجم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں اور ہر ایک کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں اُن کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے اگر کوئی صاحب غلط ثابت کریں تو وہ انعام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا اسرار تھا کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کر دی جاوے مگر اس وقت کا غرض دستیاب نہیں ہوتا۔ لہذا ہم ان شاء اللہ عزوجل اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان عقائد سے ہی بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

اسلامی عقائد

دیوبندی عقائد

جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے **وَمَنْ أَضْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا** (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہذا خدا کے لئے سکنا کہنا بے دینی ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ امکان کذب) براہین قاطعہ مصنف مولوی غلیل احمد صاحب ایٹھوی جہد المقل مصنف محمود حسن صاحب۔

خدائے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم انکی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے جب معلوم کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم غیبیہ عطا کیئے۔ (قرآن کریم)

(۲) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کر لے۔ کسی ولی تعالیٰ جن فرشتے جھوٹ کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی (تقریر ایمان مصنف مولوی غلیل صاحب دہلوی)

خدائے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب و مابیت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزاء سے بنا ہے اُس کو دیوبندیوں نے بھی پیغمبری میں کفر لکھ دیا (کتاب علم کلام)

(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور مابیت سے پاک ماننا بدعت ہے۔ (ایضاح الحق مصنف مولوی غلیل صاحب دہلوی)

خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس کا عمل واجب اور قدم ہے جو ایک آن کے لئے کسی چیز سے اس کو بے علم مانے بے دین ہے۔

(۴) خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی۔ جب بندے اچھے یا برے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ بلغۃ الخیر ان صفحہ ۵۷ زیر آیت

إِلَّا عَلَ اللَّهِ رِزْقَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ

(مصنف مولوی حسین علی صاحب پھر انوار شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)

(عام کتاب عقائد) دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کریں تو کیا تعجب ہے۔

خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی، بروزی، مراقی، مذاقی کا نبی دنیا محال بالذات ہے۔ اسی معنی پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہی معنی حدیث نے بیان فرمائے جو اس اس معنی کا انکار کرے وہ مرتد ہے۔ (جیسے قادیانی اور دیوبندی)

(۵) خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں لیکن یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجاویں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آویگا۔ (تقدیر الناس مصنف مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)

<p>کوئی غیر نبی خواہ والی ہو یا نوح یا صہابی کسی کمال علمی و عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غیر صہابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ صہابی کا کچھ بخیرات کرنا ہمارے صداہ من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (حدیث)</p>	<p>(۶) اعمال میں بظاہر امتیازی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔ (تخذیر الناس منصف مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)</p>
<p>رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اُس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین علیہ السلام ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے۔ (دیکھو سال انتاع اطہر معتمد مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی)</p>	<p>(۷) حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے۔ (یکروزی منصف مولوی اسلمیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۴۳)</p>
<p>حضور علیہ السلام کو الفاظ عام سے پکارنا حرام ہے اور اگر یہ ضیعت حقارت ہو تو کفر ہے۔ (قرآن کریم) یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے۔ نسبت خود بہ سکت کر دم و بس منقطع زانکہ نسبت بہ سب کوئے تو شد بے اولی است</p>	<p>(۸) حضور علیہ السلام کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں۔ (برائین قاطعہ منصف مولوی خلیل احمد صاحب وقوفہ الایمان منصف مولوی اسلمیل صاحب دہلوی)</p>
<p>جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے۔ (دیکھو شریف) حضور علیہ السلام تمام مخلوق الہی میں بڑے عالم ہیں۔</p>	<p>(۹) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ (برائین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب)</p>
<p>حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو اڈے چیزوں سے تشبیہ دینا اُن کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے۔</p>	<p>(۱۰) حضور علیہ السلام کا علم سچوں، پاکوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے۔ (حفظ الایمان منصف مولوی اشرف علی صاحب)</p>
<p>رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے دین ہے۔</p>	<p>(۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آگیا۔ (برائین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب)</p>
<p>رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِبُهَا پھر فرماتا ہے الْعِزَّةُ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَالْمُؤْمِنِينَ نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خوچ ہمارے ذلیل ہے۔</p>	<p>(۱۲) ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چھارے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان منصف مولوی اسلمیل صاحب)</p>
<p>جن نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی ناقص ہے اسی لیے التعمیبات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یا نہ ہو نماز ہو۔ (دیکھو بحث حاضر و ناظر)</p>	<p>(۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گمراہی اور تیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا (صراط مستقیم منصف مولوی اسلمیل دہلوی)</p>

(۱۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پہلے صراط پر لے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جا رہے ہیں تو میں نے حضور علیہ السلام کو گرنے سے روکا۔
(بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)

حضور علیہ السلام کے بعض غلام پہلے صراط سے بجلی کی طرح گزر چائیں گے۔ اور پہلے صراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کے مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دعا فرمائیں گے **رَبِّ سَلِّمْ** (حدیث)

جو کہے میں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر گرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے۔

(۱۵) مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کمسن شاگردنی سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے اُن کے کسی مرید نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضور عائشہ صدیقہؓ آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی کمسن عورت میرے ہاتھ آوے گی کیونکہ حضور عائشہ صدیقہؓ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڑھا ہوں اور بیوی لڑکی ہے۔
(رسالہ مدار، مسند مولوی اشرف علی صاحب ماہ فروری ۱۳۳۵ھ)

حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں (قرآن کریم) خصوصاً صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان ہوں کوئی کمسن آدمی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جو رو سے تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخت توہین بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے اس سے زیادہ اور کیا ہے ایمانی اور بے غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو جو رو سے تعبیر دی جاوے۔

عقائد دیوبند کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کئے جاویں تو اس کے لئے دفتر چاہئے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عظام ہی پر جہز کیا۔ مگر دیوبندیوں کے قلم سے نہ خدا کی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نذر اوج مطہرات سب کی اہانت کی گئی اور اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا ہم اُن کے غلامان غلام اپنی صدیقہ ماں کے لئے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لیے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تاکہ مسلمان اُن سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میرے شاگرد و صاحبزادے بلند اقبال عزیزی مولوی سید محمود شاہ صاحب سلمہ کا اسرار تھا کہ امکان کذب، امکان نظیر، دیوبندیوں کی عبارات کی توضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لیے دیوبندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکہ الا را تحقیق کریں گے جس سے علمائے دیوبند کی منطق دانی کا بھی انشاء اللہ پتہ چل جائیگا اور مولوی حسین احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجیہات عبارات کی ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جاوے گی ان شاء اللہ ہم اہل سنت پر الزام ہے کہ ہم لوگ جہر پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام کو اور اپنے پیروں کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔ لہذا مشرک ہیں ہم دکھاتے ہیں کہ دیوبندی کس وجہ کے جہر پرست ہیں اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے۔

شعر تمہاری تربت انور کو دیگر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار آئیں مری دیکھی بھی نادانی

مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب ارنی فرمانے والے مومن ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں شیخ کو رب بتایا۔ اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

شعر زبان پر اہل آہوا کی ہے کیوں اہل تخلفن شاید
اتھا دنیا سے کوئی باقی اسلام کا جانی

اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو باقی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی کہا گیا پھر فرماتے ہیں۔

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہئے جب کیا ہے
شہادت نے تجھ میں قدم پوی کی گر شانی

اس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بتایا۔ پھر فرماتے ہیں

شعر توحید اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا اُن کا لقب ہے یوسف جانی

مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے ماشاء اللہ ایسے حسین ہیں کہ اُن کو یوسف جانی کا لقب دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ از خدا تا فاروق کونسا درجہ باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی قاطبی دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم!

اس شعر میں مولوی صاحب نے حضرت روح اللہ صلی علیہ السلام کو اپنے مرشد سے مقابلہ کا چیلنج دیا ہے کہ اے نبی صلی علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی کیا یعنی مردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے مرشد احمد نے دو کام کیے مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں مرشد احمد صاحب کو نبی صلی علیہ السلام سے افضل بتایا۔

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت میں اس طرح کلمہ پڑھا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْرَفَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہی منہ سے نکلا تھا پھر بیدار ہو گیا۔ تو درود و شریف پڑھا تو یوں **لِللّٰهِمْ صَلِّ عَلَىٰ عِبِيدِنَا وَنَبِيِّنَا أَشْرَفَ عَلَيْنَا** بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے۔

اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلی قحی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بوعبدی تعالیٰ قبیح سنت ہے۔ ۲۳ شوال ۱۳۳۵ باختوار سالہ مدابابت ماہ صفر ۱۳۳۵ھ صفحہ ۳۵ غور کرنا چاہئے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھ لو اور ان پر درود پڑھو مگر بے اختیار ہی زبان کا بہانہ کر دو۔ سب جائز ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا طلاق ہو جاتی ہے۔ یہ بہانا کافی مانا گیا۔ اور اس کو پھر کے قبیح سنت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا۔ تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۶ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بیاد حج اپنے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اٹھو تو اس قائل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکا دے۔ اس کے مہمان علماء (بجی دیوبندی) ہیں اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا۔ (چشم بدوڑ)

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کا داہنا ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑ کر امور قدسیہ سے بہت بلند اور نادر چیزیں ان کے سامنے پیش کیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا سید احمد صاحب کو حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگرچہ وہ لکھو کھکھائی نہ ہوں ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔ اسی صراط مستقیم میں اولیاء کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیوں کہ ان کے درمیان بھی **مِنْ وَجْهِ** نبوت کا علاقہ ہے۔ اور **مِنْ وَجْهِ** اخوت کا یعنی اولیاء اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ کہتے آج تک کسی مرید نے اپنے پیر و مرشد کے لئے ایسی تحلیاں نہ کی ہوں گی۔ مگر ان حضرات پر فتویٰ شرک ہے نہ حکم کفر نہ یہ قبر پرست کہلائیں۔ جو کچھ عرض کیا گیا۔ نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اظہار منظور ہے نہ اپنی قابلیت دکھانا مقصود۔ میں کیا اور میری لیاقت کیا اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی داستانِ قبلۃ عالم حامی دین، ناصر مسلمین مولانا الحاج سید محمد نعیم قدس بن صاحب قبلہ مراد آبادی دام ظلم اللہ قدس کے در کا صدقہ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے دوست و دشمن کو پچھانیں، دولت ایمان کو دینی راہزموں سے محفوظ رکھیں اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں اور جو بھی اس سے فائدہ اٹھائے۔ اس فقیر بے نوا کے لئے دعائے حسن خاتمہ کر لے۔ مولے تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرمادے۔ مسلمانوں کو راہ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرمادے۔ **أَمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ بِجَاهِ حَبِيبِكَ الرَّؤُوفِ الرَّحِيمِ الْكَرِيمِ**

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

ناجیز احمد ہار خان نصی اشرفی اور جہانوی بدایونی سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان ۶ یقعد روز ایمان سا فرزد و شنبہ مبارک ۱۳۶۱ھ اس کتاب کو لکھ چکے کے بعد حضور امیر ملت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلمہم کا گرامی نامہ تشریف لاکر باعث عزت افزائی ہوا۔ جس میں ایک ایمان افروز نہایت باریک علمی نگاشت ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور مجھے حکم ملا کہ وہ کتاب میں لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے یہ چیز ناظرین کرتا ہوں۔ جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشر کہتے ہیں وہ نور ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو ایمان سے بالاتر ہے۔ جس چیز کو اس ذات گرامی سے نسبت ہو جاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا وہ بے مثل ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اے نبی کی بیویاں اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات بے مثل بیویاں ہیں۔ اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو۔ معلوم ہوا کہ نسب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبرانور کی زمین بیشل زمین، جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ السلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ غرہ کہ جس کو اس ذات کریم سے نسبت ہوگئی وہ بے مثل وہ بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یہ ساری بھاری ہے وہ بے مثل نہ ہوں۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

مرین از یک نسبت عیسے عزیز	از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشمہ حَمَّةٌ لِلْعَالَمِیْنَ	آں امامِ اوّلین و آخرین
بانوئے آں تاجدارِ گلِ اُفتی	مر تفضی مشکل کشا شیرِ خدا
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق	مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق!
روحِ آمینِ حق زنجیرِ پاست	پاس فرمانِ جنابِ مصطفیٰ است
ورنہ گردِ جو پیشِ گردیدے	سجدِ ہابرِ خاکِ دے پاشیدے

فاطمہ زہرا اس لیے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی، ولی کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا سبحان اللہ کیا طرزِ استدلال ہے! علی حضرت قدس سرہ نے خوب فرمایا۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ!	ان سائیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ	ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

قہرِ کبریا بر منکرین عصمتِ انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہائی اور توہینِ انبیاء نے لوگوں کو بارگاہِ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دلیر کر دیا۔ ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا۔ جو انبیاء کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کا فر بھی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خاشا بدہن پہلے مشرک و کفار تھے۔ اور گناہ کیا کر کے مرکب بھی۔ پھر تو یہ کر کے نئی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ ادراق جس سے ان عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور ناز کرتا ہوں کہ میری عزت و آبرو زبان و قلمِ عظمتِ انبیاء کے لئے ڈھال بنے سیدنا حسان نے کیا خوب فرمایا۔

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَتِي وَ عَرَضِي لِعَرَضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وَقَاءَ

یہ رسالہ بہت دن ہوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جاہِ الحق کے دوسرے ایڈیٹرن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافعِ خلایق بنائے انہیں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔

مقدمہ گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک، کفر، کبائر، پھر صغائر و دھم کے بعض وہ جو نہایت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں، جیسے چوری، کم تولنا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عمدہ اور سہوہ۔ نیز انبیاء کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد انبیاء کرام مشرک، کفر بدعتیہ کی گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بغضِ تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمدہ سہوہ ایک آن کے لئے بھی بدعتیہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہونے ہی ساقِ عرش پر لکھا ہوا پایا۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ** اس سے آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر اسٹاڈ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے ہی فرمایا۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي أَلْكَتُبُ وَ جَعَلَنِي نَبِيًّا (پارہ ۱۶ سورہ ۱۹ آیت ۳۰) میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

نیز فرمایا۔ **وَأَوْضَيْتُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَ بَرَأَ بَوَالِدَتِي** (پارہ ۱۶ سورہ ۱۹ آیت ۳۱)

”یعنی مجھے تین حیات نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کر نیوالا بھی ہوں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقتِ پیدائش ہی حکمتِ نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے تھے اور حکمتِ عملی تہذیبِ اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافرقوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ آفتاب و چاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدلنے کو انکی تخلیق کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا **هَذَا رَبِّي** اے کافرو کیا رب میرا یہ ہو سکتا ہے؟ اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا **لَا أُحِبُّ إِلَّا فَلِينَ** کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا بچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بڑی سینا اور فارابی کی ساری منطقِ قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ **الْعَالَمُ مُتَغَيِّرٌ حَادِثٌ لِهَذَا الْعَالَمِ حَادِثٌ** پھر

یوں کہتے ہیں کہ **الْعَالَمُ حَادِثٌ وَلَا شَيْءٌ مِنَ الْحَادِثِ بِمَعْبُودٍ** اس طرز استدلال کو رب نے پسند کی سند بخش کر فرمایا **وَبَلَّغْ حُجَّتَنَا آتِنَا هَآ اٰیٰتِهِمْ عَلٰی قَوْمِهِ** حضور سید الانبیاء ﷺ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی

(مدارج و مواہب) معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر اسطو و افلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے

فرمایا۔ **مَا خَلَقْنَا لِهٰذَا اِهْمَاسَ لِهٰذَا** اہم اس لئے پیدا نہیں ہوئے رب نے انکی تائید یوں فرمائی کہ **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ** خود فرماتے ہیں ﷺ **كُنْتُ نَبِيًّا وَ اَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّينِ** ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔

تفسیرات احمدیہ میں **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** کی تفسیر فرماتے ہیں۔ **اِنَّهُمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَ بَعْدَهُ** باجماع انبیاء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصری گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں انکا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہو سکتا رہے گناہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام ارادۂ گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد۔ ہاں لسانا صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کروایا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

گناہ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دانات اور چھوٹے پرن پر دلالت کریں اور وہ صغائر و ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے احکام تبلیغیہ ان میں کی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہی تو جان بوجھ کر صادر ہونہ خطا یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لئے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اسکے بعد آپ نے کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عہد انہیں کیا۔ چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** کی تفسیر میں ہے **لَا خِلَافَ لِأَحَدٍ فِي أَنَّ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يُرْتَكَبْ صَغِيرَةٌ وَلَا كَبِيرَةٌ طُرَفَتَهُ عَيْنَ قَبْلِ الْوَحْيِ وَبَعْدَهُ أَبُو حَنِيفَةَ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ** تفسیر روح البیان آیت **مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ** کی تفسیر میں ہے۔

يَذُلُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَبْلَ لَهُ هَلْ عَبْدٌ وَثَنَا قَطُّ قَالَ لَا قِيلَ هَلْ شَرِبْتَ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُ أَنَّ الَّذِي هُمْ عَلَيْهِ كُفَرٌ

”یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔“

پہلا باب

عصمت انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع امت و لاکھ عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہ ہی کرے گا۔ جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات -

(۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَنٌ ”اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں۔“

(۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ۔

لَا أُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدِي وَكَسْطُهُمْ أَكْثَلِينَ ”کدے موٹی میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا سوا تیرے خاص بندوں کے۔“

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر سرزد ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں (۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ”ہم گمراہ انبیاء کیلئے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں۔“

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكَكُمْ إِلَيَّ مَا أَنْتُمْ عَنْهُ (پارہ ۱۲ سورہ ۱۱ آیت ۸۸)

”میں اسکا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خود کرنے لگوں۔“

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہی عصمت کی حقیقت ہے۔

(۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا **وَمَا أُبْرِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَزَّجَنِي رَبِّي**

”یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرت ہیں سوا ان نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔“

معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں۔

(۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے **إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ** جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام

سارے جہان سے افضل ہیں تو ملائکہ معصومین بھی داخل ہیں۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ **لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ** وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَا يَسْأَلُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا معلوم ہوا کہ فحش و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا۔

لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَ لَكِنِّي رَسُولٌ ”مَنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت ۶۱)

”اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العالمین کا رسول ہوں۔“

لَكِنِّي سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث -

(۱) مشکوٰۃ باب الصوم میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

(۲) ہی مشکوٰۃ باب الصوم میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے مگر علی علیہ السلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ رکھا معلوم ہوا کہ یہ دو بچہ غیر شیطانی دوسرے محفوظ ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب الفضل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا کہ انہیں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی بیبیاں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

(۴) انبیاء کرام کی بھائی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اس وقت لاحول پڑتے ہیں۔

(۵) مشکوٰۃ شریف علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سیدہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیر شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے ماہِ زمزم سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا جن پر بغیر کسی نظر کرم ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھا۔

اقوال علماء امت ہمیشہ سے امت مصطفیٰ ﷺ کا عصبت انبیاء پر اجتماع رہا سو فرقہ ملعونہ حشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فیقاہ اکبر تفسیرات احمدیہ تفسیر روح البیان، مدارج النبوة، مواہب لدیہ، شفا شریف، تہذیب الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ الْآيَةُ كِي تَفْسِيرٍ مِّنْ هٰۤی فَاِنَّ اَهْلَ الْوُصُولِ اِجْتَمَعُوا عَلٰی اَنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كَانُوا مُتَوَمِّنِينَ قَبْلَ الْوَحْيِ مَعْصُومِينَ مِنَ الْكِبَائِرِ وَمِنَ الصَّغَائِرِ الْمَوْجِبَةِ لِنَفْسِهِ النَّاسِ عَنْهُمْ قَبْلَ الْبَعْثِ وَبَعْدَهَا فَضْلًا عَنِ الْكُفْرِ

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان صفات سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی چاہے کفر۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

اِنَّهُمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهُ بِالْاِجْمَاعِ وَكَذَا عَنِ تَعَمُّدِ الْكِبَائِرِ عِنْدَ الْجُمْهُورِ

”انبیاء کرام کفر سے قبل وحی اور بعدہ بالا اتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔“

غرض کہ امت مرحومہ کا اجماع انبیاء کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اسکے لئے زیادہ عبارات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیاء کرام کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے۔

(۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شی کیا غوا سے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اثر سے محفوظ ہیں۔ جب یہ تینوں وجوہیں نہیں تو اب ان سے کفر اور فسق کیونکر سرزد ہو۔

(۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہر حال انکی فرمانبرداری کی جائے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

(۴) فاسق کی بات بلا تحقیق نہ مانتی چاہیے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اِنْ جَاءَ كُمْ فَاَسِيقٌۢ بِبَنَیۡۤیۡنَۨ فَتَّبِعُوْهُ** اور نبی کی ہر بات مانتی فرض ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **مَا كَانَ لِمُنۡوِنٍۭ وَلَا مُنۡوِیۡنَۨ اِذَا قُضِیَ وِرۡسُوْلُهٗۤ اَمۡرًاۢ اَنْ یَّكُوۡنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ** اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا اسی منکی ہوں تو ان بات بلا تحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ مانتا بھی۔ اور یہ اجتماع تعینین ہے۔

(۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے اسی لئے وہ حزب العیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان خوش اسی لئے وہ حزب اللہ سے ہے اگر بغیر ایک آن کے لئے بھی گنہگار ہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گی اور یہ ناممکن ہے۔

(۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیۡنَ كَالْفُجَّارِ** اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا اسی منکی کر رہا ہو تو لازم آدیکہ امتی اس گھڑی نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے کہ کوئی امتی ایک آن کے لئے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

(۷) بدعتیہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے۔

”مَنْ وَفَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَنۡكَرَ عَلٰی عَدَمِ الْاِسْلَامِ“ جس نے بدعتیہ کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۔

اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَتَعَزَّوْهُ وَتَنْوِقُرُوْهُ** اگر نبی ایک آن کے لئے بدین ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی ہو

اور حرام بھی۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلہ سے ہے رب فرماتا ہے **وَلَوْ أَنَّهُمَا ذَا ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَانُوكَ** (الآیہ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہ مصطفویٰ میں حاضر ہو کر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر اکش بد بھن آپ کا دامن عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا؟ اور کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی۔ جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہوا گروہ بھی گنہگار نہ ہو تو پھر ترجیح بلا مرجح کا سوال پیدا ہوگا اور دور یا تسلسل لازم ہوگا۔

(۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہ موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیورات کا بکس بھی قیمتی دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا **اللّٰهُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجٰلُ رَسَالَتُہٗ** اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق و افاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیاء کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صد ہا گواہوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابو خزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہ ہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت جنت و دوزخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے اونٹ لیا ہے۔ جس کے نعام میں حضور نے ان ایک کی گواہی دو کے برابر کر دی۔

دوسرا باب

عصمت انبیاء پر اعتراضات وجوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کئے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود داغ ہو جائیں گے وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی و اجمالی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احادیث ہیں وہ قبول نہیں۔ راوی کو چھوٹا ماننا۔ پیغمبر کو گناہ گار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب الاول ہیں۔ کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ واقعات عطاے نبوت سے پہلے کے تھے۔ تفسیرات احمدیہ آیت لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کی تفسیر میں ہے وَإِذَا تَقَرَّرَ هَذَا فَمَا نُفَعَلُ عَنِ الْأَنْبِيَاءِ مِمَّا يَشْعُرُ بِكَذِبٍ أَوْ عَصِيَّةٍ فَمَا كَانَ مَسْقُولًا بِطَرِيقِ التَّوَاتُرِ فَمَصْرُفٌ عَنْ ظَاهِرِهِ إِنْ أَنْ أَمَكُنْ إِلَّا فَمَحْمُولٌ "علی ترک الاولیٰ او نحوہ قبل البغیۃ" بلکہ مدارج النبوة شریف جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آیتیں تنبیہات کی مثل ہیں۔ جن کی خاموشی لازم دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اجماعی ہے مگر بعض آیتیں ظاہری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں رب فرماتا ہے رب فرماتا ہے یُخْلِذُ غُورَ اللَّهِ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں رب انہیں اور فرماتا ہے مَكْرُوا وَمَكْرَ اللَّهِ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے اور فرماتا ہے فَأَيْنَمَا تُولَاقَهُمْ وَجْهَ اللَّهِ جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے فرماتا ہے يَزِيدُ اللَّهُ قُوَّةَ الَّذِينَ هُمْ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری نہ کر اور دھوکہ سے پا کا ومنزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہی ثابت ہو رہا لہذا واجب ہے کہ ان میں تادل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کئے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے یہ ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کی جزا کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کئے دیتے ہیں۔

اعتراض ۱ ایلیس نے بھی عہدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر یہ یہ جرم کیا۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اسے فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت سے خارج کر دیا گیا جرم و سزا میں برابری ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی۔ ایلیس نے یہ نہ کیا معطوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے۔ (محدث شریعت کا پتھر)

جواب ایلیان عہدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزا یاب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں نہ لگھا رہتے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے دیدہ و دانستہ عہدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کر نیکل ہمت کی کہ یو لا خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ "وَأَنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدَّيْنِ" گویا یہ زمین اس کے لئے کالے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار اولادوں کے کوڑے کھاتا پھر۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا نَبَسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا کہیں فرمایا فَاذْهَبْ لَهَا الشَّيْطَانُ کہیں فرمایا فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ غُرُوسًا کہ واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے ان سے خطا ہو گئی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجئے اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ بھل فائدہ مند ہے اور میں آپ کا خیر خواہ ہوں آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا لا محضہ باممانعت جز ہی سمجھے اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو۔ یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ دنیا میں ہی کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا کہ فرمایا اِنْسِي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً جنت میں تو کچھ روز اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کی ٹریننگ کی تھی کہ ٹریننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کو لا کر اس لئے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ و زاری ساری عبادتیں کی تھیں درودوں ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہا تنہا درحقیقت اپنے عشق میں رُلانا تھا۔ حسنات الابرار میراثات المقربین۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو۔ رو نہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرومیاں

اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا تو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا

یہ راز وہ سمجھے جو لذت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج منها اور یہاں فرمایا گیا **اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا** جس میں بتایا کہ تم کچھ عرصہ کے لئے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کر دڑ ہالواد کے ساتھ واپس نہیں آؤ گے یعنی دو چار ہے ہواور کر دڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ ان کی پشت شریف میں کفار فساق سب ہی کی روئیں تھیں جو کہ جنت کے قابل نہ تھے حکم ہوا کہ اے آدم بیٹے جا کر ان خُنا کو چھوڑ آؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہ ہی ہے (مرقات باب الایمان بالقدر وروح البیان آیت **فَاَزَلَهُمَا الشَّيْطَانُ**) (۲) شیطان کا زمین پر آنا پردیس میں آنا ہے مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اور ان کا جسم چونکہ زمین پر اور مٹی سے بنا تھا زمین کا وطن جسم ہوئے اور عالم ارواح گویا وطن روح وطن روح سے وطن جسم کی طرف آئے جو انسا نمرک جنت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطن جسم سے وطن روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے لہذا زمین اس کے لئے پردیس ہوا۔ (۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا تو یہاں انہیں غلیف نہ بنایا جاتا۔ ان کے سر پر تاج نبوت نہ رکھا جاتا ان کی اولاد و انبیاء اولیاء خصوصاً سید الانبیاء علیہ السلام پیدا نہ فرماتے جاتے طرہ کو معافی دیکر قید سے نکالتے ہیں۔ شای محل میں لا کر پھر اس پر انعامات کی بارش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی ظاہری خطا چھوٹوں کے لئے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اس خطائے اول کا ہی صدقہ ہی لطف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے لئے ناند گندم خطا قرار دیا گیا۔ اور ان کی اولاد کے لئے وہ ہی غذا تجویز ہوئی۔

اعتراض ۲ حضرت آدم وحوۃ اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالخارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے اس کو قرآن کریم نے فرمایا **قُلْنَا اِنَّا هُمَا صَلَاحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ** جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا یہ کام بھی شرک تھا۔ ثابت ہوا کہ پیغمبر شرک بھی کر لیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم وحوامرا دیں

جواب آدم علیہ السلام اس قسم کے عیب سے پاک ہیں معترض نے اس آیت میں دھوکا دیا ہے بہت سے سرین فرماتے ہیں کہ **جَعَلَا** کا فاعل قصی اور اس کی بیوی ہے کیونکہ **خَلَقْنٰكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلْ مِنْهَا زَوْجَهَا** کے معنی ہیں کہ اے قریش رب نے تمہیں ایک جان یعنی قصی سے پیدا فرمایا۔ اور اس کا نام عبدالخارث رکھ دیا (تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا **جَعَلَا** میں مضاف پوشیدہ ہے اور اس کا فاعل اولاد آدم وحوای ہیں یعنی آدم وحوای کے بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا (دیکھو روح البیان ومارک وغیرہ) اسی لئے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ **فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ** اگر یہ فعل حضرت آدم وحوۃ کا ہوتا تو **يُشْرِكُونَ** حشیش کا صیغہ ارشاد ہوتا۔ نیز ایک معمولی سی خطا یعنی گندم کھالینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور عصمت پیغمبر یقینی و قطعی

اعتراض ۳ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ** آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوئے۔

جواب یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غوی کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا ہیں یعنی حبات دانگی کے لئے گندم کھایا تا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت۔ جب رب نے ان کے بھول جانے کا بار بار اعلان فرمایا تو معصی سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں پیدا کرنا ہے۔

اعتراض ۴ ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا **هٰذَا رَبِّي** اور یہ صریحی شرک سے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب اس کا جواب مقدمہ میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ **لَا اَحِبُّ الْاٰفِلٰیْنَ** کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا **وَكَذٰلِكَ نُرِیْ اِبْرٰهٖمَ مَلٰكُوثَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَیْكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ** پھر ستارے دیکھتے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا **وَلَمَّا حَضَرْنَا اِبْرٰهٖمَ**

علیٰ قَوْمِهِ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد تاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تشریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تشریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیے۔

اعتراض ۵ ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا **إِنِّي سَقِيمٌ** (قرآن) میں بیمار ہوں خود بتوں کو تو ڈاکٹر قوم کے پوچھنے پر فرمایا **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا** اس بڑے بت نے یہ کام کیا اپنی بیوی سارہ کو فرمایا **هَذِهِ أُخْتِي** یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے **الْأَكْرَبُ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْأَيْمَانِ** جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرہ جان تھا یا خطرہ عصمت تھا وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرہ جان تھا اسلئے یہ فرمایا۔

(روح البیان آیت **فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ** لہذا یہ فعل گناہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعد معنی مراد لئے گئے ہیں جسے تو یہ کہتے ہیں تو یہ ضرور ناجائز ہے نبی کریم ﷺ نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائیگی دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ ایک صحابی کو آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ باب المزاح) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام پاس و فرشتے شکل مذعی علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ **هَذَا أُخْتِي لَهُ تَسْعُ**

وَتِسْعُونَ نَعَمَتَهُ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور بکریوں کے مجازی مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ

إِنِّي سَقِيمٌ اسلئے معنی ہیں میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے **إِنَّكَ مَيِّتٌ** و **إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ يَا سَقِيمٌ** سے دلی

بیماری یعنی ناراضی و رنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ** میں کبیر سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور **هَذَا** سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹی معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو نبی کا کام رب کا کام ہے وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا

فَعَلَهُ شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ کج کا احتمال نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا **وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ** الایہ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا **إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ** **إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ** (الایہ) جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراض ۶ داؤد علیہ السلام نے پرانی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورہ ص میں ہے اور فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب مفسرین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں کچھ زیادتی کر دی ہے اور جو کچھ احادیث احاد میں ہے وہ بھی نامقبول۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قصے کہانیوں کی طرح بیان کریگا میں اسے ایک سو ساٹھ سو کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت کی سزا ۸۰ کوڑے ہیں اور اسکوڑے لگیں گے (روح البیان سورہ قصہ داؤد واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا چنانچہ۔

تفسیرات احمدیہ آیت **لَا يَسْأَلُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ** کی تفسیر میں ہے **وَعَنِ دَاوُدَ بِكُونِهِ إِقْدَامًا عَلَى الْفِعْلِ الْمَشْرُوعِ وَهُوَ نِكَاحُ الْمَطْهُورَةِ لَا نَظَرُهُ مِنْ كُونِهِ** مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے اسلئے رب تعالیٰ نے ان کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دفرشتوں کو ایک فرضی مقدمہ لے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کرا کر ارشاد فرمایا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اور انبیاء کا رب تعالیٰ کے پاں کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریقہ سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو ان کی عظمت فرمائے اور یہ بدین ان حضرات پر نظر بد کا اتہام لگانے میں خدا کی پناہ۔

اعتراض ۷ یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا جسے رب فرما رہا ہے **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْ أَن رَّاهُهَا رَبُّهُ** یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ارادہ کر لیا اگر اپنے رب کی برحمانندہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو کتاب بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا؟

جواب یوسف علیہ السلام ارادہ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا تھا وہ کافر ہے روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے **فَمَنْ نَسَبَ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ الْفَوَاحِشَ كَالْعَزَمِ عَلَى الزَّوْنَاءِ وَنَحْوِهِ الَّذِي يَقُولُهُ الْحَشَوِيَّةُ كَفَرًا لَا تَهْ يَتَمَّ لَهُمْ كَهْ فِي الْقُنْيَةِ** رہا تمہارا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ** پر وقف کر دو اور **هَمَّ بِهَا** سے علیحدہ آیت شروع ہو۔ معنی یہ ہونے کے پیشک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کر لیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا یہی معنی تھا **وَقَدْ هَمَّتْ بِهَا** قاری کو چاہیے کہ یہ پر وقف کرے اور **هَمَّ**

وَلَوْ لَا أَن رَّاهُهَا رَبُّهُ لَهَمَّ بِهَا مدارک شریک میں ہے کہ **وَمِنْ حَقِّ الْقَارِي إِذَا قَدَّرَ خُرُوجَهُ مِنْ حُكْمِ الْقَسَمِ وَجَعَلَهُ كَلَامًا بِرَأْسِهِ أَنْ يَقِفَ عَلَى بِهِ وَيَتَّعِدِي يَقُولُهُ وَهَمَّ بِهَا** قاری کو چاہیے کہ یہ پر وقف کرے اور **هَمَّ بِهَا** سے آیت شروع کرے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم میں اس مقام پر زلیخا کی تو تیریاں بیان فرمائی **وَعَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ** کہ اس نے آپ کو ہر طرح راغب کرنے کی کوشش بھی کی اور بلیا بھی دروازہ بھی بند کر لیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری نفرت و عصمت کا ہی ذکر فرمایا۔

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يَفْلَحُ الظَّالِمُونَ
 ”خدا کی پناہ وہ میرا ربی ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں ایسی حرمت ظلم ہے اور عالم کامیاب نہیں۔“
 اور پھر فرمایا **كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ الشُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ** لُحْء سے زنا اور سو سے ارادہ زنا مراد ہے معلوم ہوا کہ رب نیا ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔ آکر زلیخا نے بھی یہ ہی کہا کہ۔

الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَوْفَتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ”کہ میں نے ہی انہیں رغبت دینے کی کوشش کی تھی۔“
 وہ تو سچے ہیں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدامنی اور زلیخا کی خطا کاری کی گواہی دلا دے کہ **وَقَدْ هَمَّتْ بِهَا** ”ن اہل حق عزیز مصر نے بھی یہ ہی کہا یوسف اعرض عن هذا و ستغفری لذنبک انک کنت من الخطیئین اے زلیخا تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطا کار ہو دیکھو شیر خوار بچے عزیز مصر خود زلیخا بلکہ خود رب تعالیٰ نے ان کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زلیخا کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کر لیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہو جاتیں اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ زلیخا نے جرم کی ابتداء کی مگر بعد میں آپ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیر مدارک میں ہے۔ **وَلَا تَه لَوْ وَجَدَ مِنْهُ ذَلِكَ لَذَكَرَتْ تَوْبَتَهُ وَاسْتِغْفَارَهُ** غرض کہ اس آیت کے یہ معنی کرنا بہت بہتر ہیں وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برحمانندہ دیکھتے تفسیر کبیران فرمایا **لَوْ لَا أَن رَّاهُهَا رَبُّهُ لَهَمَّ بِهَا** اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ **إِنْ كَادَتْ لَيُبْدِي بِهِ لَوْ لَا أَن رُّبَطْنَا عَلَى قَلْبِهَا** (تفسیر کبیر) آیت **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ** (دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ پر وقف نہ بلکہ بھانک ایک ہی جملہ نا اور آیت کے معنی یہ ہوں بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا قصد کر لیا۔ لیکن اب ان دونوں شخصوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔

هَمَّتْ بِهِ میں ہم کے معنی ارادہ زنا ہیں اور **هَمَّ بِهَا** میں اس کے معنی ہیں قلب کی غیر اختیار رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیاری پیدا ہوئی جو نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں خٹہ پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اسکے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف خٹہ پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اگر دونوں حصوں کے ایک ہی معنی ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا۔ بلکہ **وَلَقَدْ هَمَّا** ثنئیہ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کر لیا دیکھو **مَكْرُوا وَمَكَّرَ اللَّهُ** کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے **قَالَ الْأَمَامُ فَخَرُ الدِّينُ إِنَّ يَوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ**

كَانَ بَرِيًّا مِنَ الْعَمَلِ الْبَاطِلِ وَالْهَمِّ الْمُحَرِّمِ خيال رہے کہ نہ لیٹانے دروازہ پر عزیمت رکھ کر یوسف علیہ السلام کو زنا کی حد لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہہا **قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنَا يَسْجَنُ** جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسکی مرزا نجل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ **هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي** بدکاری کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیرخوار بچہ نے بھی کی اور اسکی تردید مصری عورتوں نے بھی کیا اور اس کی تردید آخر کار خود لیٹانے بھی کر کے اپنا جرم قبول کر لیا اب اگر **هَمُّ بَهَا** کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے نہ لیٹائی تا نیک کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کام کے مقصد کے خلاف ہے یہ تقریر بہت خیال رہے ان شاء اللہ کام آئے گی۔

اعتراض ۸ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قطعی کو جان سے مار دیا اور فرمایا **هَذَا مِنَ الشَّيْطَانِ** کہ یہ شیطان کا کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قطعی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا جب قطعی نے نہ چھوڑا آپ نے ہٹانے کے لئے چیت لگا دی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کر سکا مر گیا تو یہ قتل خطا ہوا اور انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطاے نبوت سے پہلے کا ہے روح البیان میں ہے۔
كَانَ هَذَا قَبْلَ النَّبُوَّةِ نیز وہ قطعی کا فرح رہی تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قطعی کو مارا۔ کچھ دنوں بعد تو سارے ہی قطعی غرق کر دیئے گئے۔ رہا افضل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسر نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف اولیٰ کام کو بھی اپنی سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قطعیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا **فَغَفَرَ لَهُ** اور **ظَلَمْتُ نَفْسِي** سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا ہذا سے قطعی کا ظلم مراد یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے۔

اعتراض ۹ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ سے فرمایا **وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ** معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب یہاں جو کوئی بھی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (پارہ ۲۷ سورہ ۵۳ آیت ۲) ”تمہارے محبوب ﷺ نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بھٹکے۔“

یہاں ضال کے معنی وارفہ محبت الہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار اور وارفہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ براور ان یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا **إِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** یہاں ضلال یعنی وارفگی محبت ہیں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے گئے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اسے محبوب ہدایت دینے والا بلند وبالا درخت رب نے تمہیں کو پایا کہ جو عرش فرش ہر جگہ سے نظر آئے لہذا تمہارے ذریعہ خلقت کو ہدایت دے دی حدی کا مفعول عالم لوگ ہیں نہ کہ نبی ﷺ اور بھی اس کے بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔

اعتراض ۱۰ رب فرماتا ہے **لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ** یعنی رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

جواب اس کے عند جواب ہی ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہ ہونے رکھے۔

روح البیان **الْمُرَادُ بِالْمَغْفِرَةِ الْحِفْظُ وَالْعِصْمَةُ أَوَّلًا وَآبَدًا فَيَكُونُ الْمَعْنَى يَنْحِفْظُكَ مِنَ الذَّنْبِ الْمَتَقَدَّمِ وَالْمَتَأَخَّرِ** دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنب میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسے کہ لک فرمانے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ مراد ہوتے تو تک سے کیا فائدہ ہوتا (روح البیان و خازن) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے **وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذَا ظَلَمُوا** (آلہ) کبھی گناہ کی نسبت گنہگار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی جرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں۔ یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اعتراض ۱۱ حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا **لَوْ لَا أَنْ تَبْتَاعَكَ لَقَدْ كَذَّبْتَ تَرَكْنِ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا** اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں رب فرماتا ہے۔ **قُلْ لَوْ كَانِ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبِيدِينَ** اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا بچاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا اس کی پوجا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا ان کی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوم و ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکر و فریب، بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی دیکھو خازن، مدارک، روح البیان، تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی اگر ہم آپ کو معصوم نہ بھی بناتے تب بھی آپ کفار سے ملنے نہیں، ان کی طرف جھکنے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارک پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی صورت کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے۔

إِنَّمَا سَمَاهُ قَلِيلًا لِأَنَّ رُوحَانِيَّتَهُ النَّبِيَّ كَمَا نَت فِي أَصْلِ الْخَلْقَتِ غَالِبًا عَلَى الْبَشَرِيَّتِ إِذْ لَمْ يَكُنْ حِينَئِذٍ لِرُوحِهِ شَيْءٌ يَحْبِجُهُ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى فَالْمَعْنَى لَوْلَا الثَّبُتُ وَ قُوَّةُ النُّبُوَّةِ وَ نُورُ الْهِدَايَةِ وَ أَكْرُ نَظَرِ الْغَنَايَةِ لَقَدْ كَذَّبْتَ تَرَكْنِ

اعتراض ۱۲ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ** اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیدا انہی عارف باللہ نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ روایت یعنی اٹکل ادقیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے۔ **وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ (الآیہ) یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الہی ہے نہ کہ محض اٹکل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہوا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی تھے خوف فرماتے ہیں۔ **كُنْتُ نَبِيًّا وَ أَدْمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَ الطِّينِ** ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔**

یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے **أَيِ الْإِيمَانِ فَتَفَاصِيلُ مَا فِي تَضَاعِيفِ الْكِتَابِ** پھر فرماتے ہیں۔ **لَا تَهْ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَفْضَلُ مِنْ يَحْيَىٰ وَ عِيسَىٰ وَ قَدْ أُوتِيَ كُلُّ الْحِكْمَةِ وَ الْعِلْمِ صَبِيًّا** یعنی نبی علیہ السلام بچپن اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت بچپن ہی میں عطا ہو گئی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ بچپن شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اعتراض ۱۳ رب فرماتا ہے **فَإِذَا لَهُمَا الشَّيْطَانُ** آدم و حوا علیہم السلام کو شیطان نے پھسلا دیا۔ معلوم ہوا کہ شیطان کا دادا انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

جواب ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے عمامناہ کبیرہ کر سکتا ہے اس نے خود کہا تھا **لَا غَوْ يَنْهَمُ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلِصِينَ** اور یہاں ہے **فَإِذَا لَهُمَا الشَّيْطَانُ** گمراہی اور چیز ہے اور پھسلا نا اور چیز ہے۔

قرآن مجید **وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً** آپ نے تو قافہ حشمتیں نہ آپ سے زنا جیسا گناہ کبھی صادر ہوا۔ یہی زلیخا سے ارادہ جماع بخود دی، عشق کی حالت میں ہوگی جمالِ یوسف نے انہیں وارفتہ و دیوانہ بنا دی۔ اس الہامانہ حالت میں یہاں ادبِ بکری نہیں، جب مصری عورتوں نے اسی جمال سے بخود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت زلیخا نے اس حسن پر فریفتہ ہو کر دامنِ صبر چاک کر دیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ نہ کر لی، یہ بھی خیال رہے کہ زلیخا نے صرف یوسف علیہ السلام سے یہ رنجش کی نہ کسی دوسرے سے رب نے انہیں ہر طرح محفوظ رکھا۔ ہم نے انبیاء کی یہ عیون کو زنا و فحش سے محفوظ مانا ہے نہ کہ معصوم۔ حضرت زلیخا نے یہ گناہ کر کے توبہ نہ کر لی کہ عرض کیا **الْأَنْ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَأَيْتُهُ عَنِ نَفْسِي** زلیخا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اقرارِ جرم توبہ سے اسی لئے رب تعالیٰ نے زلیخا کی خطا کا ذکر تو فرمایا مگر ان پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب ان کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت برا ہے ان سے زنا یا فحش کبھی صادر نہیں ہوا۔ نہ

معلوم دیوبندیوں کی کسی شیطان نے عقل ماردی کہ ان کا حملہ ہمیشہ انبیائے کرام کے عزت و آبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت ہیں ان کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین رب تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔ خاتمہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیائے کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اسکے پیارے بندے رب جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیاز مندی اور بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کی بیان کرتے پھریں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں مظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زرخیز ہیں۔ رب تعالیٰ ان اسی وارغ کو ان کے دامن سے مٹانے کے لئے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر غلہ خریدا دوسرے سال زور و جواہرات دے کر تیسرے سال جانور اور چوپائے دے کر چھوٹے سال اپنے غلام ندیاں دیکر پانچویں سال اپنے مکانات و زمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں غلام دو۔ جب آپ نے ان پر احسان فرمایا (مارک و روح البیان وغیرہ) یہ کیوں ہوا۔ صرف اس لئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کیلئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورہ عنس پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کرادیا دیکھو روح البیان تفسیر سورہ عَبَسَ اس سورہ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس کہنے کی جرات پیدا کر دی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَ نُوْرٍ عَرْشِهِ سَيِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٌ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

لمعات المصباح علی رکعات التراويح

پہلا باب

بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح میں رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب واحادیث صحیحہ واقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں۔ (۱) قرآن پاک میں سورتن بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ جملہ جہ کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنی ہیں نشانی۔ سورۃ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوئی ہے جیسے شہر پناہ (سورۃ الجلد) اور آیت قدرت الہی کی نشانی ہے اسلئے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنی ہیں جھلکانا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قراءۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے انھوں نے رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح میں رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴۰ رکوع ہوئے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ختم کے دن بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دوسریں پڑھ لی جاتی تھیں اس لئے قرآن کریم کے ۵۵۷ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوئیں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح میں رکعت چائیس کی دواہلی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی جہد بتائیں گے؟ (۲) تراویح جمع ترویج کی ہے جس کے معنی ہیں جمع کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویج ہے اسی لئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اگر تراویح آٹھ رکعت ہوں تو اس کے درمیان میں ایک ترویج آتا پھر اس کا نام تراویح نہ ہوتا تین ترویجوں کے لئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہئیں۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویج ہو اور وتر سے پہلے کوئی ترویج نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی ترویج کرتا ہے۔ (۳) ہر دن میں تین رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار ظہر میں چار عصر میں تین مغرب میں اور چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان میں رکعات کی تکمیل کے لئے تین رکعت تراویح اور مقرر فرمادیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاید نماز خشک اندیش بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوں گے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو ان میں رکعت سے کیا نسبت۔ (۴) احادیث، خیال رہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز تراویح باجماعت پابندی سے ادا نہ فرمائی۔ صرف دو دن ادا کیں اور بعد میں فرمایا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہو جائیگا اندیش ہے۔ جس سے میری امت کو دشواری ہوگی۔ لہذا اتم لوگ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اجتماع سے ادا کرائی گئی اسی لئے صحابہ کرام بحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عرضی اللہ عنہ نے اس کا اجتماع فرمایا اور تین رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور باقاعدہ جماعت میں رکعت سنت فاروقی ہے چونکہ نبی کریم ﷺ نے تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحۃً کہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہذا اصحابہ کرام کا میں پر اتفاق کرنا سنت کی خلاف نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے **عَلَيْكُمْ بَسْتِي وَ سُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّشِيدِينَ** لہذا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں غیر مقلدوں کو چاہئے کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحۃً ثابت ہوں۔ ان شاء اللہ نہ کر سکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تین رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَ زَوَاءُ**

الْبَيْهَقِيِّ فِي الْفَرْقَةِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ

(۲) ابن مہزی نے حضرت ابن کعب سے روایت کی **فَصَلَّى بِهِمْ عِشْرِينَ رَكْعَةً** یعنی میں ہے۔ **عَنْ أَبِي الْمُحَسِّنَاتِ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً**

(۳) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں بنی تہمی و عبد بن حید و بخاری نے روایت کی **عَنْ إِبْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً سِوَى الْوُتْرِ** اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام میں رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۵) بنی تہمی میں ہے **وَعَنْ شَكْلٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يَتَو مُهْمٌ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ**

(۶) اسی بتنی میں ہے وَعَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّلْمِيِّ أَنَّ عَلِيًّا رَعِيَ الْقُرَاءَ فِي رَمَضَانَ قَامَزَ رَجُلًا يُصَلِّي النَّاسَ عِشْرِينَ رَكَعَةً وَكَانَ عَلَى يُوتِرُهُمْ

(۷) اسی بتنی نے باسناد صحیح نقل فرمایا عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكَعَةً اس کی تحقیق کے لئے صحیح البخاری لم یَقْرُلْ فِي التَّرَاوِیْحِ دیکھو، ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام میں تراویح پڑھتے تھے اور عہد فاروقی میں تو اس میں رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی ابی بن کعب و عمر سائب ابن یزید وغیرہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا۔

اسوال علماء امت (۱) ترمذی شریف ابواب الصوم بإجماع فی قیام شہر رمضان میں ہے وَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِينَ رَكَعَةً وَهُوَ قَوْلُ سَفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَ الشَّافِعِيِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هَكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِ مَكَّةَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكَعَةً یعنی اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی بیس رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہی مروی ہے یعنی بیس رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہی عمل پایا کہ مسلمان بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔

(۲) فتح البلیغ شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے رَوَى مُحَمَّدُ ابْنُ نَصْرِ بْنِ طَرِيقٍ عَطَاءٌ قَالَ أَدْرَكْتُهُمْ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكَعَةً وَلَئِكَ رَكَعَاتُ الْوُتْرِ فِي الْبَابِ الثَّانِي كَثِيرَةً "أَخْرَجَهَا ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَغَيْرُهُ وَقَالَ ابْنُ قَدَامَةَ وَهَذَا كَالْإِجْمَاعِ اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت پر گویا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا۔

(۳) عمدۃ القاری شرح بخاری میں جلد پنجم صفحہ ۳۰۷ میں ہے وَ رَوَى الْحَارِثُ ابْنُ عُبَيْدِ الرَّحْمَنِ ابْنُ زُبَايٍ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ الْقِيَامُ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكَعَةً قَالَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ هَذَا مَحْمُولٌ "عَلَى أَنَّ لَئِكَ الْوُتْرَ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پر عمل تھا۔

(۴) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ يُصَلِّي بِنَافِي شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَ عَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ الْأَعْمَشُ كَانَ يُصَلِّي عِشْرِينَ رَكَعَةً

(۵) اسی عمدۃ القاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جَمْهُورِ الْعُلَمَاءِ بِهِ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَ أَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ عَنْ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَةِ یعنی ابن عبدالبر نے فرمایا کہ بیس رکعت تراویح عام علماء کا قول ہے اسی کے اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں۔

(۶) ملاطی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فَصَارَ إِجْمَاعًا لِأَرْوَى الْبَيْهَقِيِّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ أَنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِينَ رَكَعَةً وَعَلَى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلَى صَحَابَةِ كَرَامِ حَضَرَاتِ عُمَرَوِثَانَ وَابْنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَافَّةً ان میں تراویح پڑھتے تھے لہذا اس پر اجماع ہو گیا۔

(۷) مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر کی ہمتی کا قول نقل فرمایا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّ التَّرَاوِیْحَ عِشْرُونَ رَكَعَةً یعنی صحابہ کرام کا بیس تراویح پر اجماع ہے۔

(۸) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۲۵ میں ہے **وَأَمَّا الْقَائِلُونَ بِهِ مِنَ الثَّلَاثِينَ فَشِبْرُ ابْنِ شَكْلٍ وَابْنِ أَبِي ثَلَيْبٍ** وَ الْحَارِثُ الِهْمْدَانِيُّ وَ عَطَاءُ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ وَ عِمْرَانُ الْعَبْدِيُّ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین تواج تابعین وقتہا محدثین کا میں رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے نہ کسی آٹھ تراویح پڑھیں نہ اس کا حکم دیا۔

حلیفہ غیر مقلد واصل اپنی خواہش نفس کے مقلد ہیں اس لئے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا جاتا ہے جس میں نفس کو آرام مل وہ ہی ان کا مذہب۔ ہم ان کے آرام وہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان دیکھیں اور عبرت پکڑیں۔ (۱) دو ٹکے پانی کی گندہ نہیں ہوتا لہذا کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا پانی پئے جاؤ۔ (۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو۔ روافض کی طرح کون بار بار تراویح پڑھے ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے۔ (۳) عورتوں کے زیورات پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہاں جناب کیوں ہوا اس میں خرچ جو ہوتا ہے۔ (۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو۔ ہاں صاحب نماز نہیں پڑھتا ہے (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو کیوں نہ ہو جلد نماز سے چھٹکارا چھا۔ (۶) ایک بار تین طلاق دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرض کہ جس میں آرام دہ یا روں کا دین ایمان۔

حلیفہ مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی واقع ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کر دی لہذا اب اس سے تین طلاق ہی واقع ہونی چاہئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین لے اڑے کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنادیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہہ دیتے تھے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق اور آخری میں دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے جیسے کہی کے میں کل جاؤں گا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی اگر کوئی اس نیت سے یہ الفاظ بولے تو عند اللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے۔ چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی نہایت ہی نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت **الطَّلَاقِ مَرَّتَانِ** کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

بیس تراویح پر اعتراضات وجوابات

اعتراض ۱ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر۔

جواب اس کے عند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو ان سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد ابن زہرمر دوزی نے انہی محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبد الرزاق نے انہی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیر یہ مصر۔ ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے اس کو اضطراب کہتے ہیں تو اس سے تراویح آٹھ رکعت ثابت ہوں گی مگر وتر تین رکعت کیسے آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا ادھا حصہ مقبول اور ادھا غیر مقبول۔ تیسری کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ تراویح کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا، پھر آٹھ میں پھر اربعہ ہوا۔ کیونکہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے **وَكَانَ الْقَارِي يَقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِي ثَمَانٍ رَكَعَاتٍ وَإِذَا قَامَ بِهَا فِي ثَلَاثِينَ**

عَشْرَةَ رَكَعٍ رَأَى النَّاسُ أَنَّهُ قَدْ خَفِيفٌ یعنی قاری آٹھ رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے **نَعَمْ كَسَتْ الْعَشْرُونَ فِي زَمَنِ عُمَرَ وَ فِي الْمَوْطَا رِوَايَةٌ بِاجْلِدَى عَشْرَةَ وَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ وَقَعَ أَوْ لَا تَمَّ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى الْعِشْرِينَ فَإِنَّهُ الْمُتَوَاتِرُ** یعنی ان روایت کو یوں جمع کیا گیا کہ اولاً تو آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر میں پر قرار ہوا یہ میں رکعت ہی منقول ہیں چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی۔ ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا میں رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے میں رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر میں رکعت پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا کیونکہ میں میں آٹھ آجاتی ہیں۔ اور آٹھ میں میں نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ ہمیری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرنا۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور

باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں سنت فاروقی ہیں لہذا ہمیں رکعت پڑھا کرو۔

اعتراض ۴: بخاری و ترمذی شریف میں ہے کہ ابواسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے آپ نے جواب دیا **مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَفِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ كَعَابَاتٍ** معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہ پڑھیں اور باقی وتر میں رکعت پڑھنا بدعت سیئہ ہے۔

جواب: اس کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس سے نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہ پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کہ وہ صرف رمضان میں ہوتی ہے۔ نیز ترمذی میں اسی حدیث کے لئے باب باندھا **بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ صَلَوةِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ** معلوم ہوا کہ یہ صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر سے پہلے کیوں سوجاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ ہماری پہنکیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کے اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اور وتر بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو کر تہجد وتر پڑھتے ہیں جواب دیا کہ چونکہ ہمیں جاگنے پر پورا بھر دوسرہ ہے۔ جسے بھر دوسرہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۴۰۰ میں ہے تحقیق آنست کہ صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز مقادیر یادہ رکعت کہ دائم در تہجد مے گزارد۔ "دوسرے یہ کہ اگر میں رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے تو حضرت عمرو دیکر صحابہ کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز آج سارے غیر مقلد پورے ماہ رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کی یہ بدعتی بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟

اگر حضور ﷺ نے آٹھ تراویح پڑھیں۔ تو صرف دو تین روز پڑھیں تم اس کی بدعتی کر کے کون ہوئے؟ اگر پورے قبیح حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔

نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ مکہ والوں کا میں تراویح پر اتفاق ہے اور مدینہ والوں کا اکثر الیس پر ان میں سے کوئی بھی آٹھ کا عامل نہیں۔ بتاؤ یہ سارے لوگ بدعتی اور فاسق ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو ان سے حدیث لینا کیسا؟ فاسق کی روایت معتبر نہیں نیز بتاؤ کہ کیا کسی ملک میں مسلمانوں نے آٹھ رکعات تراویح پڑھیں۔ تیسرے یہ کہ اسی حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی۔ تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ رکعت ثابت ہوں گی۔ پھر وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو؟ آرام کے لئے؟ حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کہیں نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تہجد بد رکعت سے خاموشی ہے اور جن حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے وہاں تراویح کی تصریح نہیں بلکہ اس سے تہجد مراد ہے ایسی روایت پیش کرو جس میں آٹھ تراویح ہو۔ ایسی انشاء اللہ نہ ملے گی۔ چونکہ سلطنت مصطفیٰ ﷺ کا ہم نے مستقل رسالہ لکھ دیا۔ اس لئے ضمیمہ میں یہ مضمون شامل نہ کیا گیا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ نَوَّیْ عَرْشَہٖ سَیِّدَنَا مُحَمَّدٍ وَّ اِلٰہِ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَہٖ وَهُوَ رَحَمَ الرَّحِیْمِیْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگرچہ اس نے برا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہوگی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لئے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

مقدمہ بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر بحالت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگرچہ اس نے برا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور غلط نہ ہوئی ہو ایک دس تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہوگی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوگی۔ اور طلاق کے لئے نکاح یا عدت چاہئے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب)۔

(۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے غلط ہو چکی ہے اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق ہے۔ اور آخری دو طلاقیں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے۔ نہ کہ علیحدہ طلاقیں کی تب بھی دیائے طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھا لو کھانا کھا لو اؤ میں کل گیا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جس سے خوت ہو چکی ہے۔ یک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے، طلاق ہے۔ بہر حال طلاقیں تین ہی واقع ہوگی اور یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد اور سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہرین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر صاوی میں پارہ دوم زیر آیت **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ (الایہ) ہے وَالْمَعْنَى فَإِنْ ثَبَتَ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ (الایہ) كَمَا إِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ "ثَلَاثًا أَوْ أَلْبَسْتَهُ وَهَذَا هُوَ الْمُجْمَعُ عَلَيْهِ لِعَلَّامِ اسْتِ"** کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایک دم۔ عورت بہر حال حرام ہو جائے گی۔ نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے **وَقَدْ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي مَنْ قَالَ لِأَمْرَأَةٍ أَنْتِ طَالِقٌ "ثَلَاثًا فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ" وَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَحْمَدُ وَ جَمَاهِيرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَ الْخَلَفِ يَقَعُ الثَّلَاثُ وَقَالَ طَاءٌ وَس "بَعْضُ أَهْلِ الظَّاهِرِ يَقُولُ لَا يَقَعُ بِذَلِكَ إِلَّا وَاحِدَةً** یعنی جو کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور سلف و خلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ جراح ابن اربطات اور ابنین مقال اور محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی۔ دیکھو نووی یہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس کا آرام و صوغت ہے جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف قول ہو وہی ان وین ایمان ہے اس لئے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہوگی۔

تفسیر صاوی پارہ دوم زیر آیت **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ (الایہ) وَ مَا الْقَوْلُ بِأَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ فِي مَرَّةٍ وَاحِدَةً لَا يَقَعُ إِلَّا طَلَّقَتْهُ لَا يَعْرِفُ إِلَّا لَا بَنِي تَيْمِيَّةٍ وَ رَدَّ عَلَيْهِ أَتَمَّتْهُ مَذْهَبُهُ حَتَّى قَالَ الْعُلَمَاءُ أَنَّهُ الصَّالُ الْمُصِلُّ وَ نَسَبَتْهَا إِلَى الْإِمَامِ أَشْهَبُ مِنَ الْأَتَمَّتْهُ الْمَالِكِيَّةُ بِأَطْلَقَتْهُ"** یعنی یہ کہنا کہ ایک دم دی ہوئی تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہوتی ہے یہ سوال ابن تیمیہ حنبلی کے اور کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور ابن تیمیہ کی خود اس کے مذہب کے اماموں نے تردید کر دی علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ ابن

تیسرے خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام، اہلبائت، اہلکلی طرف غلط ہے بہر حال پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد حضرات نے آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ لئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفس تحقیق اپنی تفسیر نبوی جلد دوم زیر آیت **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ** (الآیہ) میں کر دی ہے مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات، بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہ یہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں، بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق ہے تین طہر میں تین۔ ایک دم چند طلاقیں دینا سخت برا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ بُرا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی بحالت حیض کہ اگرچہ برا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے اسکے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَاِمَسَاكَ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٍ بِاِحْسَانٍ** پھر فرماتا ہے **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ** (الآیہ) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقیں تک رجوع لاحق ہے تین میں نہیں اور مرتان کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے **فَإِنْ طَلَّقَهَا اِلَى طَلْقَةٍ ثَالِثَةٍ سَوَاءٌ وَقَعَ الْاِثْنَانِ فِي مَرَّةٍ اَوْ مَرَّتَيْنِ وَالْمَعْنَى فَإِنْ كَبَتْ طَلَّاقَهَا ثَلَاثًا فِي مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ** یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں **كَمَا اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ الْبَتَّةُ وَهَذَا هُوَ الْمَجْمَعُ عَلَيْهِ** یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَدَرَى لَعَلَّ اللَّهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ اَمْرًا** یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیں تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ کیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوئی تو یہ ظالم کیسے؟ لوہی شرح مسلم باب الطلاق الشفٹ میں ہے

وَاَحْتَجَّ الْجَمُورُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ الْخ مَعْنَاهُ اَنَّ الْمُطَّلَقَ قَدْ يُحْدِثُ لَهُ نَدَمٌ فَلَا يُمَكِّنُهُ تَذَارُكُهُ لَوْ فُورَعِ الْبَيُونَةِ فَلَوْ كَانَتْ ثَلَاثٌ لَمْ تَقَعْ طَلَاقُهُ هَذَا اِلَّا رَجْعِيًّا فَلَا يَنْدُمُ ترجمہ وہ ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(۳) تاجی اور طبرانی میں سید ابن غفلت سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ شہیدہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ حضرت امام کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں **لَوْلَا اِنِّي سَمِعْتُ جَدِّي وَحَدَّثَنِي اَبِي اَنَّهُ سَمِعَ جَدِّي يَقُولُ اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَةً ثَلَاثًا عِنْدَ الْاَقْرَاءِ اَوْ ثَلَاثًا مُبْهَمَةً لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهَا** (سنن کبریٰ للبیہقی جلد نمبر ۷ صفحہ ۲۲۷)

(۴) اس سنن کبریٰ للبیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے **قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ طَلَّقْتُ اِمْرَاَةً ثَلَاثًا فَتَحْرُمُهَا عَلَيْكَ وَاقْسِمُ سَائِرَ هُنَّ بَيْنَ نِسَاءٍ ك** (سنن کبریٰ للبیہقی جلد نمبر ۷ صفحہ ۲۲۸)

یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیویوں کو بابت دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار طلاقیں ہزار مرتبوں میں تو ردی ہوں گی ورنہ ۸۲ سال پہلے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا موسیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں جائز رکھیں۔

(۵) **تَبَيَّنَ فِيهِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَلِيٍّ وَرَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكَحَ زَوْجًا غَيْرَهُ** اسنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۲۵ یعنی امام جعفر صادق اپنے جدا امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے تو بیوی بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی ہشامی سے مروی ہے کہ **عَنْ عَلِيٍّ وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيمَنْ طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا قَالَ لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكَحَ زَوْجًا غَيْرَهُ**

(۶) بیہقی نے محمد ابن ابی زہب کبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غلطی سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں بچا کچھا تھا تو نے اکٹھا ہی دے دیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَسُئِلَ أَبَاهُ رَيْرَةُ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَا تَرَى أَنْ تَنْكِحَهَا حَتَّى تَنْكَحَ زَوْجًا غَيْرَكَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ طَلَاقِي إِيَّاهَا وَاحِدَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّكَ أَرْسَلْتَ مِنْ يَدِكَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ فَضْلِ (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۲۵)

(۷) اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے روایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ عَبَّاسٍ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مَائِنَةً قَالَ فَاتَّخَذَ ثَلَاثًا وَدَعَا سَبْعًا تِسْعِينَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۲۷)۔

(۸) بیہقی میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین لے لو۔ اور نو سو ستانوے چھوڑ دو۔ عبارت یہ ہے **إِنْ رَجُلًا جَاءَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا فَقَالَ فَاتَّخَذَ ثَلَاثًا وَدَعَا تِسْعَ مَائَتِهِ وَسَبْعَةً وَتِسْعِينَ** (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۲۷)

(۹) بیہقی میں بروایت سعید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی۔ عبارت یہ ہے **عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ لِرَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثًا حُرِّمَتْ عَلَيْكَ** (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۲۷)

(۱۰) بیہقی میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہ دو کہ تجھے برج جوزہ کا سری کافی ہے۔ خیال رہے کہ برج جوزہ کے سر پر تین ستارے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

عَنْ عُمَرَ ابْنِ دِينَارٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سِئِلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثَ النُّجُومِ فَقَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ رَأْسُ الْجَوْزِ ۱۱ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۲۷)

(۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب **مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ** میں ہے کہ فاطمہ قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایک دم دیدیں۔ ان تینوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا عبارت یہ ہے **قَالَتْ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى الْيَمَنِ فَأَجَازَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ**

(۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے ابن علی ابن یزید ابن زکاتہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا نے اپنی بیوی کو طلاق بتودی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی پس حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کو واپس فرمادیا۔

چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے **عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِ يَزِيدَ ابْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ**
الْبَيْتَةَ فَأَنَّى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ مَا أَرَدْتَ بِهَا وَاحِدَةً قَالَ أَوْ اللَّهُ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً قَالَ وَاللَّهِ
مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً قَالَ فَرَدَّهَا إِلَيْهِ (ابن ماجہ باب طلاق النکاح والوداد باب النکاح) اگر ایک دم تین طلاقیں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو
حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھائے **طَلَّقَ طَلَّقَ طَلَّقَ** اور آخری دو طلاقیں سے پہلی طلاق
کی تاکید تھی۔ اس لئے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ **مَا أَشْرَفَ هَذَا الْحَدِيثُ**
يَعْنِيهِ یہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے ابوداؤد نے فرمایا ہے **هَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ** یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریر زیادہ صحیح ہے
(۱۳) امام مالک وشافعی و ابوداؤد و تہذیبی میں یہ روایت معاویہ ابن ابی عباس سے کہ کسی نے حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی
اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دے گی اور تین حرام کہ بغیر طلاق نکاح
درست نہ ہوگا۔ عبد اللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے **عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ أَيَّاسٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ**
وَعَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ ابْنَ الْعَاصِ سَلُّوا عَنِ الْبِكْرِ وَطَلَّقَهَا زَوْجَهَا ثَلَاثًا قَالَ لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكَحَ زَوْجًا
غَيْرَهُ وَزَوَى مَلِكٌ عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ عَنْ بُكَيْرِ ابْنِ أَشَجٍّ عَنْ مَعَاوِيَةَ ابْنِ عِيَّاشٍ أَنَّهُ شَهِدَ هَذِهِ
الْقِصَّةَ (ابوداؤد باب نكاح الرجعة بعد الطلاق الثالث)
(۱۴) تہذیبی نے یسار صرغی سے روایت کی کہ جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس
پر حرام ہو جائے گی۔
(۱۵) اسی تہذیبی نے مسلم ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین
طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ بھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح المعانی پارہ دوم)
(۱۶) مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثالث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنادیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی
عبارت یہ ہے۔
فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرِ نَكَاحَاتِهِمْ فِيهِ عَنَاءٌ قَضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَلَا مَصْرَءَ عَلَيْهِمْ
(۱۷) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع
نہیں کر سکتے۔
(۱۸) جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دس تین اور پڑے ایک مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیے۔
(۱۹) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا۔ ایک دم تین طلاقیں دینا بیشک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقع
کیوں نہ ہوں دیکھو چوری کی بٹھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو بیشک حلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر
کوئی دیدے تو واقع ہو جائے گی۔
(۲۰) اسقاط میں مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے۔
لَا أَنَّ الْحُكْمَ فِيهَا لَا لَا يَقْبَلُ الْفَضْلُ عَنِ السَّبَبِ لِأَنَّهُ اسْقَاطٌ قِيْلَ لَا أَشْيَى یعنی اسقاط میں حم اپنے سبب سے ملحدہ
نہیں ہو سکتا طلاق بولنا سبب ہے اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے لہذا انما ممکن یکہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا
جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک۔
(۲۱) جمہور علماء و خصوصاً چاروں امام ضیف امت مسلمہ کی مخالفت ہے جو گمراہی ہے غرضیکہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث اجماع صحابہ اقوال علماء محدثین و مفسرین
دلائل عقلیہ ہی سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل و نقل کی مخالفت ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اسنے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

بیلا اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٍ بِاِحْسَانٍ** کچھ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مَرَّتَيْنِ** اور **فَاِنْ** کی ف سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ ایک دم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوں گی۔ **مرتان** علیحدگی بتا رہا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ **الطَّلَاق** میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر طلاق سے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی و صاوی و جلالین میں ہے **الطَّلَاقُ اَيِ التَّطْلِيْقِ الَّذِي يُرَاجَعُ بَعْدَهُ مَرَّتَيْنِ** دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ **مورتان** سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظ علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کیونکہ علیحدگی کے بعد کیسے عدو بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیاں ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ** آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تہناری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بیشک ایک دم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہوگی یا نہیں اس آیت ساکت ہے۔

دوسرا اعتراض مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے **عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ اَبِي بَكْرٍ وَ ثَنَيْنِ مِنْ خِلَافَتِ عُمَرَ طَلَاقٌ الْفَلَاحِ وَ اِحْدَةً** نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابو الصحاء نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں عبارت یہ ہے **اِنَّ اَبَا الصَّحْبَاءِ قَالَ لَابْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْلَمُ اَنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَ اِحْدَةً عَلٰی عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَ اَبِي بَكْرٍ وَ ثَلَاثًا مِنْ اِمَارَةِ عُمَرَ فَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ** ان حدیثوں سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نہوت غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان یہ کیا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے ظلم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنادینا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا باوجود خبر و جوت ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماؤل۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور آخر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق **بَابُ نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيْقَاتِ الثَّلَاثِ** میں ہے کہ ابو صحابا نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخل بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے **قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ بَلٰی كَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَ اِحْدَةً** الخ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ

حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق

ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھلی دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ دو تین طلاقیں ہی دینے لگے۔
 ہذا صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف میں ہے۔

فَالَا صَحَّ اَوْ مَعْنَاهُ اَنَّهُ كَانَ فِي الْاَمْرِ الْاَوَّلِ اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ وَلَمْ يَنْوِ تَاكِيدًا وَلَا اِسْتِثْنَاءًا يُحْكَمُ بِفُرُوعِ طَلْقَتِهِ لِغَلَبَةِ ارَادَتِهِمْ اِلَّا سِتْنَانِ بِذَلِكَ مَحْوُلٌ عَلَى الْغَالِبِ الَّذِي هُوَ ارَادَةُ التَّكْيِيدِ فَلَمَّا كَانَ فِي زَمَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَثُرَ اسْتِعْمَالُ النَّاسِ بِهَذِهِ الصِّيغَةِ وَغَلَبَ مِنْهُمْ ارَادَةُ اِلَّا سِتْنَانِ بِهَا حُمِلَتْ عَنْهُ الْاِطْلَاقُ عَلَى الثَّلَاثِ عَمَلًا بِالْغَالِبِ السَّابِقِ الْفَهْمُ مِنْهَا فِي هَلِكِ الْعَصْرِ

یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لئے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایک دم تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی کہ اس وقت غالب حال یہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس لئے تین جاری کر دی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں زکوٰۃ کے مصرف بیان ہوئے۔
 مولفۃ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا کہ مصرف زکوٰۃ صرف سات ہیں مولفۃ القلوب خارج کیونکہ زول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی اس لئے ایسے کافروں کو زکوٰۃ دیکر مائل کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کمزوری لہذا ان کو زکوٰۃ دینا بند کر دیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلا نہ نکلیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوٰۃ لینے کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہو گیا تو زکوٰۃ دینے کا حکم ہو گیا۔ کپڑا ناپا کھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہو گیا اس سے نماز جائز ہو گئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

تیسرا اعتراض ابوداؤد جلد اول اور رد مشہور جلد اول ص ۲۷۹ و عبد الرزاق و بیہقی نے عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی کہ عبد زید ابورکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور ﷺ نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کرلو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کر دو اور یہ آیت تلاوت فرمائی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ ابوداؤد وغیرہ کی عبارت یہ ہے طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ أَبُو رُكَانَةَ أَمْرًا كَانَتْهُ ثُمَّ رُكَانَتَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِرْجِعْ بِأَمْرٍ آتَكَ فَقَالَ إِنِّي طَلَقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ قَدْ عَلِمْتُ اِرْجِعْهَا وَتَلَا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ (الآیۃ) (متفق من کبریٰ جلد ۳۲۹ ابوداؤد باب فی المربعہ صفحہ ۲۹۹) اگر کٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش لوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ خود ابورکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب افسوس کہ معترض نے ابوداؤد اور بیہقی کی آدمی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابوداؤد و بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجمہ اور عبد اللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتدی تھی لہذا حضور نے ان کی بیوی کو ان کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اس کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات بمقابلہ فیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتدی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لاملحہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

وَحَدَّثَنَا نَافِعُ ابْنِ عَجْبَرٍ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَلِيٍّ ابْنُ يَزِيدَ ابْنُ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَتْ إِمْرَأَةً تَهَ الْبَتَّةَ فَرَدَّهَا النَّبِيُّ ﷺ أَصَحُّ لَا نُهُمْ وَلَدُ الرَّجُلِ وَاهْلُهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رُكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَتْ إِمْرَأَةً تَهَ الْبَتَّةَ وَجَعَلَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَاحِدَةً (من کبریٰ متفق ابوداؤد و بیہقی مقام)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایات سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتدی کی روایت ہے ہذاؤں کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتدی والی آٹھ اور ایک نوروایتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے۔

وَهَذَا الْإِسْنَادُ لَا تَقُومُ بِهِ الْحُجَّةُ مَعَ ثَمَانِيَةِ وَرَدٍّ عَنْ عَبَّاسٍ فَأَفْتَاهُ بِخِلَافِ ذَلِكَ وَمَعَ رَوَايَةِ
 أَوْ لَا دُرُكَانَتَهُ أَنَّ طَلَّاقَ "رُكَّانَتِهِ كَمَنْ وَاحِدَةً" وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ (سنت کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض
 کر چکے ہیں کہ ابورکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ ﷺ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر قسم بھی لی تھی
 جب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابورکانہ کی تین طلاقیں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق
 صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتدی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شامد تین
 طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں۔ اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی
 عبارت یہ ہے وَأَمَّا الرِّوَايَةُ الَّتِي رَوَاهَا الْمُخَالِفُونَ أَنَّ رُكَّانَتَهُ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَبَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فَرَوَايَةً
 ضَعِيفَةً عَنْ قَوْمٍ مَجْهُولِينَ وَإِنَّمَا الصَّحِيحُ مِنْهَا مَقْدَمُ أَنَّهُ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَلَفْظُ الْبَتَّةِ مُحْتَمَلٌ
 لِلْوَاحِدَةِ وَلِثَلَاثٍ وَلَعَلَّ صَاحِبَ هَذَا الرِّوَايَةِ الضَّعِيفَةِ اعْتَقَدَ أَنَّ لَفْظَ الْبَتَّةِ ثَلَاثٌ أَفَرَوَاهُ بِالْمَعْنَى
 الَّتِي فِيهِمْ وَغَلَطَ فِي ذَلِكَ

چوتھا اعتراض سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں۔ جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار
 دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حاکم کر دیا۔ اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جواب یہ فطہ ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں رجوع کا حکم دیا
 کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الخائض میں ہے عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ
 امْرَأَةً قَالَتْ وَهِيَ حَائِضٌ "تَطْلِيقَتُهُ وَاحِدَةٌ" فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُرَاجِعَ ثُمَّ يُمَسِّكُهَا حَتَّى تَطْهَرَ
 نیز نووی شریف شرح مسلم باب الثالث میں فرمایا وَأَمَّا حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ فَرَوَايَاتُ الصَّحِيحَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا مُسْلِمٌ وَ
 غَيْرُهُ أَنَّهُ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً ان کے متعلق تین کی روایت بالکل ضعیف ہیں۔

پانچواں اعتراض تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۳۷ الطَّلَاقُ مَرْنِي کی تفسیر میں ہے مَعْنَاهُ أَنَّ تَطْلِيقَ "الشَّرْعِيَّةِ يَجِبُ أَنْ
 يُكُونَ تَطْلِيقَةً" عَلَى التَّفْرِيقِ ذَوْنِ الْجَمْعِ وَالْأَرْسَالِ وَهَذَا التَّفْسِيرُ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ الْجَمْعُ بَيْنَ
 الثَّلَاثِ حَرَامٌ یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کئے دینا واجب ہے یہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام
 ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔

جواب اس کا کون بٹکرے بیشک طلاق الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حواقت سے تین طلاقیں اکٹھی دیدے تو
 واقعہ بھی ہوگی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ تین واقعہ نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور
 اس پر شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے
 لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سمیت پر نہیں پڑتا۔

چھٹا اعتراض تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۲۳۷ میں ہے وَهُوَ اخْتِيَارٌ "كَثِيرٌ" مِنْ عُلَمَاءِ الدِّينِ أَنَّهُ لَوْ طَلَّقَهَا اثْنَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا
 لَا يَقَعُ إِلَّا الْوَاحِدَةُ یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیدے اس سے ایک ہی واقعہ ہوگی۔ معلوم ہوا
 کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔

جواب معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے وہابی پیروکار ہیں۔ انہیں کا یہ مذہب
 ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں اور ابن تیمیہ اور اسکے قبیعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ کر رکھا ہے۔ نیز معترض
 نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے وَالْقَوْلُ الثَّانِي وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ
 وَإِنْ كَانَ مُحَرَّمًا إِلَّا أَنَّهُ يَقَعُ یعنی دوسرا قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگر چاہے۔ لیکن واقعہ ہو جائے گی۔ کچھ آگے جا کر
 تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال نہیں دیکھو تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵۔

ساتواں اعتراض عقل بھی چاہتی ہے کہ انکھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کرونا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں حجروں پر الگ الگ سات کنکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں کنکر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائیگی اور چھ کنکر اسکے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ** تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہذا چاہیے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہونہ کہ تین۔

جواب الحمد للہ آپ قیاس کے قواعد کا مل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت کو ادا فرمائی مگر جیسے آپ دیکھا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، نہ کہ محض فعل لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زمانہ میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیے۔ بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی محنت اتنی محنت کی محنت ہے اور ظاہر کہ ایک بار **الف مرة** کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف، قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے، طلاق کون سا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات کمزری کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی باتن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر لہر جوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی غَیْرِ خَلْقِهِ وَنُوْدِ عَرَشِهِ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْإِنْبِيَاءِ

مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفَى وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَُولَى الصَّدَقِ وَالصَّفَا

وجہ تصنیف

جاننا چاہیے کہ موجودہ دور بہت فتنہ و فساد کا زمانہ ہے۔ کفر و الحاد بے دریغ کی ہوس رہا آندھیاں چل رہی ہیں بد مذہبی لادینی غبی غبی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ ہندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اجتماع سنت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سوا سب کو شرک سمجھتے ہیں۔ تقلید خفی کو شرک کہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنت کیا۔ بلکہ جنہیں عربی عبارت پڑھنا نہیں آتی وہ آئینہ بالجمہ و رفع یدین کی چار حدیثیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاہ الحق اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جاہ الحق میں تیس رکعت تراویح اور تین طلاق پر معرکتہ الاذرا بحث کی جاہ الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقع نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلد و بابوں کی پرزور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندان شکن جواب دیئے جاویں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دی ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے ”فوائد فیہ“ اور حاشیہ بخاری نعیم الباری عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان میں لکھی جاوے۔ تو کلا علی اللہ ادھر تو جب کی اس حصہ کا طریقہ وہی ہوگا۔ جو جاہ الحق حصہ اول کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان ہوگا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی معقول نامعقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز اگر جرح و تعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی استاد کے ضعیف ہونے سے متین حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو معتبر نہیں۔ یہ تمام بحثیں ان شاء اللہ مقدمہ کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تہجیب ہے کہ غیر مقلد ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وغیر ہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اسے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لیے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے ہمتی و کم علمی کا اعتراف واقرا ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب ﷺ کے فضل پر بھروسہ ہے رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمادے۔ میرے لیے اے کفار یہ سینا و صدقہ جاریہ بنائے اس کا نام جاہ الحق حصہ دوم رکھتا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھے فقیر بے نوا کے حسن خاطر کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

احمد یا خان نمبر ۱ اشرفی بدایونی خطیب جامع

مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات

یکم ماہ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ دوم اپریل ۱۴۳۷ھ

دوشنبہ مبارک

مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمالیں۔ یہ قواعد بہت ہی کارآمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱

اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں۔ حدیث صحیح، حدیث حسن، حدیث ضعیف

صحیح وہ حدیث ہے جس میں چار خوبیاں ہوں۔

(۱) اس کی اسناد متصل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو۔

(۲) اس کے سارے راویوں اور درجہ کے متقی پرہیزگار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستو الحال نہ ہو۔

(۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظ ہوں کہ کسی کا حفظ بیمار یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو۔

(۴) وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی الحافظ نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲

پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں نے عوام کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ لوگوں نے اسے کھا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳

اگر حدیث ضعیف کسی وجہ حسن بن جاوے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴

حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہو جاوے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی۔

(مرقات، موضوعات کبیر، شامی، مقدمہ مشکوٰۃ شریف، مولانا عبدالحق۔ رسالہ اصول حدیث للبحر جانی اول ترمذی شریف وغیرہ)

۲۔ علماء کالمین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوے گی اس ہی لیے امام ترمذی فرمادیتے ہیں۔

هَذَا الْحَدِيثُ غَرِيبٌ "ضَعِيفٌ" وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ "یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔" ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف ناقابل عمل مگر علماء امت نے یہ قوی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایتیہ کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہو گئی۔

۳۔ علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ محی الدین بن عربی ایک حدیث سنیں تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولہ کہ اپنی ماں میں جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی (صحیح البہاری) تحدیر الاناس معنفہ مولانا محمد قاسم میں یہی واقعہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵

اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح اسی لیے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں۔

هَذَا الْحَدِيثُ حَسَنٌ صَحِيحٌ "غَرِيبٌ" "یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی۔"

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد حسن ہے دوسری سے صحیح تیسری سے غریب۔

قاعدہ نمبر ۶

بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لئے معتبر نہیں۔ لہذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہے۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔ لہذا کسی وہابی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

ایک دفعہ ایک وہابی غیر مقلد سے قرآن خلف الامام پر جاری معمولی گفتگو ہوئی۔ ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرَاءَةُ الْأَمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ ”امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔“

وہابی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جابر جعفی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جعفی کب پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۳۳۵ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں ہوئی اور وفات ۱۵۰ھ میں لہذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی وہابی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہئے کہ وہابی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا ان شاء اللہ وہابی جی پانی مانگ جائیں گے اور ضعیف کا سبق بھول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۷ جرح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وہ ضعف میں آمد کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تالیس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نوعمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں۔ (نور الانوار بحث طعن علی الحدیث)

قاعدہ نمبر ۸ اگر جرح وتعدیل میں تضاد ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ سے اس کا فق ثابت ہوا بعض نے فرمایا وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی۔ کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

قاعدہ نمبر ۹ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰ صحیح حدیث کا دار و مدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ پر نہیں صحیح ستہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور ﷺ کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر آنکھوں پر ہے بخاری میں ہو نہ ہو تعجب ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

قاعدہ نمبر ۱۱ کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرماوے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبد اللہ خطیب حمیری صاحب مشکوٰۃ خطیبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَأَنِّي إِذَا أَسْنَدْتُ الْحَدِيثَ إِلَيْهِمْ كَأَنِّي أَسْنَدْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی طرف منسوب کر دیا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کر دیا۔“

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر انتہ کا عمل ہے ان کو علماء فقہاء نے قبول فرمایا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمدیاناں

قاعدہ نمبر ۱۲ اگر حدیث وقرآن میں تضاد نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافق ہو جاوے تضاد جاتا رہا ایسے ہی اگر حدیثیں آپ میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے۔

فَأَقْرَأْ وَمَا يَسِّرَنَّ مِنَ الْقُرْآنِ ”جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔“

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ”جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا حدیث کے معنی یہ کر دو کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قرأت میں فرض ہے اور

سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اٹھ گیا اور قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا ”جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔“

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ”جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔ اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا پڑھ لینا کافی ہے کہ یہ اس کی حکمی قرأت ہے، غرض کہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی کے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ مانی جاوے گی۔ یا حضور ﷺ کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ اسکی بہت مثالیں ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۳ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کا دارومدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔ مگر حنفیوں کے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن وحدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر تقدسیت رب کا عذاب۔

حصہ دوم

پہلا باب

کانوں تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریرہ کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہذا ہم اس باب کی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے خفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔

بیت تعالیٰ قبول فرمائے۔

پہلی فصل

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳ بخاری، مسلم، طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِي أُذُنَيْهِ وَفِي لَفْظٍ حَتَّى يُحَازِي بَيْنَهُمَا فَرَفَعَ أُذُنَيْهِ

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی ٹونک اٹھاتے۔“

حدیث نمبر ۴ ابو داؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يُعَوِّذُ.

”میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یدین نہ فرماتے۔“

حدیث نمبر ۵ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

أَنَّه رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ قَالَ أَحَدُ الرُّوَاةِ جَبَالَ أُذُنَيْهِ ثُمَّ اِلْتَحَفَ ثُبُوبَهُ.

”انہوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپا لیے۔“

حدیث نمبر ۶ تا ۸ بخاری، ابو داؤد، نسائی نے حضرت ابو قتادہ سے روایت کی۔

أَنَّ مَالِكَ ابْنَ حُوَيْرِثٍ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ حَتَّى يَبْلُغَ فُرُوعَ أُذُنَيْهِ

”مالک ابن حویرث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب تکبیر تحریرہ فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی ٹونک پہنچ جاتے۔“

حدیث نمبر ۹ تا ۱۲ امام احمد، اسحاق ابن راہیہ، دارقطنی، خوافی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونِ ابْنَاهَا مَاهُ حَذَاءُ أُذُنَيْهِ

”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو جاتے۔“

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵ حاکم نے مستدرک میں دارقطنی اور یحییٰ نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فَحَازَى بِأَيْمَانِهِ أُذُنَيْهِ

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیے۔“

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷ عبد اللہ زاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ لَا يَفْتَحُ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَكُونِ ابْنَاهَا قَرِيبًا مِنْ سَحْمَةِ أُذُنَيْهِ

”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے کیلئے تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدیہ کے مقابل ہو جاتے۔“

حدیث نمبر ۱۸ ابو داؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْ بِجَبَالٍ مُنْكَبِيَةٍ وَحَادَى بِإِثْنِهَا مِثْلَهُ اُذْنِيهِ
”حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ شریف تو کندھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے۔“

حدیث نمبر ۱۹ دارقطنی نے حضرت براء عازب سے روایت کی۔

اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَدَا بِهِمَا اُذْنِيهِ ثُمَّ لَمَقَ يَعْذِلِي شَيْئًا
مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَعَ مِنْ صَلَوتِهِ

”انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل فرما دیا۔ پھر نماز سے فراغت تک ہاتھ نہ اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے ابو حمید ساعدی سے روایت کی۔

اَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِاصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَدَا وَجْهَهُ

”وہ حضور علیہ السلام کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔ آپ کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اٹھاتے۔“

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی اور بہت احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصاً صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرو کہ اس جیسی کتاب خفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔

عقلی دلائل عقل بھی چاہتی ہے۔ کہ نماز شروع کرنے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی جھگڑوں سے بیزار ہو جاتا ہے۔ کھانا پینا بولنا ادھر ادھر دیکھنا سب کو اپنے پر حرام کر لیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر کرتا ہے۔ اور اعرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزاری کراتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھواتے ہیں۔ کندھے نہیں پکڑواتے گویا نمازی قول سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے عمل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔ جسے جہدے میں مسلمان زبان سے توبہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے مجرور نیاز کا اظہار ایسے ہی شروع نماز کے وقت ایک جن کا اقرار زبان سے ہے دوسری جن کا اظہار عمل سے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

اعتراض ۱ مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں۔

اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَدَا مُنْكَبِيَةٍ

”حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔“

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیئے۔

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَدَا مُنْكَبِيَةٍ

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔“

یہ حدیث بہت استادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب یہ احادیث خفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جاویں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاوے گا۔ لیکن کندھوں تک انگوٹھے لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جن میں کانوں تک کا ذکر ہے۔ خفی مذہب دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ وہ اپنی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہذا خفی جامع ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اس کی تصریح گزر گئی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے

کانوں تک لہذا احادیث متعارض ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انگوٹھے کا ندھوں تک اٹھاتے۔ جہاں کا ندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا اور جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کا ندھوں تک ہاتھ اسی طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض؟ کانوں کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہذا قابل عمل نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلا وجہ ضعیف کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکھل کر مضبوط رہتی بن جاتی ہیں۔ تو کمزور اسنادیں مل کر تین حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ چوتھے یہ کہ ان احادیث پر امت کے علماء اولیاء صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابو حنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کا ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مبہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضرت نہیں دہا بیوں کے اس مایہ ناز اعتراض کے ٹکڑے

اڑ گئے۔ **الحمد لله رب العالمین۔**

دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھا سنت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَهْتَ الشُّرَّةَ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ بِمُسْنَدٍ صَحِيحٍ وَرَجَالُهُ ثِقَاتٌ
 ”حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔“

حدیث نمبر ۲ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ثَلَاثٌ مِنْ أَخْلَاقِ النَّبِيِّ تَعْجِلُ الْإِفْطَارَ وَتَأَخِّرُ السُّجُودَ وَوَضَعَ الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ الشُّرَّةِ
 ”تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا، سحری دیر کرنا نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔“
حدیث نمبر ۳ ابو داؤد و شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ أَبُو وَائِلٍ أَخَذَا الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ الشُّرَّةِ
 ”ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیے۔“

حدیث نمبر ۵، ۶ دارقطنی اور عبد اللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ الْكَفَّ وَفِي رِوَايَةٍ وَضَعَ الْيَمِينَ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ الشُّرَّةِ
 ”نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔“

حدیث نمبر ۹، ۶ ابو داؤد و نسخہ ابن اعرابی، احمد، دارقطنی اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّهُ قَالَ السُّنَّةُ وَضَعَ الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ الشُّرَّةِ
 ”ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔“

حدیث نمبر ۱۰ رزین نے حضرت ابی جہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ الْكَفَّ وَفِي رِوَايَةٍ وَضَعَ الْيَمِينَ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ الشُّرَّةِ
 ”نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔“

حدیث نمبر ۱۱ امام محمد نے کتاب الاآثار شریف میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى عِدِهِ الْيُسْرَى تَحْتَ الشُّرَّةِ
 ”آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۲ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ الشُّرَّةِ

”آپ نے فرمایا کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔“

حدیث نمبر ۱۳ ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”أَنَّ قَالَ مِنْ أَخْلَاقِ النَّبِيِّ وَضَعَ الْيَمِينُ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ“
”آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔“

حدیث نمبر ۱۴ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

”قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مُجَلِّزٍ وَسَالَتْهُ، قُلْتُهُ، كَيْفَ يَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّهِ يَمِينُهُ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّهِ شِمَالِهِ وَبَجَعْلُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ اسْتَاذَهُ جَيِّدٌ“ وَرَوَاتُهُ، كُلُّهُمُ ثِقَاتٌ“

”میں نے ابو مجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔“

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی سکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھ۔ صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔ لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیاز مندی کے لئے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے غم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندہ جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں انڈر کر غم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱ ابوداؤد شریف میں ابن جریر رضی نے اپنے والد سے روایت کی۔

”قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُمَسِّكُ شِمَالَهُ، بِيَمِينِهِ عَلَى الرَّسْعِ فَوْقَ السُّرَّةِ“

”میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا کہ آپ نے بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر۔“

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (نور ابن اعرابی)

”قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى عَنْهُ سَعِيدُ ابْنِ جُبَيْرٍ السُّرَّةَ وَقَالَ أَبُو جَلَادٍ تَحْتَ السُّرَّةِ وَرَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ“ ابو داؤد نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے اوپر کی روایت ہے۔ ابو جلاؤد نے ناف کے نیچے کی روایت کی۔ ابو ہریرہ سے بھی یہی روایت ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔

نوٹ ضروری: زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مروجہ ابوداؤد کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابوداؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابوداؤد میں اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایت کیں۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ ابوداؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہو گیا۔ اور ان تمام متعارضہ روایتوں کو خود ابوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابو داؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قائل عمل ہوں۔ کیونکہ سجدہ۔ رکوع۔ التحیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہئے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے۔ رب کو زور نہ دکھاؤ ہاں زاری کرو۔

اعتراض نمبر ۲ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

جواب ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے ساتھ جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں۔ نیز ائمتہ کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم القدر امام کے قبول فرمالینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا ہر اجد کا ضعف امام اعظم کو معتر کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ ہم نے چھ رمضان المبارک دوشنبہ کو حافظ ابی بخش صاحب مکہ جمال پور گجرات کو فخر الہ حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب میٹم گجرات کی خدمت میں عرض کر بھیجا۔ جس میں اُن سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مع حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایہ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سینے اور سر دھینے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

بِإِذْنِ الْمَرْحُومِ ۱۲ عَنْ وَائِلِ ابْنِ خُبَيْرٍ أَنَّهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ

”وائِل ابن حجر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھا۔“

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کیا بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ **فَصَلَّ لِرَبِّكَ وَانْحَرُ** کے معنی یہ ہیں کہ ”آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور غر یعنی سینے پر نماز میں ہاتھ رکھیں۔“

یہ جواب دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں جس کا سر تا پاؤں تا کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ بخش نے ہمیں بتایا کہ بلوغ المرام کوئی تیس چالیس ورق کا رسالہ ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اول تو یہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کہیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ موضع کی ات عاطفہ تعقیبہ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کسی حاجت سے سینے مبارک پر ہاتھ رکھے۔

رب فرماتا ہے۔ **فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا** ”جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔“

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لئے چلے جاؤ۔ اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور نہ ہوا کہ آیا عورتوں کی طرح سینہ پر ہاتھ رکھے یا پہلو انوں کی طرح لہذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ **وَالنَّحْرُ** کے اٹھتے معنی نہ کسی مرفوع صحیح حدیث میں آئے نہ جمہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کیلئے نماز پڑھو اور قربانی کرو اور حوالہ کیسی بڑی معتبر تفسیر کا دیا۔ تفسیر قادری اردو جلد ۱۱ اگر بغرض محال مان لو۔ تو اہل حدیث حضرات کو چاہئے کہ اب سے نماز میں بجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ حر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جو سینے سے متصل اوپر کی جانب ہے قربانی کو خر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلہ چیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہذا اب ان بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلہ پکڑنا چاہیے۔

بہر حال ہم کو مولانا موصوف کے جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم، بخاری یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان پچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث سمجھ کر کمالی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

وَأَرَى بَعْضَهُمْ أَنَّ يَضَعُهَا قُوْتُ السَّرَّةِ وَرَأَى بَعْضُهُمَا تَحْتَ السَّرَّةِ وَكُلُّ ذَلِكَ وَاسِعٌ عِنْدَهُمْ

”بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک۔“

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

تیسرا باب

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نمازی سورۃ فاتحہ کے اول بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قرآن شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے حلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۳۵۱ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ پڑھتے ہوں۔“

حدیث نمبر ۴ مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ الحمد للہ رب العالمین سے قرآن شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۷۵۵ نسائی۔ ابن حبان۔ طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے نبی ﷺ ابوبکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم“

حدیث نمبر ۱۱۵۸ طبرانی نے معجم کبیر میں ابونعیم نے علیہ میں ابن خزیمہ اور طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”بیشک نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ آہستہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۵ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ الْقِرَاءَةِ وَلَا فِي آخِرِهَا

”یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قرآن شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۶ ابن شیبہ نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يُخْفِي بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالْإِسْتِعَاذَةَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

”عبداللہ ابن مسعود الحمد للہ اور اعوذ باللہ اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ آہستہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۷ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ أَرَبَعٌ يَخْفِيْنَهُنَّ الْإِمَامُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَاتَّعُودُ وَآمِينَ

”آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے۔ بِسْمِ اللَّهِ - سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ - اعوذ باللہ اور آمین۔“

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹ مسلم ابوداؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قرآنۃ الحمد للہ سے۔“

حدیث نمبر ۲۰ عبد الرزاق نے ابویوسف سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيًّا كَانَ لَا يَجْهَرُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَجْهَرُ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حضرت علی مرتضیٰ بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔“

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف میں حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے۔ کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے کے لیے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو چھ کام سے بسم اللہ شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کیلئے نمازی قرآن سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ عموماً سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورۃ نحل شریف میں سورۃ بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورۃ کا جز نہیں۔ لہذا آہستہ پڑھنی چاہئے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱ چونکہ بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ہر سورۃ کا جز ہے۔ اگر جز نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہئے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہیں۔ کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدالوئی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبریل امین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا القراء پڑھو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فانا بقاری میں پڑھنے والا نہیں پھر عرض کیا القراء حضور علیہ السلام نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ **اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْخ** غرضیکہ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں سے اول میں **بِسْمِ اللّٰہ** شریف نازل نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ اگر **بِسْمِ اللّٰہ** ہر سورۃ کا جز ہو تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لے کر حرف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آیتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ دیکھو سورۃ نمل شریف میں **بِسْمِ اللّٰہ** سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں **بِسْمِ اللّٰہ** کا امتیازی شکل میں علیحدہ لکھنا فاصلہ کے لئے ہے۔

اعتراض ۲ طحاوی شریف میں حضرت المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے۔ تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الحمد للہ۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ ائمہ سلمہ کیسے سن لیتیں۔

جواب اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں جماعت سے پڑھتے تھے۔ نفل میں قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی۔ اور اَحْمَدُ لِلّٰہ بھی آہستہ۔ ام سلمہ اس موقع پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لیے حضور کی آہستہ آواز شریف سن لیتی تھیں آہستہ قرآن میں بھی اتنی آواز چاہئے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قرآن نہ ہوگی فکر ہوگا لہذا اس حدیث سے آپ کا مدعی ثابت نہیں۔

اعتراض ۳ ترمذی شریف میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَحُ صَلَوَتَهُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔“

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ دیکھا فرماتے ہیں۔

من احديث ليس اسناده بذلك ”یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔“

افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کر کے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث پیش کر رہے ہو۔ جس کا مرادہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیتو بھی اس میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نماز بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ مگر آہستہ تیسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تکبیر تحریر سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہوں کیونکہ صلوات فرمایا نہ کہ قرأت۔

اعتراض ۴ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن ابی زئی سے روایت ہے۔

صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَجَهَرَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَجْهَرُ ابْنِي بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 ”میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔“

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جب میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سے قرأت شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی کی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعاء سے پہلے برکت کے لئے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لئے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

چوتھا باب

امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔ اقوال صحابہ کبار عظمیٰ دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ، وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

”اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیجئے جاؤ۔“

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قرأت بھی کرتے تھے۔ بات چیز تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ”اور کھڑے ہو اللہ کیلئے اطاعت کرتے ہوئے۔ (خاموش)“

چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب مانعی من الکلام فی الصلوٰۃ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا دَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ، وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى نَزَلَتْ وَقُومُوا لِلَّهِ

قَانِتِينَ فَأَمْرًا بِالسَّكُوتِ وَنَهْيًا عَنِ الْكَلَامِ (مسلم)

”ہم لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری وَقُومُوا لِلَّهِ

پس ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا۔“

پھر نماز میں کلام قانع ہو گیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہو گئی۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا ”جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔“

چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت و اذا اقرا کی تفسیر میں ہے۔

وَجَمْهُورُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّهُ فِي السَّمْعِ الْمُؤْتَمِرِ

”عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قرآن امام سننے کے متعلق ہے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت و اذا اقرا کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سَمِعَ نَاسًا يَقْرَأُ وَمَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ أَمَا أَنْ لَكُمْ أَنْ تَفْقَهُوا وَإِذَا تَرَى الْقُرْآنَ

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیت کہ تم

اس آیت کو سمجھو و اذا اقرا“

تو یہ تمہیں اس تفسیر ابن عباس شریف میں آیت کی تفسیر میں ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ، إِلَى قُرْآنِهِ، وَأَنْصِتُوا لِقِرَاءَتِهِ

”جب فرض نماز میں پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جاتے وقت خاموش رہو۔“

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قرأت کرتے تھے اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قرأت

منسوخ ہو گئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱:

مسلم شریف باب سجود التلاوة میں عطاء بن یدار سے مروی ہے۔

أَنَّ سَأَلَ زَيْدَ ابْنِ قَالِبٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ

انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی سے امام کے ساتھ قرآنہ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قرآنہ جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۲:

مسلم شریف باب التعمید میں ہے۔

فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ فَحَدِّثْ أَبَى هُرَيْرَةَ فَقَالَ هُوَ صَحِيحٌ "يَعْنِي وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا

ابو بکر نے مسلمان سے پوچھا کہ ابو ہریرہ کی حدیث کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح یہ یعنی یہ حدیث کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو بالکل صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۳:

ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ هَذَا حَدِيثٌ "حَسَنٌ صَحِيحٌ"

"جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نمازی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ (یعنی جب نہ پڑھے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

حدیث نمبر ۴:

نسائی شریف میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ "اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا"

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کی تو تم بھی تکبیر کو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

ہم حدیث نمبر ۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۵:

طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَهُ الْإِمَامُ لَهُ قِرَآنَهُ "جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔"

حدیث نمبر ۱۰۶:

امام محمد نے مؤطا شریف میں امام ابو حنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عاصم عن عبد اللہ ابن شداد عن جابر ابن عبد اللہ سے روایت کی ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَهُ الْإِمَامُ لَهُ قِرَآنَهُ "قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ مَنِيعٍ وَإِنْ أَلْهَمَ هَذَا الْإِسْنَادُ صَحِيحٌ" عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اُس کی تلاوت ہے محمد ابن منیع اور امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے اور مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔"

یہ حدیث امام احمد۔ ابن ماجہ۔ (داقطنی۔ بیہقی نے بھی روایت کی۔) (صحیح ابی ہامی)

حدیث نمبر ۱۱:

طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اتَّقَرُّهُ وَنَ الْإِمَامَ يَقْرَأُ، فَسَكْتُوا فَسَاءَ لَهُمْ ثَلَاثًا فَقَالُوا إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا

”حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور نے نماز پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیا امام کی قراۃ کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا۔

حدیث نمبر ۱۲:

طحاوی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَىٰ فِطْرَةٍ ”جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں۔“

حدیث نمبر ۱۳:

دارقطنی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ ”لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ أَوْ أَنْصَتُ قَالَ بَلْ أَنْصَتُ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ

”ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا خاموش رہو۔ امام تیرے لیے کافی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴:

دارقطنی شریف نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ ”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ امام کے پیچھے جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵:

تبکلی نے قراۃ کی بحث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ فِيهَا بِأَمِّ الْكِتَابِ فِيهِ مِذَاجٌ ”إِلَّا صَلَاةَ خَلْفَ الْإِمَامِ“
”انہوں نے حضور علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص ہے سواء اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔“

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷:

امام محمد نے مؤطا میں عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَيْتُ فِي فَمِ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرٌ ”۱“ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔“

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۴:

امام طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود زید ابن ثابت عبداللہ ابن عمر عبداللہ ابن عباس۔ جابر ابن عبداللہ حضرت علقمہ۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت عمرو وغیرہ ہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایت پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قراۃ کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں ہونفرت کے خلاف ہے اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات

یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قرآنہ خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۳ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف۔ مؤطا امام محمد۔ صحیح ابی ہاری۔ ہمارا حاشیہ بخاری نعیم ابی ہاری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔

(۱) نماز سے جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایسے ہی سورۃ طائی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمَّا الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا "اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔"

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیے کہ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قرأت کافی ہے۔ ایسے ہی سورۃ فاتحہ میں بھی کافی ہے۔

(۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اُسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اُسے رکعت نہ ملنی چاہیے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص بکیر تحریر نہ کہے یا بکیر تحریر کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تحریر اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی معلوم ہوا کہ امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔ جب اس مقتدی کے لئے قرأت ساتھ ہوگی تو چاہیے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساتھ ہو۔

(۳) اگر مقتدی پر قرأت فاتحہ بھی ہو اور آمین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے تسبیح میں ہے آمین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دو۔ نہ دو آمین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے تسبیح میں آمین درست ہے۔

(۴) اگر مقتدی فاتحہ کے تسبیح میں ہو اور امام رکوع میں چلا جاوے تو بتاؤ یہ مقتدی آدمی فاتحہ چھوڑ دے یا رکوع چھوڑ دے۔ جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل و قیاس سے جواب نہ دینا۔ مشرق و مغرب کے علماء الجہد کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات ۲-۳-۴ نمبر کے جوابات تمام حضرات مل کر مشورہ کر کے دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔ انشاء اللہ نہ دے سکیں گے تو چاہیے کہ ضد چھوڑ دیں اور احناف کی طرح حکم قرآن و حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کریں۔

(۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجالاتے ہیں۔ مگر عرض و معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گیا وہ ہی کرے گا۔ ایسے ہی جماعت نمازی رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو بکیر۔ تسبیح۔ تشہد وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی بجزا ہے سب ادا کریں۔ مگر تلاوت قرآن جو عرض و معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلدین اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ہر ایک نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوال ہم نقل کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ عز و جل اس طریقہ سے وہ بھی نہ کر سکیں گے رب تعالیٰ قبول فرما دے۔

اعتراض نمبر ۱:

آیۃ کریمہ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** میں قرآن سے مراد جمع کا خطبہ ہے۔ نہ کہ مقتدی کی نماز جیسا کہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔ لہذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ یکہ ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بغرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قرأت قرآن کا ذکر ہے۔ لہذا یہ حکم سب کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کے غمو کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا۔ تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے۔ جبکہ سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے۔ خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمعہ میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے نہیں۔

آیت کریمہ **وَإِذَا قُرِئَ** ”میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو حضور کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کر کے شور نہ کیا کرو لہذا سورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔“

جواب یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے یہاں پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے **لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ** تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے۔

مِنْهُمْ مَنْ يَسْمَعُ إِلَيْكَ وَجَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ اَكِنَّةً

”یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے۔“
دیکھو کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ عَمَلِكُمْ فَبَجَلْنَا عَنْهَا هَبَاءَ مَنْثُورًا

”اور جو کچھ انہوں نے کام کیئے تھے۔ ہم نے قصہ فرما کر انہیں باریک غبار کے ریزوں کی طرح بنادیا۔“
اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے۔ تب بھی ثواب کا مستحق نہیں بغیر وضو نماز درست نہیں۔ بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ **وَالصَّوْمُ** خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ بات کر دو نہ کچھ پڑھو اگر سورۃ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرضکیہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی نہ خطبہ جمعہ کے لئے نمازیوں کو امام کے پیچھے قرآن سے روکنے کے لئے نازل ہوئی چنانچہ پہلی شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَسَمِعَ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ (بخاری)

”حضور علیہ السلام نماز میں قرآن فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی قرأت سنی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **وَإِذَا قُرِئَ** ابن مرویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاذیہ ابن قرظہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔

قَالَ إِنَّمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ (بخاری)

”یہ آیت واذا قریئ الخ امام کے پیچھے قرآن کرنے کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قراءت کرے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔

اعتراض نمبر ۳:

اگر تلاوت قرآن کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہو تو مصیبت آ جاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سنی جاتی ہے۔ تو سب کو کھار بار کلام سلام حرام ہو جاوے گا۔ امام تراویح پڑھا رہا ہے ایک آدمی آیا جس نے ابھی فرض نہیں پڑے وہ ادا ہی مسجد میں فرض عشاء پڑھتا ہے۔ جہاں قرآن کی آواز آرہی ہے۔ یہ بھی حرام ہوگا۔ غرض یہ معنی امت کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہیں۔ (موجودہ وہابی)

جواب ساری امت کا اجتماع ہے کہ تلاوت قرآن سننا فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین اگر قاری کی قرآن ایک مسلمان بھی سن رہا ہے تو کافی ہے جیسے نماز جنازہ کہ اگرچہ پرفرض ہے مگر ایک کے ادا کرنے سے سب بری القادہ ہو گئے۔ امام کے پیچھے سب مقتدی ایک شخص کے علم میں ہیں۔ جیسے نماز جنازہ کی جماعت لہذا مقتدیوں میں سے کوئی تو کلام سلام۔ تلاوت نہیں کر سکتا غیر مقتدی کیلئے ان مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ ہاں اگر سب لوگ کاروبار میں لگے ہوں کوئی نہ سن رہا ہو تو بلند آواز سے تلاوت منع ہے ایسے ہی ایک مجلس میں چند لوگوں کا بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا منع ہے یا تو ایک تلاوت کرے باقی سنیں یا سب خاموشی سے پڑھیں۔ اس کی تحقیق شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھو۔ لہذا نہ کوئی آفت ہے نہ مصیبت۔

اعتراض نمبر ۴:

اس سے لازم آتا ہے کہ کتب میں چند نیچے ایک ساتھ قرآن شریف بلند آواز سے یا نہیں کر سکتے پھر بھی مصیبت ہی رہی۔

جواب وہاں تعلیم قرآن ہے۔ تلاوت قرآن نہیں۔ تلاوت کا سننا فرض ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا اس لیے رب نے **إِذَا قُرِئَ** فرمایا **إِذَا تَعَلَّمَ** نہ فرمایا۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔

إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ”جب تم قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔“
تلاوت قرآن پڑھنا چاہئے۔ مگر جب شاگرد اس کو قرآن سنائے تو اعوذ نہ پڑھے کہ یہ تلاوت قرآن نہیں تعلیم قرآن ہے۔ (شامی وغیرہ) ایسے ہی قرآن کریم خلاف تربیت چھاپنا منع ہے۔ ترتیل و ترتیب چاہئے۔ مگر بچوں کی تعلیم کے لئے آخری پارہ الٹا چھاپنے بھی ہیں اور انہیں الٹا پڑھاتے بھی ہیں تعلیم و قرآن کے ادا کام میں فرق ہوتا ہے قرآن نے بھی تلاوت و تعلیم میں فرق کیا رب فرماتا ہے۔

تِلْوَ عَلَیْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْحَنُوفِ ”وہ نبی مسلمان پر آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔“
اور انہیں پاک کرتے ہیں۔ اور انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر تلاوت اور تعلیم میں فرق نہیں تو یہاں ان دونوں کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا۔

اعتراض نمبر 5:

آپ کی پیش کردہ حدیث **قِرْآنَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ** اور حدیث **وَإِذَا قُرِئَ فَانصِتُوا** میں لفظ قراءہ ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا تو ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب امام پڑھے تم خاموش رہو کیا پڑھے قرآن یا کچھ اور تو چاہئے کہ امام کے پیچھے سبحان - التصحیات - درود وغیرہ کچھ نہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے۔ (سجود و مقعدن دہا بی)

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر ایسے ہی لفظوں کے لغوی معنی کیئے گئے تو آپ کو مصیبت پڑ جاوے گی۔ آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کے معنی ہیں۔ بات حیت یا قصہ کہانی۔ رب فرماتا ہے۔

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ اور فرمایا **فَجَعَلْنَا هُمُ أَحَادِيثَ** اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لاؤ گے ہم نے ان قوموں کو قصے کہانیاں بنادیا۔

تو اہل حدیث کے معنی یا تو ہوئے باتیں بنانے والا یا کہ قصے کہانیاں ناول پڑھنے سنانے والا جناب یہاں حدیث کی اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ فرمان رسول اللہ ﷺ۔ وحی کے لغوی معنی ہیں۔ اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرماں برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی ہیں یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی قسم اور قرآن کے احکام ہی بنی۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ نماز کے ذکر میں جب لفظ قرآن آئے بولا جاتا ہے تو اس سے تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں نماز کے چھ رکن ہیں۔ گنبد تحریمہ، قیام، قرآن، رکوع، سجدہ، اختیارات میں بیٹھنا تو یہاں قیام کے معنی ناچنے کیلئے کھڑا ہونا۔ اور قرآن کے معنی ناول پڑھنا نہیں ذرا سمجھ سے بات کیا کرو کیا اتنی سمجھ پر حدیث رسول سمجھنے کا دعویٰ ہے۔

اگر ہمیں کتب و ہمیں ملا کارخطاں تمام خواہد شد

اعتراض نمبر 6:

مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ”اُس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔“

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے قیام و رکوع وغیرہ دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے۔ نمازی اکیلا ہو یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔

جواب: اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا ”اُس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے۔“

اور مؤطا امام مالک میں یہی حدیث اس طرح ہے۔

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالسُّورَةِ ”نماز میں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور ایک اور سورہ سے“

آپ کو چاہیے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورہ طہ بھی کیا۔ بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا انکار ہے۔

دوسرا جواب الزامی یہ ہے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلے فصل میں پیش کیں بلکہ

تمہارے بھی مخالف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَاقْرَءْ وَ اٰمَنَیْسِرْمِنَ الْقُرْآنِ ”جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو۔“

مجموعہ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَآیٰتِهٖ ”جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔ اور خاموش رہو۔“

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت احادیث بیان کر چکے ہیں۔ جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ جب امام قرأت کرے تو تم چپ رہو وغیرہ۔

تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو طہارت تکبیر تحریر۔ قیام فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔ سورۃ فاتحہ کیسے معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔

جواب تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہیں جس سے قرآن وحدیث میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرائیں جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ الاصلوۃ میں الٹائی جس ہے جس کا اسم تو ہے۔ صلوۃ پڑ پڑا ہے یعنی ”کمال“ مطلب یہ ہوا کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کمال نہیں ہوتی مطلق قرأت حکم قرآن فرض ہے اور سورۃ فاتحہ بحکم حدیث واجب جیسے۔

لَا صَلَوةَ اِلَّا بِحَضْرَةِ الْقَلْبِ لَا صَلَوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ

”نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔“

ان دونوں حدیثوں میں الاصلوۃ سے کمال نماز کی لٹی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر لم بقو اقراء فہمکی حقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نماز کی پڑھتے فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکم کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیر ہیں۔ یا یہ حدیث عام ہے۔ اور ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں، جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

اعتراض نمبر ۷:

ترمذی شریف میں حضرت عبادہ ابن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ اِنِّیْ اَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرِءَاۤءَ اِمَامِکُمْ قَالَ قُلْنَا بَلٰی قَالَ لَا تَقْرَءُوْا اِلَّا بِاَمِّ الْقُرْآنِ

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا۔ سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو۔“

اس حدیث میں صراحت ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہی ہم کہتے ہیں۔ عبادہ ابن صامت کی یہی حدیث ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی میں بھی ہے۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے۔ کیوں جناب جب مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی۔ اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع نقل ہے۔

جس میں حضور ﷺ نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر عقیقہ۔ عبداللہ ابن مسعود۔ زید ابن ثابت۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر حضرت علی و عمر سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ جن میں سے کچھ روایتیں ہیں پہلی فصل میں بیان کر چکے اور لحاظ و شریف صحیح الہماری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ کی یہ روایت حدیث واحد ہے اُن صحابہ کرام کی وہ روایات حدیث مشابہ ہیں لہذا انہیں ترجیح ہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے خلاف ہے قرآن نے تلاوت قرآن کے وقت خاموشی کا حکم دیا۔ ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تائید کر رہا ہے۔ لہذا انہیں ترجیح ہے۔ چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور اُن احادیث میں جو ہم نے پیش کیں۔ اس کی ممانعت یہ نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ دیکو غیر اللہ کو سجدہ تعظیص کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ بلکہ شیطان اس غیر اللہ کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا۔ مگر دوسری نصوص میں اس

مردے کی ممانعت کی گئی۔ اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے۔ پانچویں یہ کہ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی۔ حدیث مسلم شریف میں موجود۔ نیز امام ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا۔ بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ ترمذی میں اسی تمہاری حدیث کے ساتھ ہے۔

قَالَ أَبُو عِيْسَى حَدِيثُ "عِبَادَةَ حَدِيثُ" حَسَنٌ وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثُ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ ابْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عِبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَهَذَا أَصَحُّ

”ابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے۔ (صحیح نہیں) یہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت سے روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔“

پھر لگا کر زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں۔ جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں۔ بلکہ حسن ہے۔ اور اس کے خلاف زیادہ صحیح ہے۔ جو الزام خفیوں پر دیا کرتے ہو۔ وہ خود بھی کر رہے ہو۔

اعتراض نمبر ۸:

اکثر صحابہ کرام کا عمل یہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرائت کرتے تھے امام ترمذی اس حدیث عبادہ ابن صامت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ فِي الْقِرَاءَةِ خَلَفَ الْإِمَامَ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْتَابِعِينَ

”امام کے پیچھے قرائت کرنے کے متعلق اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ پر عمل ہے۔“

جب اکثر صحابہ کا عمل اس پر ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اصافی نہیں۔ بلکہ حقیقی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم صحابہ نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَكَثِيرٌ "حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ" "أَنْ مِنْ سَبْتٍ بِعَذَابٍ مُقَرَّرٍ"۔

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قراءۃ خلف الامام کے سخت خلاف ہیں۔ حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (صحیح ابہاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگے سے بھر جاوے۔ (ابن حبان) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدن بھر جاوے۔ ابن حبان حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عاتقہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قراءۃ کرے اس کے منہ میں خاک (طھاری شریف) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن جوزی فی الملل) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر (موطا امام محمد و عبد الرزاق) حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں انگارے ہوں۔

(موطا امام محمد و عبد الرزاق) حضرت عبداللہ ابن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔ اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ امام کی قرأت کافی ہے۔ (موطا امام محمد یہ تمام روایات طھاری شریف اور صحیح ابہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا۔ ورنہ اسی صحابہ سے منقول ہے کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قرأت سے سخت منع فرماتے۔ دیکھو شامی۔ فتح القدیر وغیرہ اگر بعض روایات میں آجاءے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو یا تو ان کا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا یا وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔

اعتراض نمبر ۹:

وہ تمام روایات ضعیف ہیں۔ (دہوی پرانہ سبق)

جواب:

جی ہاں۔ اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں آپ کو ان کے ضعف کا الہام ہوا ہوگا۔ ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتر نہیں۔ نیز امام صاحب نے جب یہ احادیث لیں اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعیف آیا بعد کا ضعف امام صاحب

کو مضرت نہیں، چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۱۰:

اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہئے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں حارج نہیں۔

جواب یہ اعتراض جب درست ہوتا جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لئے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سننے کا علیحدہ حکم۔ رب فرماتا ہے **اقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ** جیسے زکوٰۃ کی فضیلت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سننا نہیں۔ جہری نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سننا بھی۔

اعتراض نمبر ۱۱:

بلکہ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے جیسے تکبیر تحریمہ۔ قیام رکوع وغیرہ تو تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی ادا کرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز مسلمان وفد بن کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمائندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شاہی قیام، رکوع، سجدہ اور تحنیت و ثناب عرض کریں گے عرض معروض یعنی تلاوت و قرآن صرف ان کا نمائندہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر ایسی چیزیں تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲:

رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

جواب: الحمد للہ آپ قریناً خفی ہو گئے بس یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قرآء اس کی قرآء ہے آپ نے مان لیا کہ **لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأ** والی حدیث اپنے ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی معنیٰ میں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تھوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ عز و جل وہ بھی آپ مان جائیں گے یہ جواب الزامی تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدمی رہ جاتی ہے جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے جیسے دائمی جنون اور عورت کی پلیدی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط و ارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبور یوں میں ان کا بدلہ کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدلہ تیمم اور قیام کا بدلہ قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوئی۔ اگر مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لئے امام کی قرآء بدل ہے بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو سفر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے عقلی ہے دیکھو نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہہ لے جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معافی ہو گئی۔

اعتراض نمبر ۱۳:

رکوع پانے والے پر ایسی رکعت کا قیام معاف ہو گیا۔ جو فرض تھا تو اگر سورہ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔ **جواب** یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

آیت کریمہ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** الیٰ کی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور سورہ فاتحہ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تو سورہ فاتحہ پڑھنا اس

آیت سے کیے منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیا مقدم آیت مؤخر آیت کی مانع ہو سکتی ہے۔ (بعض نئے وہابی)

جواب: یہ محض آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ جب سورہ فاتحہ کی ہے اور نماز بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ سورہ

فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فرضیت طہارت و وضو بھی مدنی ہے۔

پانچواں باب

آمین آہستہ کہنی چاہئیں

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا اور نماز جہری ہو یا سہری آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیلات کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

آہستہ آمین کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف دلائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَذْعُرُّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ”اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ آمین بھی دعا ہے۔ لہذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہئے۔“

رب فرماتا ہے۔ **وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ** ”اُجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

”اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔“
معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہے۔ رب تو ہماری شرک سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا عبث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس لیے کہ آمین دعا ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۴۱: بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آمَنَ الْإِمَامُ فَأَمِنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَامِيْنُهُ تَامِيْنُ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جسکی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس سے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لئے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آمین آج تک نہ سنی تو چاہیے کہ ہماری آمین خجہ آہستہ ہوتا کہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔ جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۸۴۹: بخاری۔ شافعی۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب امام کہے۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تمہو آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا۔ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی کے پیچھے سورہ فاتحہ ہر گز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور علیہ السلام فرماتے کہ جب ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے۔ ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔

رب فرماتا ہے۔ **إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ** ”جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔“

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ۔

إِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ ”جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہہ لو۔“ معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہئے کیونکہ فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے۔ فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہی ہے۔ جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے۔ کیونکہ تمہارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اس وقت آمین کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۸۵۱۴ امام احمد۔ ابو داؤد طحاوی۔ ابوالعلیٰ موسیٰ طبرانی۔ دارقطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت واکل ابن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے۔

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ

”حضرت واکل ابن حجر نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور علیہ السلام ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔“

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، بلند آواز سے یا کھل خلاف سنت ہے۔

حدیث نمبر ۲۱۵۱۹ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت واکل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَةَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَّضَ بِهِ صَوْتَهُ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔“

حدیث نمبر ۲۲۵۲۲ طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت واکل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عَمْرُ وَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَجْهَرُ أَنْ يَبْسُمَ اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ وَلَا بِآمِينَ

”حضرت عمرو بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔“

معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کہنی سنت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴۵۲۴ یعنی شرح ہدایہ نے حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ

”حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ - بِسْمِ اللّٰهِ - آمین اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ “

حدیث نمبر ۲۵۵۲۵ تلمیذی نے حضرت ابو داؤد سے روایت کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ يَخْفَى الْإِمَامُ أَرْبَعًا بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَ التَّعَوُّذُ وَ التَّشَهُّدُ

”امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ - اَعُوذُ اور التَّحِيَّاتُ“

حدیث نمبر ۲۶۵۲۶ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ أَرْبَعٌ "يُخْفِيْنَهَا الْإِمَامُ التَّعَوُّذُ وَ بِسْمِ اللَّهِ وَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَ آمِينَ رَوَاهُ مُحَمَّدٌ" فِي الْأَثَارِ وَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ

”آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اَعُوذُ وَ بِسْمِ اللّٰهِ - سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ اور آمین یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔“

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ قرآن نہیں ای لینے نہ جبریل امین اسے لائے۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے تو جیسے شاء التحیات درود ابراہیمی۔ دعا مانورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہیے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ جمع پڑے یہ چیخنا قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لیے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف ہو اور اگر آمین کہے اور چیخے تو آمین درمیان میں آدے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آوے گا اور درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں تفصیل و ارمح جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ آئین دعا نہیں ہے۔ لہذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے۔ رب نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب آئین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَيَّ أَمْوَالِيهِمْ وَشَدِّدْ عَلَيَّ قُلُوبَهُمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرْوِيَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ

”اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک درو ناک عذاب نہ دیکھ لیں۔“

رب نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوُوكُمْ فَأَسْتَقِيمَا ”رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو۔“

فرمائیے دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی یعنی تمہاری اور حضرت ہارون علیہ السلام کی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے کب دعا مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آئین کو دعا فرمایا معلوم ہوا کہ آئین دعا ہے اور دعا آہستہ ہونا چاہیے یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اعتراض نمبر ۲ ترمذی شریف میں حضرت ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَفْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ وَقَالَ آمِينَ وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ

”میں نے نبی ﷺ کو سنا کہ آپ نے غیر المفضوب علیہم ولا الضالین پڑھا۔ اور آمین فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔“

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ اس میں مذ ارشاد ہو مَدَّ مَدَّ سے بنا۔ اس کے معنی بلند کرنا نہیں بلکہ آواز کھینچنا ہے مطلب یہ ہے

کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہذا اس میں آپ کی کوئی دلیل نہیں۔ ترجمہ کی

غلطی ہے۔ خیال رہے کہ مذ کا مقابل قصر ہے خفاء کا مقابل ہے جہر۔ رفع کا مقابل خفض ہے اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کسی روایت میں

نہیں رب فرماتا ہے۔

إِنَّهُ يَنْفَعُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ”بیشک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو۔“

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مد۔

اعتراض نمبر ۳ ابو داؤد شریف میں حضرت وائل حجر سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ

”نبی ﷺ جب فرماتے ولا الضالین تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف بلند فرماتے تھے۔“

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں مذ ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے

معنی کھینچنے کے ہیں نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مذ کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت

بالمعنی کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ مذ کے علاوہ خارجی قراء کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحت ذکر ہے۔

لہذا احادیث میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی احادیث میں تعارض مگر جہر والی روایتیں

قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ

آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہری آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہذا آہستہ آمین کی حدیثیں قائل عمل ہیں اس کے خلاف قائل

ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آمین جہری والی حدیثیں قرآن شریف سے اور ان احادیث

سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں اسی لیے صحابہ کرام ہمیشہ ہمیشہ آمین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے

تھے۔ جیسا کہ پہلی فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حد میں منسوخ نہیں تھیں تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

اعتراض نمبر ۴: ابن ماجہ میں حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَهَا أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلُ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدَ

”حضور علیہ السلام جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فرماتے تو آمین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی تھی۔“

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج بغیر شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی۔ اوّل عبارت چھوڑ دی وہ یہ ہے ملاحظہ ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ التَّامِينَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّحْوُ

”لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور ﷺ ارٹ

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی۔ جس پر سیدنا ابو ہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ احادیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ چمپر والی مسجد میں حضور انور ﷺ کی مسجد شریف آپ کے زمانہ معمولی چمپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب کسی چمپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھائے ان شاء اللہ عز و جل چیخے چیخے مرجاویں گے مگر گونج نہ پیدا ہوگی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراض نمبر ۳ کے تحت عرض کئے گئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اگر صحابہ نے اتنی اونچی آمین کہی کہ مسجد گونج گئی تو سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی ہو گئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالفت قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵: بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ "آمِينَ دُعَاءُ" آمَنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى إِنَّ الْمَسْجِدَ الْجَنَّةَ

”حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔ اور حضرت ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو گئی۔“

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی جگہ کہنا چاہیے کہ مسجد گونج جاوے۔

جواب: اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مگدو کچھو فضل اوّل۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں۔ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی تا کہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔ تیسرے یہ کہ حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ ہنگی اور چمپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیت بھی عقل شرعی اور مشاہدہ کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آ جاتا ہے۔ آیات صفات کو کتاب مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔

جیسے يَذَّ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ”اُن کے ہاتھوں اللہ کا ہاتھ۔“

فَإِنَّمَا لَوْ لَوْا فَمَجَّ وَجْهَ اللَّهِ ”تم جہر پھر دگے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔“

خدا کے لئے ہاتھ نہ ہونا عقل کے خلاف ہے لہذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے۔

فَوَجَدَهَا تَعْرُبُ فِي عَنَنِ حُمْرَةٍ ”ذوالقرنین نے سورج کو کچھڑ کے خوشے میں ڈوبتے دیکھا۔“

سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کچھڑ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہذا اس کی تاویل کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیہ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور یہ حدیث سمجھنا کچھ اور۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوعہ موجود نہیں جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے۔ نہ ملے گی وہابیوں

کو چاہئے کہ ضد چھوڑ دیں اور صدقِ ول سے امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑیں کہ یہ ہی حضور ﷺ کا راستہ ہے اس مسلک کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اعتراض نمبر ۶۔ آہستہ آئین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ (دبی پرائیویٹ پبلیکیشن) دیکھو اوائلِ حرم کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

”خَبَرْتُ سَفِيَانَ أَصَحَّ مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ فِي هَذَا إِلَى أَنْ وَقَالَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ، وَإِنَّمَا هُوَ مَدْبِهَا صَوْتُهُ“
 ”آئین کے بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں۔ خفض یعنی حضور نے پست آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد ہے یعنی آواز کھینچ کر آئین فرمائی۔“

جواب خدا کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابوحنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے سہی کہ ہف جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل درجہ یہ ہے کہ آپ کے خلاف ہے اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے۔ آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آئین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ واری آرہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ قلعی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں جب بھی سب مل کر قوی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔
 تیسرے یہ کہ شعبہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضرب نہیں۔

چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امامِ اعظم سراج امت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول فرمایا لینے سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے لہذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہذا آہستہ آئین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہذا آہستہ آئین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابلِ عمل غرضکہ آہستہ آئین کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہئے۔

اعتراض نمبر ۷۔ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

”قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ“
 ”اس طرح کہتے کہ صفِ اوّل میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔“

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آیا کہ صرف چپچپے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی اسناد میں بشیر ابن رافع آرہا ہے اسے ترمذی نے کتاب الجہانز میں حافظ ذہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابنِ معین نے اس کی روایت کو موضوع قرار دیا۔ امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا۔ (دیکھو آفتاب محمدی الہدایہ حدیث سخت ضعیف ہے قابلِ عمل نہیں)

چھٹا باب

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلدان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہذا ہم اس مسئلے کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

پہلی فصل

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور اخلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۴ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ اَلَا اَصَلَّيْ بِكُمْ صَلَوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيْرِ الْاِفْتِاحِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيْثٌ "حَسَنٌ" وَبِهِ يَقُوْلُ غَيْرٌ وَاحِدٌ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِيْنَ

"ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضرت کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا یکمیر تحریرہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔"

حیال رکھئے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابویوسف جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا چھٹے یہ کہ عام امت رسول ﷺ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے جیسا کہ ہم آئندہ عرض کریں گے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵ شیبہ نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهَا حَتّٰى يَقْرُءَ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے۔"

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء

حدیث نمبر ۶ ابوداؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلَوةَ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتّٰى انْصَرَفَ

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔"

حدیث نمبر ۷ طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ

"وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے۔"

حدیث نمبر ۸، ۱۴۸ حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَاسْتِقْبَالِ الْبَيْتِ وَالصَّفَا وَالْمُرْوَةِ وَالْمَوْقِفَيْنِ وَالْجُمُورَتَيْنِ

”حضور ﷺ نے فرمایا کہ ساتھ جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقوف منا و مزدلفہ میں اور دونوں جمروں کے سامنے۔“

یہ حدیث بزار نے حضرت ابن عمر سے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیہقی نے حضرت ابن عباس سے طبرانی اور بخاری نے کتاب المغفرہ میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵ امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

إِنْ كَانَ وَائِلٌ رَأَى رَجُلًا يَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَدْ رَأَى عَبْدَ اللَّهِ خَمْسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ

”اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو پچاس رفع یدین نہ کرتے دیکھا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم میں۔ حضور ﷺ کی محبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَذِيهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ

”کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۸ یعنی شری بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی۔

أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَأْسِهِ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ لَهُ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّهُ شَيْءٌ فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهُ

”کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور ﷺ نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۱۹، ۲۰ بیہقی و طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِي شَيْءٍ مِنْهَا

”کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوذُ وَقَالَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ

”میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے۔“

حدیث نمبر ۲۲ ابوداؤد شریف نے حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ إِسْنَادُهُ بِهَذَا قَالَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَاحِدَةً

”حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ

اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲۳ دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”أَنَّه رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَى بِهِمَا أَيْدِيَهُ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ“

”مگر انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی تو ہاتھ اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲۴ امام محمد نے کتاب الآحاد میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عن حماد بن ابراہیم سے اس طرح روایت کی۔

”أَنَّه قَلَّلَ لَا تَرْفَعُ الْيَدَيْنِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِكَ بَعْدَ الْمَرَّةِ الْأُولَى“

”آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔“

حدیث نمبر ۲۵ ابو داؤد نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُودُ“

”بیشک حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔“

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف کچھ روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو موطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابو محمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی مکہ معظمہ کے دارالاحاطین میں ملاقات ہوگئی تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب قول گفتگو ہوئی۔ سنیے اور ایمان تازہ کچھئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ آپ لوگ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ

”مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔“

امام اعظم میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی اچھا فوز اپنی فرمائیے

امام اعظم لکھیے سنیے۔

حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَعُودُ لِنَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ

”ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے ابراہیم رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے کہا نبی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔“

امام اوزاعی آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم اس لیے کہ حاد زہری سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر عالم و فقیہ ہیں۔ علقمہ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر بن مسلم نہیں اسود بہت ہی بڑی مہنگی فقیہہ و افضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود فقہ ہیں۔ قرآن میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قائل قبول ہے۔

امام اوزاعی خاصوش:

غیر مقلد وہابی صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث والی اور یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں یہ لمبی اسنادیں اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کام اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریر میں رفع یدین ہو۔ اور تمام اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیے کہ رکوع کی تکبیر تحریر کی طرح ہے یا سجدہ اور اتحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر تحریر کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور اتحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریر فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع و سجدے کی تکبیریں سنت کا ان کے بغیر بھی نماز ہو جائے گی۔ تکبیر تحریر نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریر سے اصل نماز شروع ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز، تکبیر تحریر نماز پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلی ہی ہی حرمت آچکی ہے تو جب رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوتی نہ کہ تکبیر کی طرح تو چاہیے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے یعنی ہاتھ نہ اٹھانا لہذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے۔ (ازلمادی شریف)

خلاصہ یہ ہے کہ رفع یدین بقوت رکوع حضور ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں صراحت مذکور ہے یا وہ سب مرجوع اور ناقابل عمل ہیں ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون و اطمینان چاہیے بلاوجہ حرکت و جنبش مکروہ اور سختی کے خلاف ہے اس ہی لیے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا، انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق، لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱ رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی۔ (دو ہی پرنا سبق)

جواب جی ہاں۔ صرف اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں آپ کے سرواں کھوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رشت نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنادیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑ دو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بابوں میں عرض کر چکے۔

اعتراض نمبر ۲ ابو داؤد کی برائے ابن عازب والی حدیث کے متعلق خود ابو داؤد نے فرمایا۔

هَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِصَحِيحٍ ”یہ حدیث صحیح نہیں۔“

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آنے سے پیش کیوں فرمایا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو یا صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بقسم۔ حسن البغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابوداؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ **دوسرے** یہ کہ ابوداؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے۔ انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے جرح مبہم معتبر نہیں، ہم ابوداؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ بچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر ۳ ابوداؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۲۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جو کہ آخر عمر میں نحول کی بیماری ہو گئی تھی انہوں نے یزہا پے میں فرمایا۔

ثُمَّ لَا يَعُودُ دراصل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیچے جرح مفصل حاضر ہے۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے جو قابل عمل نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابوداؤد کی اس روایت میں ہیں۔ مگر امام صاحب ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابوداؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابو یوسف کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابوداؤد کا ضعف امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے لئے مضر کیوں ہو۔

دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔

تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابوداؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں۔

چوتھے یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے سواء ٹھنی بھر دباؤ کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے فی صدی مسلمان خفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذہب اس اندازہ کی صحت حرمین مطہین کا معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ پچارے وہابی تو کسی شام میں نہیں یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”مَا زَاہَ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ“ ”جیسے عامۃ المؤمنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔“

اور فرماتے ہیں۔ **اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شَدِّ فِي النَّارِ**

”میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جایگا۔“

خیال دہیے کہ شافعی، مالک، حنبلی، حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد ٹھنی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اعمال میں جدا گانہ انداز غنیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۴ تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ۱ جو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث ناقابل عمل ہوتی ہے۔

(ذریعہ غازی خاں کے ذیک لائق وہابی)

جواب جناب یہ حدیث مجمل نہیں، مطلق نہیں، عام نہیں، مشترک لفظی یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان حکم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل کے بعد حکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق، عام، مجمل، مشترک معنوی، مشترک لفظی میں فرق بتائیں اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اصول فقہ، مطلق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو تم حدیث کے غلط ترجمے کیے جاؤ۔ جمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق کسی خفی عالم سے مجمل کا لفظ سن لیا ہو گا تو دھونس جانے کے لئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہائے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵ ابوداؤد ترمذی، واری ابن ماجہ نے حضرت ابو حنیفہ ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ يَكْبِرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكَّتَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ
فَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ الرحمہ
 ”پھر آپ کبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے
سمع الله لمن حمده پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔“

ابوحید ساعدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیے۔
 (فتوح یہ حدیث وہابی غیر مقلدوں کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناہ ہے۔)
جواب اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث استاد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ وَهَذَا حَدِيثٌ أَحْمَدُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ يَحْيَىٰ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَمِيدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشْرَةِ الرَّحْمَةِ
 ”ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحییٰ نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں عبد الحمید ابن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحید ساعدی سے دس صحابہ کی جماعت میں سنا۔“
 ان میں سے عبد الحمید ابن جعفر سخت مجروح و ضعیف ہیں۔ دیکھو لمحاوی۔ دوسرے محمد ابن عمر ابن عطاء نے ابوحید ساعدی سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہذا یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجبول ہے (لمحاوی) ان دو نقطوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لیے آپ کو مقبول ہے کچھ تو شرم کرو۔
 دوسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ الْفَتْحِ الصَّلَاةِ
 ”پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو کبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا۔“
 فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔
 تیسرے یہ کہ جب ابوحید ساعدی نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو ابوداؤد میں ہے۔
قَالُوا فَلَمَّا قَامَ اللَّهُ مَا كُنْتَ بِأَكْثَرَ نَالَهُ تَبَعْتُوا أَفْذَ مَنْالَهُ صُحْبَةً قَالَ بَلَىٰ
 ”انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کیساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابوحید بولے بیگناہ ایسا ہی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ابوحید نہ تو صحابہ میں فقیہہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیدنا عبد اللہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں جو حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں تو ہمیں ابوحید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود کی روایت معتبر ہے جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم ہے لہذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل علم ہے۔
 چوتھے یہ کہ ابوحید ساعدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے مگر کب تک اس سے خاموشی ہے ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہذا یہ اُس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق لہذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب التکرار کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

أَلَوْ ضُوءٌ مِمَّا مَسَّتُهُ النَّارُ ”آگ کی ہر چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے۔“
 دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کھانا ملا خط فرما کر بغیر وضو کے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہو تو پہلی حدیث

چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے دھو لیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھپے یہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابی کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو جید ساعدی کی اس روایت میں عبد الحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام مارودی نے جو ہر نقلی میں فرمایا کہ عبد الحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام مارودی وہ ہیں۔ جنہیں صحیح بن سعید فرماتے ہیں۔ **هُوَ اَمَامُ النَّاسِ فِي هَذَا الْبَابِ** حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمرو ایسا چھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے ان سے سنا۔ ایسے چھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اذل درجہ کی مدلس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطاء ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہذا یہ حدیث مجہول بھی و غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں یہ منکر بھی ہے مضطرب بھی مدلس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابو داؤد یہ ہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ بجائے کہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صفہ الصلوٰۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہر حال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔

حنفی بھائیو: رفع یدین غیر مقلدو ہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید ساعدی پایہ ناز دلیل ہے جو وہابیوں کے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام فنی لوگ انکی ان ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پر خٹھے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال دہے کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیوں کہ ان کے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہوگئی تو سمجھو کہ انکے مذہب کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان پچاروں کا سوا ان اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے، بے مرشد بے نور سے اس آیت کے مصداق ہیں۔

رب فرماتا ہے۔ **وَمَنْ يُضِلُّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا** نیز رب فرماتا ہے **وَمَنْ يَلْعَنُهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا** "جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر مرشد۔ جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔"

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہیہ کا دار و مدار اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام الاکبر کا شفاء الغمہ سراج ائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چراغ ہے امام بخاری و عام محمد شین کے اسنادوں کا استاد ہے جس کے زیر دامن ہزار ہا اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ ﷺ موجود ہے ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور صحیح احادیث ہیں۔

جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور علیہ السلام سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مسئلہ دیکھو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود براہ راست یہ حدیث سنی تھی بے دھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آجائیں۔ اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہو جاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے صاحب قرآن ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس حکم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدح سے پاک ہے ایسے ہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح و قدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور علیہ السلام سے متصل ہے لہذا وہابیوں کے لئے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر ان جوہوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سُبْحَانَ اللہ عزو جل کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتراض نمبر ۶ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَسَنًا وَمَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَثُرَ لِلرُّكُوعِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَقْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ

”بیشک رسول اللہ ﷺ ہاتھ شریف کا دھوئیں تک اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے اور فرماتے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اور سجدہ میں رفعِ یَدین نہ کرتے تھے۔“

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفعِ یَدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک ہی کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور ﷺ رکوع میں رفعِ یَدین کرتے تھے یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور ﷺ کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفعِ یَدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفعِ یَدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفعِ یَدین منسوخ ہے۔ چنانچہ دارقطنی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام اور حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔“

فرماؤ جناب اگر رفعِ یَدین سنت باقی ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفعِ یَدین نہ کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دیکھا چکے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رفعِ یَدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا خُص ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یُس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابو قلاب ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی یا حلی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکارا فضی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجع مذہب کا تھا۔ غرض کہ رفعِ یَدین کی حدیثوں کے راویوں و فضلاء میں ہیں کیونکہ یہ درافض کا عمل ہے وہ رفعِ یَدین کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷ بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَثُرَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرُّكُوعَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ

”حضرت عبداللہ ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو آپ نبی ﷺ کی طرف مرفوع کرتے تھے۔“

دیکھو سیدنا عبداللہ ابن عمر بوقت رکوع رفعِ یَدین کرتے تھے۔ رفعِ یَدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اُٹھنے وقت بھی رفعِ یَدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو دو رکعتوں سے اُٹھنے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریرہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ رفعِ یَدین پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور رفعِ یَدین کے بعد نہ اٹھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے لہذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فَقَدْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ ابْنُ عُمَرَ فَعَلَ مَا رَأَاهُ طَاوُسٌ " قَبْلَ أَنْ تَقُومَ الْحُجَّةُ عَنْدَهُ بِنَسْخِهِ ثُمَّ قَانَتْ الْحُجَّةُ عَنْدَهُ بِنَسْخِهِ وَتَرَكَهُ وَفَعَلَ مَا رَزَّكَهُ " عِنْدَ مُجَاهِدٍ "

”جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طائوس نے دیکھا ثبوت رخ سے پہلے کیا۔ مگر جب سیدنا عبداللہ ابن عمر کو رفع یدین کے رخ کی حقیقی ہوئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا۔ (رفع یدین نہ کرتا)“

بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑی ہے کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتراض نمبر ۸ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَيْهِ

”جب حضور ﷺ نے سبح اللہ لمن حمدہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔“

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں حضرت وائل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں رخ احکام کی خبر بمثل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود ہمیشہ حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے بڑے عالم وفقیہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر حضور ﷺ کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود صوبہ اُزل میں خاص حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

لِيَلْبِسَنِي مِنْكُمْ أَوْلُو الْأَحْلَامِ وَالنَّهْيِ ” تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم و عقل والا ہو۔“

چنانچہ مسند امام اعظم ہیں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے تو حضرت ابراہیم نخعی نے نہیں جواب دیا۔

فَقَالَ اِغْرَابِي ” لَا يَعْرِفُ شَرَاِعَ الْاِسْلَامِ وَلَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا صَلَوةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِي مَنْ لَا أُخْصِي عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي بُدْءِ الصَّلَاةِ، فَقَطُّ وَحَكَاةً عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُ اللَّهِ عَالِمٌ بِشَرَاِعِ الْاِسْلَامِ وَحُدُودِهِ مُتَّفَقٌ ” أَحْوَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَازِمٌ “ لَهُ فِي إِقَامَتِهِ وَأَسْفَارِهِ وَقَدْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يَحْصِي

”آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور ﷺ کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ احکام اسلام سے خبردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی حقیقی خبر رکھنے والے۔ حضرت کے ستر حضرت کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضرت علیہ السلام کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔“

خلاصہ یہ کہ عالم وفقیہ اور حضور ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے رخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہی نقل فرمادیا۔

اعتراض نمبر ۹ اگر تکبیر تحریر کے سوا رفع یدین نہ کرنا چاہیے تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وقت وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ذریعہ غازی ثانی دہائی)

جواب اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رو گئے اب لگے۔ اُنکل بچو بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں بلکہ نماز عید اور دعا قوت کی سنتیں ہیں۔ اسی ہی لیے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز

عید میں خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ ایسے ہی کچھ گنبدیں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اسے وہابیہ ہر رکوع پر تین رفع یدین کیا کرو اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔

اعتراض نمبر ۱۰ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل نحر کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ اس نحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ۔

إِذَا تَحَرَّمْتَ لِلصَّلَاةِ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ إِذَا كَبَّرْتَ وَإِذَا رَكَعْتَ وَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَإِنَّهَا صَلَوَاتُنَا وَصَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ الَّذِينَ فِي السَّمَوَاتِ السَّبْعِ

”اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا ہے اور رفع یدین ایسا ہی ضرور ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ** یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور ﷺ کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام کے بھی فرشتوں کے بھی۔ فرش و عرش پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابوحنیفہ کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

نوٹ ضروری ڈیرہ غازی خان کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکٹ مفت تقسیم ہوا مجھے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب و لہجہ میں مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہم نوائے جھوٹی حدیث گڑھ تولی۔ مگر گڑھ نہ آئی جھوٹ بولنے کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لئے اسناد پر بحث نہیں کی جاسکتی اور نہیں جا سکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے آخر کے معنی کئے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کوئی کتاب سے ثابت ہیں۔ نحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اسے معنی کی پوٹلی ایک لفظ غریب کس نے بھروی۔ کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو نحر کے معنی یہ بتا گئے پھر میری ﷺ اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اسے جبرئیل نحر کے یہ انوکھے معنی کہاں سے لیے گئے۔ اور کیسے لیے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن وحدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوٰۃ کے معنی روٹی کھانا۔ زکوٰۃ کے معنی پانی پینا ج کے معنی کپڑے پہننا۔ صوم کے معنی چار پائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دوکانداری کرنا کرلو۔ چلو اسلام کے پانچوں ارکان فتم۔ ذرا شرم کرو اپنے نام مذہب مذہب کو بنانے کے لئے کیوں ایسی حدیثیں گھڑتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ یہاں نحر صلوٰۃ پر معطوف ہے۔ اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ تو چاہئے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا بجز ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر۔

تیسرے یہ کہ جب داخلہ کے معنی ہوئے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ مذکور ہوا تو چاہئے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکروین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے ساتھ منکر کا فرہوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنسے تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کہ ناجہی جس پر چاہو عمل کر لو بتاؤ اس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

چوتھے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کہا۔ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ تابعین کا عمل ہے فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کا انکار کر کے جہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ عرفا روقؓ علی مرتضیٰؓ عبداللہ ابن عباسؓ عبداللہ ابن عمرؓ عبداللہ ابن مسعودؓ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضہ قرآنی جو نماز کی طرح فرض ہوا ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ڈیرہ غازی خان کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ حیرت و حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المومنین مولانا کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت جبرئیل سے داخلہ کے معنی پوچھے اور پھر خود اس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے

چاہئے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی متلف فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے منکروں پر فرمایا۔ ملاجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچے نیچے سوچ سمجھ لینی چاہئے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے ایسی بے گئی مدشیں گھڑ لینے میں خوف خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے منفعی ہیں حدیث بتانے والے حدیث ڈھالنے والے۔

اعتراض نمبر ۱۱ حضرات امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔

إِذَا ثَبَتَ حَدِيثٌ فَهُوَ مَذْهَبِي ”جب کوئی حدیث ثابت ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔“

چونکہ رفع یدین قرأت خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ کا قول حدیث کے خلاف ہے اس لئے ہم نے انکا قول و یوار سے مار دیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہی حقیقت ہے۔ (عام دہائی)

جواب جی ہاں اور خاص کر جبکہ حدیث کے متحقق آپ جیسے محققین (ہڈ پینے والے) ہوں جنہیں استتبا کرنے کی تیز نہیں جو بخاری کو بکھاری۔ مسلم کو مسلم حدیث کو حدیث فرمائیں۔

جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ گھٹی اجازت نہیں دی۔ امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے۔

إِذَا ثَبَتَ حَدِيثٌ فَهُوَ مَذْهَبِي ”جب حدیث ثابت ہو گئی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے۔“

یعنی اے مسلمانوں ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی اور اس کے ہر پہلو پر طرح غور و خوض و بحث و تحقیق کی۔ اسناد اور تمین پر خوب گرا مگر جرح و قدح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔ یہ مذہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے لہذا تم کو حدیث کے سمندر میں نہ کو دنا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سمندر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف خواص کا کام ہے۔ اگر پسناری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا حکیم کی تجویز سے استعمال کرو۔ قرآن حدیث روحانی دوا و نکاح دوا خانہ ہے۔ امام اعظم طیب اعظم ہیں۔ قرآن وحدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین و مسائل بغیر سوچے سمجھے اٹکل مٹچے بیان کر دیئے ہیں۔ اے نا سمجھ نادانوں تم حدیث کے غلط سلطہ ترجمے کرتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طیب بغیر تحقیقی اور بغیر سوچے سمجھے ایک بیمار کے لئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابوحنیفہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن وحدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

ساتواں باب

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع لے کر ہفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے جو بعد نماز عشاء تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضا لازم اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر موکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے جوہر پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں

حدیث نمبر ۳۶۱ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوالیوب سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ
”حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔“

حدیث نمبر ۴ بزار نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ
”حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔“

حدیث نمبر ۶۵ ابو داؤد حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا
”میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔“

حدیث نمبر ۷ عبد اللہ ابن احمد نے عبد الرحمن ابن رافع ثقفی سے روایت کی کہ حضرت معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سستی کرنے ہیں تو آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مَعَاوِيَةُ أَوْاجِبٌ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
زَادَنِي رَبِّي عَزَّوَجَلَّ صَلَوةً هِيَ الْوُتْرُ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ
”تو امیر معاویہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاذ ابن جبل نے فرمایا ہاں میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔“

حدیث نمبر ۸ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مرسل روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وَتْرِهِ فَلْيَصِلْ إِذَا أَصْبَحَ
”جو وتر چھوڑ کر چو جائے وہ صبح کے وقت اس کی قضا پڑھے۔“

حدیث نمبر ۱۴۴ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابوالیوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط شیعین پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ
”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب ہے ہر مسلمان پر۔“

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں بلکہ واجب ہے دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۱۴ روایتیں پیش کیں۔

و تَرْتِین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۴۶۱ نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے صغیر ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ
”فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں“

حدیث نمبر ۶۰۵ دارقطنی اور ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُرُ اللَّيْلُ ثَلَاثٌ كَوْتِرِ النَّهَارِ صَلَوةِ الْمَغْرِبِ
”فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں جیسے دن کے وتر نماز مغرب۔“

حدیث نمبر ۷ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ وَكُعَاتٍ ”بے شک نبی ﷺ وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔“

حدیث نمبر ۸ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ الْخَمْسَةِ دُورَ كَعْتَيْنِ لَعَلَّ يَذَّكَّرْنَ

ثُمَّ عَادَفِنَا حَتَّى سَمِعْتُ نَفْخَهُ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اسْتَاكَ ثُمَّ صَلَّى وَكُعَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَاكَ
”پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور علیہ السلام کے خزانے سے پھر اٹھے اور مسواک کی دو رکعتیں پڑھیں پھر اٹھے اور وضو مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔“

حدیث نمبر ۱۳۶۹ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسَبْحِ الْأَسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فِي رُكْعَةٍ وَرُكْعَةٍ

”فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں بح اسم ربک الاعلیٰ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ۔“

حدیث نمبر ۱۸۶۱۴ ترمذی شریف۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالعزیز ابن جریج۔ عبدالرحمن ابن ابی ہریرہ سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِأَنِّي سَمِعْتُ كَانَ يُؤْتِرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسَبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ يَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ يَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمَعُودَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں بح اسم ربک الاعلیٰ دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل هو اللہ اور لعل و تاس۔“

حدیث نمبر ۱۹ نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسَبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ يَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ

”بے شک نبی ﷺ ستر میں بح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل هو اللہ پڑھا کرتے تھے اور سلام نہ پھیرتے تھے مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔“

حدیث نمبر ۲۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ أَجْمَعُ الْمُسْلِمُونَ عَلَى الْوُتْرِ ثَلَاثٌ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ

”اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔ مگر ان کے آخر میں۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت ابو خالد سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ الْوُتْرِ فَقَالَ عَلِمْنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْوُتْرَ مِثْلُ صَلَوةِ الْمَغْرِبِ هَذَا وَتُرُّ الْمَلِيلَ وَهَذَا وَتُرُّ النَّهَارَ

”میں نے حضرت ابو العالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول ﷺ تو یہ ہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔

یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب کی طرح ہیں یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب دن کے وتر۔“

یہ ایکس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمائیے ان احادیث سے یہ پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ یہ عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امامہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس لیے ہوائے نفس والوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھ کر سو رہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تیسری میں فلاں وہابی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاوے گی۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔ بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جدا گانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو زکوٰۃ حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہئے تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں فرض تو کیا کوئی نفل وسنت مؤکدہ وسنت غیر مؤکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت ہے جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر۔ عصر۔ عشاء یا تین رکعت جیسے مغرب وتر نہ تو چار رکعت ہو سکتی ہیں نہ دو کہ یہ عدد شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لا محالہ تین ہی رکعت چاہئے ایک رکعت نماز اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی ایک رکعت نامکمل ہے ناقص ہے بھڑا ہے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا اجماع صحابہ کرام کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبر دواہ مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكَعَتَيْنِ

”فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر دو رکعت پڑھتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہئے۔ حضور ﷺ نے یہی پڑھی ہے۔

جواب آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہو گئی جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہو گئیں۔ حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہئے جس سے احادیث معتنق ہو جاویں۔ اس حدیث شریف میں اب استعاذہ کی ہے۔

جیسے **كَبَلْتُ بِالْقَلَمِ** میں نے قلم سے لکھا کیونکہ اور باب افعال متعدی ہضم ہے تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ حضور ﷺ نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد بھٹ سے طاق بن گیا۔ مثلاً آٹھ رکعت تہجد ادا فرمائی یہ عدد بھٹ تھا پھر تین رکعت قمر پڑھی تو وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔ جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کا کیا جواب دو گے جن میں صراحتہً تین کا عدد مذکور ہے یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے دوسری رکعت میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئیں۔

اعتراض نمبر ۲: مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَشْيٌ فَإِذَا خَبِيَ أَحَدُكُمْ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تَوْبَرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى "فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے یہ رکعت گزشتہ نماز کو تریٹا دے گی۔"

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو رکعت نفل ادا کرنی چاہئے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں صبح سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہے چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔ حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں چوتھے کے انکار ہی ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں تو چاروں نہ مانیں۔

جواب غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو اکیلی ایک رکعت علیحدہ طور پر پڑھ لے اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہوگئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہو گیا حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی رکعت واحدہ کے بعد مع رکعتیں پوشیدہ ہے کیونکہ پہلے شیئی کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو گیا جیسے کہ رب فرماتا ہے۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا "اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تو بڑھا لینے۔" اس آیت میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو نو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سے سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت علیحدہ اُن دو دو سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری شیئی یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دو دو رکعتیں۔ تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس علم الاولین والاخرین اصح اھلن ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہ وہابی جی حدیثوں کو لڑانا اچھا۔ یا احادیث میں موافق پیدا کر کے سب پر عمل کرنا بہتر کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعتراض نمبر ۳: مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

أَلْوَتَرُ رَكْعَةً مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ "وتر آخررات میں ایک رکعت ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے اکیلی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہوگی، اور احادیث کا جمع ناممکن ہو گا حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی، پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز حقت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں بن گئیں اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہوگئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴: ابو داؤد نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرٌ يُحِبُّ الْوَتَرُ فَاوْتَرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ "فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ وتر (بے جوڑ) ہے وتر کو پسند فرماتا ہے پس وتر پڑھا کرو اے قرآن ماننے والو۔"

حنفی بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہئے نہ کہ تین حضور ﷺ نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا حقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہئے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ تین کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا کہ حضور ﷺ نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے دیکھو پہلی فصل حقیقی جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تھیں میں اولے مناسب کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا

ضروری نہیں اس لیے حضور ﷺ نے وتر فرمایا۔ نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے

دیکھو رب فرماتا ہے۔ **مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ** ”اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جسمیں چراغ ہے۔“
 یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل بتی ہوتی ہے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی روغن بتی ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں غلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پیچھے بھی ہے۔

اعتراض نمبر ۵ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔

أَوْتَرَ مَعَاوِيَةَ بَعْدَ الْعِشَاءِ بَرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلَى لَابْنِ عَبَّاسٍ فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ دَعُهُ فَتَهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حاضر تھے انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔“
 معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو زالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقہ صحابی ہیں فقہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں اسکا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَاوِيَةَ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بَوَاحِدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ
 ”حضرت ابن عباس رے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المؤمنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقہ ہیں۔“

صاف معلوم ہوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبداللہ ابن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے اس ہی لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں، عالم ہیں، مجتہد ہیں اور مجتہد فقہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے ان پر اعتراضات نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ۶ حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں تو اعتراض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آئین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری نماز پڑھیں تو نہ انہیں واہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دروغی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ (عام دہانی)

جواب جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے مگر جاہل جب دیدہ و دانستہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا مستحق ہے اگر رسول سرجن سند یافتہ ملازم سرکار کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن جاہل آدمی یوں ہی اٹکل بچے کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ جج۔ حاکم کسی ملزم کو سزا دے حق ہے اگرچہ غلطی کرے مگر جو ایرے غیر قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں خوریز جنگ ہوئی جس میں علیؑ علی مرتضیٰ برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گہنگا روئی نہیں جس کو بھی بُرا کہا جاوے تو بُرا کہنے والا ہے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن نے حضرت داؤد سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں کا ذکر فرمایا۔

إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْبِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَمَمُ الْقَوْمِ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ”جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے حعلق فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قول کی بکریاں پھیل گئیں۔ ہم انکا فیصلہ مشاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان کو وہ سمجھا دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت و علم بخشا۔“

دیکھو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیحدہ علیحدہ فیصلہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطا و اجتہاد ہی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں کیوں اس لیے کہ آپ مجتہد مطلق

تھے اور مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں۔ وہابیو اگر تم بھی رفع یدین یا اونچنی آمین۔ شافی بن کر کرو تو تمہیں وہابی نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود بے عمل ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔

اعتراض نمبر ۷ تین رکعت وتر کی ہفتی حدیثیں ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث حجت نہیں۔

جواب جی ہاں اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں یا اس لیے کہ ساری حدیثیں ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساٹھ برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم کتاب میں بارہا دے چکے ہیں۔

آٹھواں باب

قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعا قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سنت مکروہ اور خلاف سنت ہے مگر غیر مقلد وہابیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی جو دراصل درپردہ غیر مقلد ہیں بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعا حضور سید عالم ﷺ نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روز یہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی نہ پڑھی دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۲۱: بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احوں کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا إِنَّهُ كَانَ يَبْعَثُ أَنَسًا يَقَالُ إِنَّهُمْ الْقُرَاءُ سَبْعُونَ رَجُلًا فَأَصِيبُوا فَقَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ

”حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لیے بھیجا وہ شہید کر دیے گئے تو حضور علیہ السلام نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بددعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔“

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ عذر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳: طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُو عَلَى رِغْلٍ وَزَكَوَانٍ فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوتَ

”حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قبیلہ رطل و زکوان پر بددعا فرمائی جب حضور ﷺ ان پر غالب آگئے تو چھوڑ دی۔“

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحۃً ذکر آگیا۔

حدیث نمبر ۲۶۴: ابوالعلیٰ موصلی۔ ابوبکر بزار طبرانی نے کبیر میں بتائی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى عُصَيَّةٍ وَذَكَوَانَ شَهْرًا فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوتَ وَقَالَ الْبَزَارِيُّ رَوَاتِهِ لَمْ يَقْنِتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لَمْ يَقْنِتْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ

”حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ جس میں قبیلہ عصبہ و زکوان پر بددعا فرمائی جب ان پر غلاب آگئے تو چھوڑ دی بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔“

حدیث نمبر ۸، ۹: ابوداؤد نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ

”نبی کریم ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔“

حدیث نمبر ۱۰، ۱۱: ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابومالک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قُلْتُ لِأَبِي بَلَاءٍ يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَى بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ هَهُنَا بِأَنْكُونَهُ نَحْنُ مِنْ خُمْسِ سِنِينَ كَانُوا يَقْنَتُونَ قَالَ يَا بُنَيَّ مُحَدَّثٌ

”فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابا جان آپ نے حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر و اعلیٰ رضی اللہ عنہم کے پیچھے کونہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا اے بچہ یہ بدعت ہے۔“

یعنی ہمیشہ قنوت نازل پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۴، ۱۳ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث نقل کی جس میں آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكَاَن يَقُولُ فِي بَعْض صَلَوَاتِهِ اَللّٰهُمَّ اَلْعَن فُلَانًا فُلَانًا لَا حَيَاءَ مِنَ الْعَرَبِ حَتَّى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْئٌ

”حضور انور ﷺ اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدا یا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ”لیس لک الخ“

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعاء قنوت نازل فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے دوسرے یہ کہ حدیث شریف آیہ قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازل پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت ہے تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی وہ حضور ﷺ کی ذات شریف کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے ہیں ہاں حضور ﷺ نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافی دی ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔“

حدیث نمبر ۱۵ حافظ طحاوی ابن حجر محدث نے اپنی مسند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی ہے۔

عَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ عَنْ اَبَانِ ابْنِ عِيَّاشٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ يَفْقُتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَجْرِ اِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لِاَنَّهُ حَارَبَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقُنْتُ يَدْعُوْنَ عَلَيْهِمْ

”امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فجر میں قنوت نازل کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی جب ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔“

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ حافظ ابن خضرو نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن حسن اشعانی نے حضرت امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے۔

قَالَ مَا قُنْتُ اَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَلَا عُثْمَانُ وَلَا عَلِيٌّ حَتَّى حَارَبَ اَهْلَ اَشْيَاطٍ فَكَانَ يَقْنُتُ

”نہ حضرت ابو بکر و عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی مرتضیٰ نے قنوت نازل پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازل پڑھی۔“

حدیث نمبر ۱۸ ابو محمد بخاری نے امام ابو حنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری صحابی سے روایت کی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ لَمْ يَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يَدْعُوْنَ اَعْلَىٰ غَصِيَّةٍ وَذَكَرُوْا اَنْ لَّمْ يَقْنُتْ اِلَىٰ مَاتَ

”انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ حضور نے چالیس دن کے سوا دعائے قنوت نازل نہ پڑھی۔ ان چالیس دن میں آپ نے غصیہ ذکوان پر بددعا فرمائی پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔“

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازل نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف۔ صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ قنوت نازل نماز میں نہ پڑھی جاوے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ بیخاکہ نذر انقض کی رکعتیں مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں تو جب چار نمازوں میں قنوت نازل نہیں چاہئے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ باجماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں فوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اٹھتے وقت اکیلا نمازی **سمع اللہ لم حمدہ** بھی کہتا ہے اور

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ بھی۔ مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے تو امام **رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ** نہیں کہتا صرف **سمع اللہ لم حمدہ**

کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ **رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ** تو کہتا ہے مگر **سمع اللہ لم حمدہ** نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعاء و قنوت نازل پڑھنا مقصد شرح کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصاً فرائض بیخاکہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا جلسہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرح کے خلاف ہے۔ رکوع فجر کے بعد جو قنوت ہے۔ اس میں صرف **سمع اللہ لم حمدہ** کے بقدر پڑھنا چاہئے۔ اگر اس میں قنوت نازل پڑھی گئی تو

سجدہ جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے۔ دیر لگے گی۔ یا خیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ ہو یا واجب کرتی ہے اور اگر عمدہ ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہذا اندرون نماز قنوت نازل نہ پڑھنا چاہئے تاکہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقع پر بہتر یہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے قنوت نازلہ پڑھے تو اگر چہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے منوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے فجر کے سوا کسی اور نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا وجہ عمدہ سجدہ میں تاخیر کر دی تاخیر فرض مفسد نماز ہے۔

ایک شبہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر۔ مغرب۔ عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے کیونکہ شرح نقایہ اور نقایۃ الاوطار میں ہے۔

قَتَّ الْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْجَهْرِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَاحْمَدُ

”اس موقع پر امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے امام ثوری و احمد کا یہی قول ہے۔“

مخاطب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب و عشاء فجر کی بلکہ نماز قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ شرح نقایہ اور نقایۃ الاوطار میں یہاں کا تب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہاد لکھ دیا ہے یعنی ق ف کو جتیم بنا دیا۔ چنانچہ اشیاء و الطائر میں اس جگہ بجائے صلوٰۃ الجہر کے صلوٰۃ الفجر ہے اور طحاوی علی در الخیار اور علامہ ابن عابدین شامی نے منیۃ الطالب علی بحر الرائق میں فرمایا۔

وَلَعَلَّهُ مُخَوِّفٌ غَنِ الْفَجْرِ ”شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن گیا ہے۔“

طحاوی کی عبارت یوں ہے۔ **وَالَّذِي يَظْهَرُ لِي أَنَّ قَوْلَهُ فِي الْبُحْرِ وَإِنْ نَزَلَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ نَازِلَةٌ قَتَّ**

الْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْجَهْرِ تَحْرِيفٌ مِنَ النَّسَاحِ وَصَوَابُهُ الْفَجْرُ بحرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہر نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کا حکلی غلطی ہے صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔“

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق کرنا ہوتا۔ ہمارا قادیانی نصیبہ ملاحظہ فرمادیں۔ چونکہ اب دیوبندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں اس لیے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کر دی گئی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات اہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیا ننداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرا تو ان شاء اللہ اس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱ تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں چکڑی جاسکتی۔ (ہندوستانی)

جواب اس کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد نہایت مختصر اور کھری نکالی ہوئی ہے۔ جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ہاں ابن عیاش۔ ابراہیم حنفی۔ علقمہ ابن مسعود بتاؤ ان میں کون ضعیف ہے چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرون میں سے ہے۔ ان کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ضعف تدلیس وغیرہ بنیادیں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہی روایتیں تمہاری دلیلیں ہیں جن پر تمہارے مذہب کا دار و مدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری راویوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بنیادیں موجود ہیں۔ لہذا ضعیف ضعیف کی رست سے کسی غیر مقلد کو ڈراؤ۔ حنفی کے لئے اس سے کچھ خطرہ نہیں باقی جوابات وہ ہیں۔ جو ہم پہلے بالوں میں عرض کر چکے ہیں ہم نے ہر حدیث کی بلفظہ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ وہ احادیث حسن ہو گئیں ضعف جاتا رہا۔

اعتراض نمبر ۲ تاہن ماجہ نے روایت کی کہ کسی نہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضرت نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قَتَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ وَفِي رَوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ

”حضور ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔“
اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازل پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازل کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث دعا و قنوت کے بحث میں لائے ہیں جو وتروں میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعا و قنوت مراد ہے۔ لہذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازل ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ پڑھی اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور نے قنوت نازل صرف ایک یا سوا ماہ پڑھی پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پاکڑنا سخت مجرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازل ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلی یا بعد میں۔ تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد مجروح ہے۔ اس ہی لئے اسے مسلم و بخاری نے نہ لیا مسلم و بخاری کی روایتیں اس کی خلاف ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ لہذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لئے کسی طرح حجت نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ حِينَ يَقْرَعُ مِنْ صَلَوةِ الْفَجْرِ مِنَ الْقِرَاءَةِ وَيَكْبَرُ وَيَرْفَعُ رَأْسَهُ يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ ”اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ“

”حضور علیہ السلام جب نماز فجر کی قراءت سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور مع اللہ حمد فرماتے تو کھڑے ہوئے یہ دعا پڑھتے اے اللہ ولید ابن ولید کو نجات دے اے“
طحاوی شریف حقیقوں کی کتاب ہے اس سے قنوت نازل کا ثبوت ہے۔

اعتراض نمبر ۴ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر میں قنوت نازل پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازل پڑھنا منقول ہے ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازل پڑھنا ان کے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں الٹا ہی اور تحقیقی جواب الٹا ہی تو یہ ہے کہ یہ روایت تمہارے بھی خلاف ہیں کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خراج یا بغاوت کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانوں سے لڑنے کے سوا کون سے جہاد کئے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازل کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف رہا بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں جیسے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ انسانی و ابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالت جنگ قنوت نازل پڑھتے تھے جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہ اس لئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازل پڑھنا جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے دلیل کچھ اور تمام دباہویوں کا اعلان امام ہے کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازل پڑھنے کا حکم یا ذکر ہو ان شاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہذا کیونکہ ضد کرتے ہیں مقلدین کرمج نمازیں پڑھا کرو۔

تتمہ

وتر میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر مقلد وہابی و تروں میں ہمیشہ دعا و قنوت پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری چند روزہ رمضان میں دعا و قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم خفی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعا و قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔ اس کے غلو ف کرنا سخت بُرا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۹ امام محمد نے آخر میں اور حافظ ابن خسر و محدث نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔

”اِنَّهٗ كَانَ يَفْتَتِ السَّنَةَ كُلَّمَا فِي الْوُتْرِ قَبْلَ الرَّكْعَةِ“ ”کہ آپ وتروں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔“
 حدیث نمبر ۴۲۰ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت سیدنا ابن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا يَقُولُونَ قَنَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاٰخِرِ الْوُتْرِ وَكَانُوا يَقْعَلُونَ ذٰلِكَ“ ”وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی علی مرتضیٰ سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور ﷺ وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہی کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۸۵۵ ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔
 اَنْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي الْاٰخِرِ وَتَرِهَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَعِ
 ”یہنا حضور ﷺ اپنی آخری وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔“ اللّٰهُمَّ اِن اَعُوْذُ بِكَ اَعِ

خیال رہے۔ کہ غیر مقلد و بابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعا قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابوداؤد نے حضرت حسن بصری سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبٰی اَبْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهٖمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهٖمْ اِلَّا فِی النِّصْفِ الْبَاقِیِ“ ”حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کر دیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدھے رمضان میں۔“
 غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعا قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اے وہاں بھو! تمہارا پورا حدیث پر ایمان ہے یا آدمی پر۔ اگر آدمی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

اَفْتَوِیْمُنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ“ ”کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔“
 اگر اس حدیث سے چندہ دن دعا قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔
 دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعا قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جس میں سب قدر بھیجی ہے۔ اعکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعا قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے ہیں جن میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سارا سال دعا قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکا احادیث میں تضاد پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی چندہ دن دعا قنوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ابی ابن کعب نے بیس رات تراویح پڑھائیں جن میں سے آخری نصف میں دعا قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعا قنوت ہوئی تم چندھویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔
 ملاحظہ اعلان ہم تمام دنیا کے وہابیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کر د جس میں چندہ دن دعا قنوت کا حکم ہوا گے پچھلے پڑھنے کی ممانعت ہو۔ قیامت تک نہ لاکو گے لہذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کر دو اور ہمیشہ دعا قنوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

نواں باب

التَّحِيَّاتِ مِیں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں دوہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں دوہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے وہابی غیر مقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت بُرا اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

التَّحِيَّاتِ میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد دوہنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سرا کہہ کر طرف بایاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى

”آپ اپنا بایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲، ۳ بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّمَا السُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْبِتَ الْيُسْرَى إِذَا لَسَّائِي وَاسْتَقْبَلَهُ بِأَصَابِعِهَا الْقَبْلَةَ

”سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔“

حدیث نمبر ۴ تا ۷ بخاری شریف۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، جنہیں سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ قَالَ فَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السَّنَنِ

فَنَهَانِي عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْبِتَ رِجْلَكَ الْيُسْرَى

فَفَعَلْتُ لَهُ، إِنَّكَ تَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ رِجْلِي لَا تَحْمِلَانِي

”کہ وہ اپنے والد عبداللہ ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا اس وقت میں تو عمر تھا تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں یعنی چہار زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا

بوجھ نہیں اٹھا سکتے (یعنی حذوری ہے)۔“

حدیث نمبر ۸، ۹ ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلْتُ لَا نَظَرُنْ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ وَوَضَعَ

يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى فَخْذِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى

”فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں حضور ﷺ کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور بایاں ہاتھ

بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔“

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۳ امام احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَإِذَا جَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلَى فَخْذِكَ الْيُسْرَى ”پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو۔“

حدیث نمبر ۱۴ طحاوی شریف نے حضرت ابوا یوبہ نعمانی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يُسْتَجَبُ إِذَا جَاسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَفْتَرِشَ قَدَمَهُ الْيُسْرَى عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسُ عَلَيْهَا

”آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا بایاں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔“

حدیث نمبر ۱۵ ابو داؤد شریف نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى حَتَّى أَسْوَدَ ظَهْرُ قَدَمِهِ

”وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ جب نماز میں بیٹھے تو اپنا پایاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہوگئی تھی۔“

حدیث نمبر ۱۶ یحییٰ شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا جَلَسَ فَلْيَنْصِبْ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَلْيُخْفِضْ رِجْلَهُ الْيُسْرَى

”جب نماز میں بیٹھے تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں بچھائے۔“

حدیث نمبر ۱۷ طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ لَا حِفْظَنَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُدِ فَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا

”میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یاد کر دوں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ التحیات کے لیے بیٹھے تو بائیں پاؤں بچھایا پھر اسی پر بیٹھے گئے۔“

حدیث نمبر ۱۸ طحاوی شریف نے حضرت ابوجہد ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُدِ اضْجَعْ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصِبْ الْيُمْنَى عَلَى صَدْرِهَا وَتَشَهَّدْ

”جب حضور ﷺ التحیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا پایاں پاؤں بچھایا اور داہنا پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور التحیات پڑھتے تھے۔“

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں در نہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التحیات کا ذکر ہے اول آخر کی قید نہیں معلوم ہوا کہ مرد التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دو جہدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری التحیات میں وہابیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے اور دو جہدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے جہدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیے یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اسے پہلے التحیات کی نشست کی طرح ہونا چاہئے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے اس سے بچنا چاہیے خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں وہی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر وہ پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو جہدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح لہذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہابیوں کی یہ روایتی نقلی نشست کس میں شامل ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

اعتراض نمبر ۱ طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ ابن سعید سے روایت کی۔

أَنَّ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدٍ أَرَاهُمُ الْجُلُوسَ فَتَنَصَّبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَتَنَى رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَجَلَسَ عَلَى وَرْكِهِ الْيُسْرَى وَلَمْ يَجْلِسْ عَلَى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَرَانِي هَذَا عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِي أَنَّ أَبَاهُ عَبْدُ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَذْعُلُ ذَالِكَ

”کہ قاسم ابن محمد نے ان لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بائیں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھے۔ آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے پھر قاسم نے فرمایا کہ یہی مجھے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خدری کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لیے کیا کہ حضور ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہوگا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز کی ہر التحیات میں اس ہی طرح بیٹھتے تھے مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ حدیث اس روایت کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے قیاس شرعی کے بھی خلاف اور جب حدیثوں میں تعارض ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہوگی اُسے ترجیح ہوگی۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث سے تمہارا قول ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس میں یہ تفریق نہیں۔ کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما زمین پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے دونوں قدموں پر نہ بیٹھتے تھے واقعی نمازی دونوں قدموں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے لہذا اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں۔

اعتراض نمبر ۲ طحاوی شریف اور ابوداؤد نے محمد ابن عمرو ابن عطاء سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کا ملخص یہ ہے۔

سَمِعْتُ أَبَا حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ فِي عَشْرَةِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا عَلَّمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ فِي الْجُلُوسَةِ الْأُولَى يُتْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا حَتَّى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الْبَنَى يَكُونُ فِي آخِرِهِ التَّسْلِيمِ آخِرَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعْدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى شِقِّهِ الْإِيسَرِ فَقَالُوا

”میں نے ابو حمید ساعدی کو دس صحابہ کرام کی جماعت میں فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور ﷺ کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں۔ فرمایا کہ حضور ﷺ پہلی التحیات میں اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھتے تھے جب وہ سجدہ فرما لیتے جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔“

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی التحیات میں پاؤں پر اور دوسری التحیات میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابو حمید ساعدی نے یہ حدیث دس صحابہ کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی معلوم ہوا کہ عام صحابہ کا وہی طریقہ تھا جس پر ہم عامل ہیں۔

(یہ غیر مقلد ہائوں کی مایہ ناز حدیث ہے)

جواب یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض گڑھی ہوئی ہے کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے جو بہت جھوٹا ہے وہ کہتا تھا۔

میں نے ابو حمید اور ابو قتادہ سے سنا۔ حالانکہ حضرت ابو قتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ انہی کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ حضرت علی نے ہی ابو قتادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمرو خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوا۔ پھر ابو قتادہ سے کیسے ملا۔ ایسا جھوٹا آدمی ہرگز قابل اعتبار نہیں نہ اس کی حدیث قابل عمل ہے نہ کچھ طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابو حمید ساعدی کی صحیح حدیث وہ ہے جو طحاوی شریف نے اسی باب میں بروایت عباس ابن سمیل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور ﷺ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی وہابی اور ضعیف بلکہ جھوٹے روایوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر جیلوں بہانوں سے ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے جب بھی گذشتہ آن احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں لہذا وہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل ناقابل عمل۔

اعتراض نمبر ۳ ترمذی شریف نے عباس ابن سمیل ساعدی سے روایت کی۔

قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حُمَيْدٍ أَوْ بُوَاسِيْدٌ وَسَهْلُ ابْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ ابْنُ مُسْلِمَةَ فَلَذَكَرُوا صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ أَنَا عَلَّمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَتَنَبَّهُ لِلتَّشَهُدِ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَلَى قِبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَأَشَارَ بِأَصْبُعِهِ يَمِينًا

”ایک بار ابوجہید ابو سعید سید اکبر ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوجہید فرماتے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور ﷺ التحیات کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں بچھا دیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی ہاتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہاتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی (کھلی انگلی) سے اشارہ فرمایا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اس ہی طرح التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ہر التحیات میں زمین پر بیٹھتے تھے تم پہلی التحیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو دوسری میں زمین پر یہ کیوں جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہو گا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری التحیات میں تین کام ہوتے ہیں بائیں پاؤں کا داہنی طرف لٹکنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لٹکنا اور تون کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔ نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف لٹکنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف لٹکنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یا آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابوجہید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابوجہید ساعدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ ناقابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابوداؤد کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علماء کا اس پر عمل ہے آپ نے ایسی صحیح و صاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے تتبع نہیں۔ اپنی رائے اتباع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں بلکہ اہل رائے یا اہل ضد رکھیں۔

اعتراض نمبر ۴ بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں قابل جھٹ نہیں۔ (برانہ سبق)

جواب کسی حنفی کو آپ اس منتر سے ڈرا یا کریں حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حنفی بحمدہ تعالیٰ اتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بغرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جائیں۔ نیز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر مجتہد سراف امت کا قبول فرمایا نہی اس کو قوی کرنے کے لئے کافی ہے۔ حنفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو تائیدیں ہیں حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے سنت پر بھی اور اجماع امت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ

”اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں (مجتہدین امت) کی“

دسواں باب

بیس رکعت تراویح

ہم میں رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ ملعات المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا رسالہ ملاحظہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہابی وہ فرقہ ہے جسے نماز گراں ہے محض نفس پر بوجھ کچھ کر تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہے ہیں اور کچھ رواجوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لیے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں پہلی فصل میں ہیں رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

پہلی فصل

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

میں رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۵۵۱ ابن ابی شیبہ، طبرانی نے کبیر ہیں بخاری، عبد بن حمید اور امام بغوی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً بِرِوَايَةِ الْوُثْرِ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ
”يَكُنْ نَبِيَّ ﷺ ماہ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ بخاری نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔“
 ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ میں رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح ہوا یا جماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ علی العین ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔

حدیث نمبر ۱۶ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي زَمَنِ عُمَرَ الْخَطَّابِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعَشْرِينَ رَكْعَةً
”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ تیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔“

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح میں رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت ہیں اس لیے کل تیس رکعتیں ہوں گی۔

حدیث نمبر ۱۷ بخاری نے معمر بن صحیح اسناد سے حضرات سائب ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بِعَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُثْرُ ”ہم صحابہ کرام عمر فاروق کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۸ ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَهُ أَنْ تُصَلَّى بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ النَّهَارَ وَلَا يَحْسِنُونَ
أَنْ يَقْرَأُوا فَلَوْ قَرَأَتْ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ فَقَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ
حَسَنٌ” فَصَلَّى بِهِمْ عَرِينَ رَكْعَةً

”حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کر رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین یہ وہ کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔“

اس حدیث سے چند مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور جماعت۔ اہتمام بخاری سنت فاروقی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب نے تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں کسی نے اعتراض نہ کیا۔

تیسرے یہ کہ بدعت حسنا اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ جماعت تراویح باقاعدہ جماعت کا اہتمام سے بدعت ہے اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی مگر اسے بدعت حسنا فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹ تینٹی نے اپنی سنن میں حضرت ابو عبد الرحمن سلیمی سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ دَعَا الْقُرَاءَ فِي رَمَضَانَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رَكْعَةً
وَكَانَ عَلَى يَتْرِبِهِمْ

”کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۰ تینٹی نے اپنی حضرت ابوالخلاء سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رَكْعَةً
”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویعے یعنی بیس رکعت پڑھائیں۔“

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو ہماری لغات المصاحیح اور صحیح الہبہاری ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ کہ دن رات میں بیس رکعت فرض و واجب ہیں۔ ۷۱ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج بڑھانے کے لیے لہذا آٹھ رکعت تراویح بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اس ہی لیے کہتے ہیں کہ اتنی آیات پر حضرت عمرو عثمان و صحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے تھے اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہئے تھا کہ قرآن کریم کے رکوع دل دوسو سولہ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب سے ۵۴۰ رکوع ہوتے کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرماویں۔

تیسرے یہ کہ تراویح کی جمع ہے۔ ترویج ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیوبند کراحت کرنے کو کہتے ہیں اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویج ہوتا۔ اس صورت میں اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء اُمت کا عمل ہمیشہ سے قریباً ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعَمَرٍ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عِشْرِينَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هَكَذَا أَذْرَكْتُ
بَلَدَ مَكَّةَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً

”اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمرو علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی بیس رکعت تراویح اور یہی سفیان ثوری۔ ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم مکہ والوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔“

عمدہ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جَمْهُورِ الْعُلَمَاءِ وَبِهِ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَأَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ
الصَّحِيحُ عَنْ أَبِي ابْنِ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَةِ

”ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہی کہنی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے

ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔“

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَصَارَ اجْمَاعًا لِمَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ كَانُوا يَقُمُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَكْعَةً وَعَلَى عَهْدِ عُمَانَ وَعَلَى عَشْرِينَ

”بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔“

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

اجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّ التَّرَاوِيحَ عَشْرُونَ رَكْعَةً ”تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔“

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے بیس رکعت تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں بیس رکعت تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں بلکہ آج حرمین طہین میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے ہالی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمین کے خلاف علماء مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طہین کے خلاف ہے ہاں ہوائس کے مطابق ہے کہ نماز نفل امارہ پر بوجھ ہے۔ رب تعالیٰ نفل امارہ کے پسمندوں سے نکالے اور سنت رسول ﷺ پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

دوسری فصل

بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ اوہام رکیکہ اور کچھ شباب فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث کھل کرنے کے لیے ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اعتراض نمبر ۱ امام مالک نے سائب ابن یزین رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ أَبِي ابْنُ كَعْبٍ وَتَمِيمُ الدَّارِي أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِأَحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً

”وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تميم واری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں تو کل رکعات ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بناؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے روای محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ موطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں مقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر مروزی نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبدالرزاق نے انہی سے اکیس نقل فرمائیں دیکھو فتح البہاری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸ مطبوعہ مطبع خیر یہ مصر۔ لہذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ نفل امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لئے ایسی واہیات رواہوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ محمد فاروقی میں اٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آٹھ رکعتیں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ الْقَارِي يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي عَشِمَا رَكْعَاتٍ فَإِذَا أَقَامَهَا فِي اثْنِي عَشْرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسَ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ

”قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہو گئی۔“

اس حدیث کی شرح میں مولانا قاری مرتضیٰ شریعتی نے فرماتے ہیں۔

وَفِي الْمَوْطَأِ رَوَايَةً بِإِحْدَى وَعَشْرَةِ رُكْعَةٍ وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ وَقَعَ أَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى الْعِشْرَيْنِ

فَلَنَّهُ، الْمَوْتَوَاتِ

”ہاں میں کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا، موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر تیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہی مسلمانوں میں رائج ہے۔“

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ تیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اعتراض نمبر ۲ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور ﷺ میں تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے۔

جواب حضور ﷺ نے خود تو تیس رکعت تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا صریح حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ ہمیشہ نہ کرائی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لیے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذلا اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ میں کی سنڈل جانے پر میں ہی کا دائی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعتراض نمبر ۳ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی ﷺ رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو ام المؤمنین نے ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَ رُكْعَاتٍ

”حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے اگر میں پڑھتے تو کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لیے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوگی۔ تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوگی تاؤ تم وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المؤمنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرماری ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان وغیرہ میں تیس رکعات گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرات نہ کرتے اس ہی لیے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوٰۃ الیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر سے پہلی کیوں سے جاتے ہیں تو فرمایا کہ اسے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز سرکار صلی اللہ علیہ وسلم آخر رات میں سو کر آٹھ رکعات فرماتے تھے تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں تہجد پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خواہ ام المؤمنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم تیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

وہابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات میں ساریے مل کر ان کے جوابات دیں

۱۔ کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے تیس رکعت کا حکم کیوں دیا کیا اس سنت کی انہیں خبر نہ تھی، آج قرینہ چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔
ج۔ اگر نعوذ باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر لیا گیا ان میں کوئی بھی حق گو اور قبیح سنت نہ تھا آج اسے عرصے کے بعد تم حق گو بھی پیدا ہوئے اور قبیح سنت بھی۔

۲۔ اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو امیر المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک سنت رسول ﷺ کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج کیا دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی انہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لیے ایڑی چوٹی کا زبانی و قلبی بدنی دمالی زور لگا رہے ہو

انہوں نے یہ کیوں نہ کیا پھر تو ام المؤمنین سے تم افضل ہوئے۔

۳۔ وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم میں رکعت تراویح پڑھ کر پڑھوا کر یا جاری ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج غشی میں رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمراہ اور بدعتی ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ جواب دو، جواب دو، جواب دو۔

۴۔ اگر میں رکعت تراویح بدعت سمجھ رہا ہوں تو رکعت تراویح سنت اور تم بہادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی تو پتاؤ حرمین طہین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کیوں اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لیے ہیں۔

۵۔ حضرت آئمہ مجتہدین اور ان کے سارے متبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں جو سب میں تراویح پڑھتے تھے وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

۶۔ اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے تو ان گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بدعت کی روایت صحیح نہیں تو بدعتیہ وہ کی روایت صحیح کیوں ہو سکتی ہے۔

۷۔ تمام دنیا کے مسلمان جو میں تراویح پڑھتے ہیں تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

”اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ“
”مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔“

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو خیر سنت اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا۔

امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ۴ کی ایسی پیش کریں جس میں صراحتہ مذکور ہو کہ حضور ﷺ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دیکھی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے صرف ضد پر ہو رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔ میں رکعت تراویح کا ثبوت الحمد للہ حضور ﷺ کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان و عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین

طیفہ غیر مقلد وہابی جب کبھی خفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح میں رکعت پڑھ لیتے ہیں جس کا بار بار مشاہدہ ہوا اور ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اکتفا نہیں۔

گیارہواں باب

ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامۃ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لئے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھما سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں وہابیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زیارت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کارِ ثواب کو بدعت حرام بلکہ شرک تک کہتے ہیں اس کیجئے ہم اس باب کی بھی توضیحات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

پہلی فصل

روشنی کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جس کا بہت ثواب ہے دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

”إِنَّمَا يَغْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“

”اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔“

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعت نماز قائم کرنا، وہاں صفائی رکھنا، عمدہ چٹائیاں، فرش وغیرہ بچھنا وہاں روشنی چراغاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیاء نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے جس کی روشنی میں میلوں تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں رونق و چراغاں کرنا ایمان کی علامت ہے تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور رہے آباد رکھنا کفار کی نشانی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”قَالَ أَوَّلُ مَنْ أَسْرَجَ فِي الْمَسَاجِدِ تَمِيمٌ الدَّارِيُّ“

”وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ جلانے وہ تميم داری صحابی ہیں۔ (رضی اللہ عنہ)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنت صحابی ہے خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج نہ تھا بوقت جماعت کھجور کی کڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت تميم داری نے وہاں چراغاں کیا۔

(۳) ابو داؤد شریف نے حضرت ام المؤمنین سیدہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

”قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْتِنَا فِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ تَوَّعْتُ فَصَلُّوْهُ فِيهِ وَكَانَتْ الْبَلَادُ فِي ذَلِكَ جَوْرًا فَإِنْ لَمْ تَأْتُوهُ وَفَصَلُّوْهُ فِيهِ فَلْيَبْعُوْهُ بِزَيْتٍ يُسْرَجُ فِي قَنَادِيلِهِ“

”انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھو اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ پہنچو سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو وہاں تیل بھجھ دو کہ وہاں کی قندیلوں میں جلایا جاوے۔“

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کر کے جانا سنت ہے، ہمارے حضور ﷺ نے معراج میں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ خود حضور انور ﷺ اور سارے پیغمبر سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے پہنچے، دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن جاتی تھیں۔ جیسا قادیل جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے یعنی اعلیٰ

درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے جو تھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے دور سے چل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

(۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ عُلِقَ فِيهِ قِنْدِيلًا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَفِئَ ذَلِكَ الْقِنْدِيلُ

”کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعا و رحمت کریں گے جب تک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔“

معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عُلِقَ فِي مَسْجِدٍ قِنْدِيلًا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَفِئَ ذَلِكَ الْقِنْدِيلُ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعا و رحمت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ قندیل گل ہو۔“

معلوم ہوا کہ مسجد میں چراغ جلانا ثواب ہے ایسے ہی مسجد میں چراغ یا قندیل یا بجی ٹواپ ہے خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

(۶) حدیث ابن شاہین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَالْقِنَادِيلُ تَزْهَرُ وَكِتَابُ اللَّهِ تَنَلُّى فَقَالَ نَوْرُ اللَّهِ لَكُمْ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ فِي قَبْرِكَ كَمَا نَوَّرْتَ مَسَاجِدَ اللَّهِ تَعَالَى بِالْقُرْآنِ

”فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہی تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشنی کرے جیسے تم نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔“

(۷) حدیث صحیح البخاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انہیں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔

أَنَّهُ قَالَ نُوْرُ لِلَّهِ قَبْرِ عُمَرَ كَمَا نَوَّرَ عَلَيْنَا مَسَاجِدَنَا

”آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر روشن کرے جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔“

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے شروع ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے ان شاء اللہ قبر منور ہوگی، لہذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے وہ در پردہ منصف صحابہ پر اعتراض کرتا ہے اس چراغان کے روکنے والے اپنی قبریں تاریک کر رہے ہیں۔

(۸) قرآن میں رب تعالیٰ ان بندہ کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا

”اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے۔“

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں نماز، ذکر الہی، تلاوت قرآن، نعت خوانی سے منع کریں اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغان وغیرہ

سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔“

معتل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقع پر چراغاں کرنا اچھا ہے کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں قریب و زینت کرتے ہیں بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں، عمارتیں سجاتے ہیں جب ہمارے گھر آرائشی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو مگر گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو،

یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلدہ ہابیوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔
اعتراض نمبر ۱ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

”کھاؤ اور پیو اور تسرف نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

جواب مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے، فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغاں بے کار ہیں اور بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب جب ایک قمیص و پانچا بدم سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہئے کہ اپکن واسکن پہننا فضول خرچی اور حرام ہے۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑے سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہئے کہ دو روپے گز کی ملل۔ لٹھا۔ چکن۔ وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو وہاں صد ہارو پیہ خرچ کر کے بجلی فلنگ کرانا اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہئے جب تھوڑا کلاس سے بھی راستے ہو جاتا ہے تو انٹر بلک سیکنڈ۔ فٹس میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا چاہئے۔ جناب ایک دیئے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳ اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا، کیا تم حضور ﷺ سے افضل ہو یا دین کے زیادہ ہمدرد جو کام حضور نے کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب اگر واسکن۔ اپکن اعلیٰ درجہ کی ملمیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور ﷺ نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور ﷺ نے نہ کیا وہ اے دو باجوتم کیوں کرتے ہو تم اپنے گھروں میں بجلی کی فلنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں جلاتے ہو جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہادوں کا زمانہ تھا اس طرف توجہ فرمانے کا موقع ہی نہ تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے، تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین تو دنیا سے اعلیٰ ہے اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل ہے جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہئے یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ ”تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو۔“

جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے ایسے ہی حضور ﷺ کے صحابہ کرام کی سنت لاکن عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا بلکہ خود حضور انور ﷺ نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لیے تیل بھیجے کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۴ ابو داؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَمَرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخَّرَ فَنُفِهَا كَمَا زَخَّرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ مجھے مسجدیں بنانے کا حکم نہیں دیا گیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح آراستہ کرو گے۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدیں بنانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سبانا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہی ہے لہذا یہ بھی منع ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو عثمان رضی اللہ عنہم کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی

فیض کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھتے ہیں اس صورت میں یہ حدیث قرآن کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت و

آبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ** اے چہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ جہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز نیپ ناپ پر عتاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس ہی لیے یہود نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی، ان کے عبادت خانے تصاویر و فوٹو سے سجائے جاتے ہیں یا وہ زینت مراو ہے جو اللہ کے لیے نہ ہو دکھلاوے اور نام و نمود یا کاری کے لیے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے مگر جو زینت و چراغاں صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لیے وہ بہتر ہے رب تعالیٰ اپنے اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراض نمبر ۵ ابو داؤد۔ نسائی۔ دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَبَاَهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ
 ”وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہا یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں فخر کریں گے۔“
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔

جواب اس حدیث کے وہی معنی ہیں۔ جو ہم اعتراض نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخر یہ مسجدیں بنانا اور شیخی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلے والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعن دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر دیا کے لیے پڑھنا ممنوع ہے تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے۔
 یا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر بجا کے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابل شیخی مارا کریں گے، یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہی معنی ہوں جو ہم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی علامت بُری نہیں۔ عیسے علیہ السلام کا نزول، امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے، مگر نہ انہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔

اعتراض نمبر ۶ مسجدوں میں چراغاں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

جواب یہ غلط ہے یہ تو سنت صحابہ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی تو تو ہر بدعت نہ گمراہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اسکی تمسین بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیقی اسی جاء الحق کے پہلے حصے میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کلہ و نماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

بارہواں باب

شبینہ پڑھنا ثواب ہے

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں، کبھی دو میں، کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں، بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ ماہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا نہ ہوں، نہ سستی اور کسل سے پڑھے مگر غیر مقلد و ہالی اسے بھی حرام کہتے ہیں رات بھی سنیاد کیلئے والوں کو بُرا نہیں کہتے مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں اُن پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل شبینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن وحدیث عقل بلکہ خود ہادیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔
(۱) قرآن کریم اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ آوُزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا

”اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سوا کچھ رات کے آدمی رات یا اُس سے کچھ کم کر دیا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن ٹھیر ٹھیر کر پڑھو۔“
اس آیت کریمہ میں حضور ﷺ کو قریباً تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا کچھ تھوڑا حصہ آرام کے لئے رکھا گیا تھا، پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہو گئی مگر احتیاب اب بھی باقی ہے اب جو شخص شبینہ میں تمام رات جاگے بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عامل ہے مگر چاہئے یہ کہ شبینہ وہ پڑھے جو قرآن صحیح پڑھ سکے، جیسا کہ ترتیل کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں نماز خسوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرْرَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ

”حضور ﷺ نے گہم کی نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریباً سورہ بقرہ کی بقدر“

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے گہم کی نماز میں سورہ بقرہ یعنی ڈھائی پارہ کی برابر قرأت کی شبینہ میں فی رکعت ڈیڑھ پارہ آتا ہے جب ایک رکعت میں ڈھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا بدیدہ ادا لے جائز ہے۔

(۳) حدیث ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيهِنَّ الْبَقَرَةُ وَآلِ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ وَالْأَنْعَامَ

”حضور ﷺ نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں، جن میں سورہ بقرہ اور آل عمران اور مائدہ و سورہ انعام پڑھیں۔“

و یکھو نبی ﷺ نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریباً آٹھ چارے پڑھنے یعنی فی رکعت قریباً دو پارے شبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قرأت نہیں ہوتی، ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّعَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ لِمَا تَصْنَعُ هَذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا

تَقْدُمُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا

”حضور ﷺ نے نماز سب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر درم آ گیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت کیوں کرتے ہیں آپ کی بدولت آپ کی

امت کے اگلے پچھلے کناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں مشقت اٹھانا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اگر کسی شبیہ میں کسی مومن کے پاؤں پر درم آ جاوے تو اس خوش نصیب کو یہ سقت نصیب ہوگی، وہابیوں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ تَمِيمُ الدَّارِيُّ يُحِبُّ الْبَيْتَ كُلَّهُ، بِالْقُرْآنِ كُلِّهِ فِي رَكْعَةٍ

”فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داری تمام رات جاگتے تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھتے تھے۔“

شبیہ میں تو بیش رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تمیم داری صحابی رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ

”دہاپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔“

(۷) حدیث ابویہم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبدالرحمنؓ بھی سے روایت کی۔

قَالَ لِي أَبِي أَغْلِبَنَ الْبَيْتَ عَلَى الْمَقَامِ فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ تَخَلَّصْتُ إِلَى الْمَقَامِ حَتَّى قُمْتُ فِيهِ فَبَيْنَا أَنَا

قَائِمٌ إِذَا رَجُلٌ وَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَفْئِي فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانٍ فَبَدَأَ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَقَرَأَ حَتَّى خَتَمَ

الْقُرْآنَ فَرَكَعَ وَ سَجَدَ ثُمَّ أَخَذَ نَعْلَيْهِ فَلَا أَدْرِي أَصَلَّى قَبْلَ ذَلِكَ شَيْئًا أَمْ لَا

”مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات مقام ابراہیم پر جاگوں گا جب میں نماز عشاء پڑھ چکا تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ

اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ نے سورۃ فاتحہ سے قرآن شروع کیا یا سب پڑھتے

رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کر لیا پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر اپنے نعلین شریف اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں۔“

(۸) حدیث ابویہم نے حلیہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

كَانَ أَسْوَدُ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي رَمَضَانَ فِي كُلِّ لَيْلَتَيْنِ وَكَانَ يَنَامُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

”کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور مغرب و عشاء کے درمیان سوتے تھے۔“

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ فِيكَ الْبَيْتِ

”حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔“

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا، روزانہ قیام فرمانا حتیٰ کہ پاؤں پر درم آ جاوے، ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت

رسول ﷺ ہے اور ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے، جو شبید کو حرام یا شرک یا فسق کہے وہ زرا جاہل ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۶۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان فرمایا۔

فَخَتَمَهُ جَمَاعَةٌ فِي يَوْمٍ وَكَلِيلَةَ مَرَّةٍ وَآخِرُونَ مَرَّتَيْنِ وَآخِرُونَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَخَتَمَهُ فِي رَكْعَةٍ مَنْ لَا

يُحْصُونَ كَثْرَةَ

”ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور ایک رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے شمار ہیں۔“

معتقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شبیہ عبادت ہے نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے گرمیوں کے روزے، نکواری کا جہاد، مشقت کے حج پر

ثواب ملے گا، عذاب نہ ہوگا، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لیے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف کی تلاوت بھی کرے اور

بجائے ثواب کے عذاب پائے قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر بجائے نیکیوں کے اُلٹا عذاب ہو

حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زیور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھنے پر

عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ ساری زیور شریف پڑھ لیتے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر

عند باللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقول وہابیہ پوری زیور پڑھنا پر گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

لطیفہ وہابیوں نے اپنی کتاب ارواح ثلاثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسماعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے لوگوں نے خود ان سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم مارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس لیے لعن طعن کرتے اور ان کی جناب میں گالیاں بکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ یوں تو تمہارے اسماعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں، وہ بھی قاضی و قاضی ہوئے یا نہیں یا تمہارا امام جو کرے وہ مباح ہے، جواب دو۔

دوسری فصل

شبینہ پر اعتراضات و جوابات

شبینہ کے متعلق ہم دو اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں، اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو نہ سمجھے نہیں، ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِلاً

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا تو حافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے سوار معلوم، تعلمون، سمجھ میں نہ آوے گا، لہذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ تمہارے بانی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے، بتاؤ وہ غیر تھمر کر پڑھتے تھے یا معلوم تعلمون وہ حرام کے مرتکب تھے یا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے، حضرت عثمان غنی، عظیم داری، عبداللہ ابن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور ﷺ محمد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خوف میں ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض قیوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں، بعض میں قیوت نہیں، وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف معلوم تعلمون ہی سمجھ میں آوے گا، شبینہ صرف پہلی قسم کے حافظ پڑھیں دوسری قسم کے حافظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہی خشا ہے آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگ صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دیر تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر ۲ حدیث ترمذی، ابوداؤد، دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی۔ (مختلہ باب تلاوة القرآن)

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهُ مِنْ قِرَاءِ الْقُرْآنِ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثِ

”بیکھ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے، وہ قرآن نہ سمجھے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہئے کیونکہ پھر قرآن سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین شب کا شبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی، دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے، وہ بھی اس زد میں آجاتے ہیں ان کی صفائی پیش کرو جو تمہارا جواب ہے وہ یہی ہمارا۔

تیسرے یہ کہ سرکار عالم ﷺ نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی کہ علی العموم حافظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں، تو سمجھ نہ سکیں گے بعض بندے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں، جیسے حضرت عثمان وغیرہ ہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے اس ہی لیے اس حدیث کی شرح میں مرقات و لمعات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن و رات میں تین ختم کرتے تھے، بعض حضرات آٹھ ختم فرما لیتے تھے اور شیخ ابو یوسف وغیرہ ایک دن و رات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آئے آتے ختم قرآن کر لیا۔ اور لوگوں نے حرف بحرف سنا (مرقات جلد ۱ ص ۱۶۲ باب تلاوة القرآن میں ہے)

وَالْحَقُّ أَنَّ ذَٰلِكَ مُتَعَلِّفٌ بِأَشْخَاصٍ ”حق یہ ہے کہ حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔“

اعتراض نمبر ۳ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

”وَأَقْرَأْنِي كُلَّ سَبْعٍ لَيَالٍ وَلَا تَرَدُّ (مستکوۃ: موم تلوح) ”ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر زیادہ نہ کرو۔“

دیکھو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حضور سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور ﷺ نے اذلا تو حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہئے لہذا شیعینہ منع ہے۔

جواب سرکار ﷺ کا یہ جواب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے، وہ ایک دورات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک ایک قرآن پڑھا ہے انہیں یہ حدیث معلوم تھی پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ۴ حضور ﷺ نے کبھی ایک دورات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہذا شیعینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہئے۔

جواب حضور ﷺ کا ایک سب میں پورا قرآن پڑھنا وہ جسے ہے ایک یہ کہ آپ کی اوّل حیات شریف میں پورا قرآن اترا ہی نہ تھا، وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی، لہذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی امت پر رحم فرمایا، تاکہ شیعینہ پڑھنا مان پر ضروری سہت نہ ہو جائے، پھر صحابہ نے شیعینہ پڑھا، جیسے حضور ﷺ نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔ (شیعینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ وہی ثواب ملے گا، جو سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے سے ملتا ہے سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہ باپیوں کو ہی جتنا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵ آج کل شیعینہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سست بیٹھا ہے، اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لیے شیعینہ بند ہو جانا چاہئے۔

جواب: یہ محض جموٹا الزام ہے، شیعینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شیعینہ سنتے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنت ہیں، بعض محض شیعینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سننا فرض کفایہ ہے، بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بغرض محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سستے دور کرو، شیعینہ بند نہ کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، نایق تماشے، باجے آتھبازی سب ہی کچھ ہوتی ہے، براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور ﷺ نے کعبہ نہ ڈھایا بلکہ جب رب نے قوت دی، تب بتوں کو نکال دیا، اگر مسجد میں سنا گھٹس جاوے تو مسجد کو نہ گراؤ، نئے کو نکالو، اگر چارپائی میں کھنکھل پکڑوں یا سر کے بالوں میں جوئیں ہو جاویں تو یہ کیڑے مار دو، چارپائی یا کیڑے یا بالوں کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کی بجائے خوب عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے سامو خیر کو روکتے ہیں، جیسے میلا و شریف، ختم بزرگاں وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا تو ان شاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہیں گے ہم نے شیعینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لیے کر دی کہ آج کل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے بڑے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شیعینہ کا اہتمام ہوا سمجھ دو یہ بندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑے۔

تیسواں باب

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیے کہ جماعت سے کچھ قاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جائیگی تو یہ اُمید ہو اگر اتنیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیاستداری سے اس باب کی دو تفصیلات کرتے ہیں پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(۱) لحاموی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

عَنْ أَبِيهِ حِينَ دَعَاهُمْ سَعِيدُ ابْنِ الْعَاصِ دَعَا بَامُوسَىٰ وَحَذِيفَةُ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ الْغَدَاةَ ثُمَّ خَرَجُوا مِنْ عِنْدِهِ وَقَدْ ائْتَمَّتِ الصَّلَاةُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللَّهِ الْيَاسُطَوَانِيُّ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ

”وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں، جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابوموسیٰ حضرت حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرت سعید ابن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے، پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔“

دیکھو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے جو فقہیہ صحابی ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے۔

(۲) اسی لحاموی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَكَرْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَبْنِ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامِ يُصَلِّيُ فَأَمَّا ابْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ فَقَعَدَ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهُ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ

”وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد میں گیا حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے، لیکن حضرت ابن عباس نے اولاد و سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے جب سورج نکل آیا تو دو رکعتیں نقل پڑھیں۔“

حضرت عبداللہ ابن عباس نے جو بڑے فقیہ صحابی اور حضور ﷺ کے اہل بیت اچھا رہیں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اسی لحاموی نے حضرت ابومنہان انصاری سے روایت کی۔

قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْإِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمْ

”کہ حضرت عبداللہ ابن عباس مسجد میں اس حال میں آئے، کہ امام نماز فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں، تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سے کے ساتھ شامل ہوئے۔“

(۳) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَيْتِهِ فَأَقِيَمَتِ صَلَوةُ الصُّبْحِ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

”فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے اور نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔“

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبید اللہ سے روایت کی۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَوةِ

”کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے، حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔“

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان مہدی سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَأْتِي عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلَوةِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فِي آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَذَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوةِ هُمْ

”فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔“

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ الْحَسَنُ يَقُولُ يُصَلِّيهِمَا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوةِ هُمْ

”کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔“

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

يَقُولُ يَقْطُطُ ابْنُ عُمَرَ لَصَلَاةِ الْفَجْرِ وَقَدْ أَقِيَمَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد ابن عمر کو نماز فجر کے لیے بیدار کیا حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔“

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی۔

كَانَ مُسْرُوقٌ يَجِيءُ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوةِ هُمْ

”حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہو تیس تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔“

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ

”کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا، آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔“

یہ سب حدیثیں بطور مسند پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں، اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو، کیونکہ تمام مذکورہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتیٰ کہ مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

(۱۵۴۱۱) لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مِنَ التَّوَاتُلِ أَشَدُّ تَعَاهُداً مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ

”حضور ﷺ جتنی جگہ بانی و باندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔“

اور احمد، طحاوی، ابوداؤد و شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

(۱۸۴۲) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوا زُكْعَيْيَ الْفَجْرِ وَإِنْ طَرَوْتُكُمْ الْخَيْلُ

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھگا رہا ہو۔“

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لینے جاویں تو ان کی قضا نہیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لینے جاتے ہیں، ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو واجب کا تارک ہوا، اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو اتنی اہم سنت مؤکدہ کا تارک ہوا۔ لہذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں کرنا بہتر ہے، ایک کو چھوڑنا بہت نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے، لہذا ایسی جگہ کھڑا ہو، جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔
ظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں اور سنت عصر و عشاء مؤکدہ نہیں غیر مؤکدہ ہیں اس لیے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے سنت فجر مؤکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لیے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو، تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے، واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کیے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قِيَمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ

”آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے، کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہئے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اگر گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے، اگر وہ وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جاری ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو تو جو تم جواب دے گے وہ سب ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے، جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی و شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے لہذا ان کا عمل و قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب تربیت جس پر ترقی نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضاء ہوگئی ہو اور جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اذلا عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو، تب اس کے معنی یہ ہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تاکہ مذکورہ بالا غریباں لازم نہ آویں، خفی یہ ہے کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھپے یہ کہ بھتی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

إِذَا أَقْبَمْتَ الصَّلَاةَ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ إِلَّا رَكْعَتِي الْفَجْرِ

”جب نماز کی تکمیل کی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں، بجز سنت فجر کے۔“

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا۔ بھتیجی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی، عمل صحابہ پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

تو اس پر آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفل پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں بلکہ مکہ مکہ سنت ہے ہی تاویل اس لیے ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن انس رحمہ اللہ سے روایت کی۔

قَالَ أَقْبَمْتُ صَلَاةَ الْفَجْرِ فَنَادَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَجُلٍ يُصَلِّي رَكْعَتِي الْفَجْرِ

فَقَامَ عَلَيْهِ وَلَا تَبِ النَّاسُ فَقَالَ اتَّصَلِيهَا إِرْبَعًا فَلَتْ مَرَاتٍ

”کہ ایک دن فجر کی تکبیر کی گئی پس حضور ﷺ ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے تکبیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔“

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحتاً ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

جواب یہ صاحب مالک ابن انس رحمہ اللہ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے جہاں جماعت ہو رہی تھی یعنی صف سے متصل، یہ واقعی مکروہ ہے، اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا، چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اس حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَالِكٍ ابْنِ بَحَيْنَةَ

وَهُوَ مُتَنَتِّبٌ لَمَّا بَيْنَ يَدَيْ نِزَاةِ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوا هَذِهِ الصَّلَاةَ كَصَلَاةِ ابْنَيْهِمَا فَصَلَا

”محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن انس رحمہ اللہ کے پاس گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی گھنٹی سنتوں کو طرح نہ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔“

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کر بہت جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہ یہی ہم کہتے ہیں لہذا آپ کا اعتراض اصل سے بے غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی اس لیے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لیے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرآۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ کہ قرآن کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں، مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی، ایک شخص کی تلاوت جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، آج سائنس کا زور ہے، ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو تو مصیبت آ جاوے، بہر حال یہ اعتراض

مضائقہ ہے۔

اعتراض نمبر ۴ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کے مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں، یہالتحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بُری چیز ہے۔

جواب یہ مخالفت جب ہوگی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقدمی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وہ وضو کر کے واپس آئے اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلی اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا، پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا، ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرور ثاباً جائز ہے سنت فجر بھی ضروری ہیں اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی جاویں تو کوئی حرج نہیں۔

چودھواں باب

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے، مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست، مگر غیر مقلد وہابی بحالت سفر ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں، یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے، اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف، ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور عہد کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

مضمبہ ۱ رب تعالیٰ نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ”مسلمانوں پر نماز فرض ہے اپنے وقت میں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے، جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے، ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے، اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں، ہر مومن ہو یہ حکم ہے کوئی ہو۔

مضمبہ ۲ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قَوْلُهُ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ”خواب ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔“
اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے، بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سست میں داخل ہے بلکہ اول درجہ کی سستی ہے۔

مضمبہ ۳ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ”نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“
قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کرنا حکم دیا ہے، نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، سجدہ پڑھے، وقت پڑھے، نماز کا وقت گزار کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

مضمبہ ۴ رب تعالیٰ امتیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ

”قرآن ان متقی لوگوں کے لئے ہادی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔“
معلوم ہوا کہ متقی و پرہیزگار وہ مومن ہے، جو نماز قائم کرے، یعنی ہر نماز اس کے وقت پڑھے، اور ہمیشہ پڑھے، خواہ مقیم ہو یا مسافر، سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

مضمبہ ۵، ۶ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ قَالَ الصَّلَاةُ لَوْ فُتِحَتْ قُلُوبُكُمْ ثُمَّ أُتِيَ
قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِمْ وَلَوْ اسْتَرَدَّتْهُ لَزَادَنِي

”فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت پر نماز پڑھنی میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا، ماں باپ کی

خدمت میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر زیادہ پوچھنا تو زیادہ بتاتے۔“

مضمبہ ۱۰ تا ۱۱ احمد، ابوداؤد، مالک، نسائی نے حضرت عباد بن صامت سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْسَنِ وَضُوءٍ هُنَّ وَصَلًا هُنَّ لَوْ فُتِحَتْ وَأَتَمَّ رُكُوعَ هُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ ۖ ۝

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ان کے وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش دے۔“

مضمبہ ۱۱ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخَّرُهَا الصَّلَاةُ إِذَا آتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْآيَةُ إِذَا وَجَدْتَ لَا تُكْفَرُ ۖ

”یہک نبی ﷺ نے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب آ جاوے اور جنازہ جب موجود ہو، لڑکی جب تم اس کا کفو پاؤ۔“

مضمبہ ۱۴ تا ۱۵ احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ام فروہ سے روایت کی۔

قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ الْأَعْمَالِ أَفْضَلَ قَالَ الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا

”فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب میں۔“

مضمبہ ۱۵ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ وَيَرْقُبُ الشَّمْسُ حَتَّى إِذَا أَصْفَرَتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَتَنَقَّرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب زرد ہو جائے اور سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چوٹے مارے جن میں رب کا ذکر تھوڑا کرے۔“

اس قسم کی احادیث پیش ہیں، جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عتاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا، یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں، انہوں نے ان وہابی غیر مقلدوں پر، جو گھر سے دو میل جا کر، سفر کا بہانہ بنا کر، وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں، نہ کوئی عذر، صرف نفس امرہ کا دھوکہ ہے، کھانا وقت پر کھائیں، دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں، مگر نمازیں بگاڑیں، جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلیٰ رکن مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ انہوں کی صحبت سے بچیں، اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں،

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے، ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے، کیوں کہ شریعت نے پانچ نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت سب کے اوقات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا، مسافر، بھلا سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھتا ہے، ایسے ہی اگر مسافر نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز جمعہ پڑھے، تو ان کے مقرر وقتوں ہی میں پڑھے گا، یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہوجانے پر پڑھے، تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھیں، اور مغرب عشاء کے وقت میں، حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہی وقت ہیں، جو حضر میں ہیں، دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے، یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ و دانستہ نماز قضا کا سخت گناہ ہے اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات

عرض کیے تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لیے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا۔ بلکہ ہر مسلمان کے لیے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقت مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے مسافر کے لیے ان دونوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی، اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں، بہر حال پانچوں نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لیے یکساں ہیں، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر حال میں نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَبْرٍ وَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ“

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر و عصر جمع فرما لیتے تھے اور مغرب و عشاء بھی جمع فرماتے تھے۔“

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف روایوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہی حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے۔ جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف وغیرہ ہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور ﷺ بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

”قَالَ جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ“

”ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ظہر و عصر مغرب و عشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرما لیتے تھے۔“

چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

”قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ لَمَّا نَبَا وَ سَبْعًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءِ“

”حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔“

تو اسے دہائیو! تم صرف سفر میں، صرف ظہر و عصر یا مغرب و عشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیے کہ وافق کی طرح سات آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تہجاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں، کہ کیسے جمع فرمائی، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا، ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء مغرب کے وقت میں، لہذا یہ حدیث محمل ہے، اور محمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے تھا، ضرورت پر بہت ہی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورت تھا، حقیقت نہ تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی، بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت میں قیام فرمایا، ظہر آخرت وقت میں ادا فرمائی، اور عصر اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں، لیکن حقیقت ہر نماز اپنے وقت میں کوئی ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اول وقت میں اس صورت میں اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ

دوسری ان احادیث کے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں۔ یہ جمع بالکل جائز ہے، یہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی وہ حدیث جو طحاوی و ابوداؤد نے روایت کی جس میں فرمایا گیا کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب و عشاء صورت جمع فرما میں تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و عصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و عصر جمع فرمائیں، تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار ظہر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورت تھی نہ کہ حقیقت لہذا سفر بھی جائز تھی، بیان جواز کے لیے، حدیث سمجھنے کے لیے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے روئے غلامی چاہیے جس سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس معنی کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنی ہم نے بیان کئے اس معنی کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے، جس میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں، سنو اور مہربت پکڑو۔

حدیث نمبر ۱ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ يُؤَخِّرُ هَذِهِ فِي إِحْرٍ وَقِئَهَا وَيُعَجِّلُ هَذِهِ فِي أَوَّلِ وَقِئَهَا

”نیک نبی ﷺ مغرب وعشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے اور عشاء اس کے اول وقت میں۔“

حدیث نمبر ۲ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ عَبْدًا لِلَّهِ ابْنُ عُمَرَ يَقَعْلُهُ إِذَا أَعَجَلَهُ السَّيْرُ يَقِيمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَمًا يَلْبِسُ حَتَّى يَقِيمُ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيُهَا رَكَعَتَيْنِ

”عبداللہ ابن عمر بھی حضور ﷺ کا سامع مل کرتے تھے، کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر گھرتے پھر عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے۔“

حدیث نمبر ۳ نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

قَالَ أَقْبَلُهَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ تِلْكَ اللَّيْلَةُ سَارِبَنَا حَتَّى أَمْسَيْنَا فَظَنْنَا أَنَّهُ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَقُلْنَا لَهُ الصَّلَاةُ فَسَكَّتْ وَسَارَ حَتَّى كَادَا لَشَفَقِ أَنْ يَغِيبَ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ هَكَذَا نَصْنَعُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَدَدِهِ السَّيْرُ

”فرماتے ہیں، کہ ہم مکہ معظمہ سے حضرت ابن عمر کے ساتھ آئے، جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی، لم سمجھے کہ حضرت عبداللہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے مگر آپ چلتے ہی رہے یہاں تک کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور مغرب پڑھی، پھر شفق غائب ہوگئی تو نماز عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور ﷺ کیسا تھے بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔“

اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں، جن میں صراحۃً ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر و ظہر یا مغرب وعشاء صرف صورتہ جمع کی جاویں گی، کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے اول وقت میں، نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو؟ تو طحاوی شریف اور صیحیح ابیہاری وغیرہ کا مطالعہ فرمادے، ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی، لہذا حنفیوں کی توجہ یہ بالکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے، اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجہ یہ محض باطل ہے، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

۱۔ وہابیہ! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے بحالہ امت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے ہو، تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے، بعض کا انکار۔

اعتراض نمبر ۴ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت کی، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَعَعَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا

”فرماتے ہیں، کہ اگر حضور ﷺ سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔“

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ **إِلَى لَعَصْرِ** سے ظاہر ہے۔

جواب آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، **إِلَى** سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزول فرماتے تھے، غایت مغیا سے خارج ہے، نہ کہ داخل عصر تک موخر فرمانے کے معنی یہ ہیں، کہ عصر کے قریب تک موخر فرماتے تھے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۱ کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا، لہذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔

اعتراض نمبر ۳؎ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا كَانَ عِنْدَ غَيْبُوبَةِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ رَأَيْتُ اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا إِذَا جَلَدَ السَّيْرُ

”حضرت ابن عمرؓ چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آگیا تو اترے، پس مغرب و عشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں جلدی ہوتی۔“

اس حدیث میں صراحت مذکور ہے، کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ شفق غائب ہونے کے وقت اترے یقیناً آپ نے مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے، اس کے معنی یہ کب ہیں کہ شفق غائب ہونے کے بعد اترے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب ہوئی تب اترے، نماز مغرب پڑھتے ہیں شفق غائب ہوگئی

اور وقت عشاء آگیا، عشاء پڑھ لی، ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۴ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ظہر و عصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں، ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں، خنئی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں، جب حج کے موقعہ پر نماز ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہو گئیں، تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں تو کیا حرج ہے۔ اے خفیو! تم قرآنی آیت اور یہ احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب جناب نہ تو عرف میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے نہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے وقت میں بلکہ وہاں حجاج کے لئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے، یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے جیسے وتر کا وقت عشاء کے غرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے لہذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر امام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت، تو سخت گنہگار ہوگا، گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا، گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی، معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کرے بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے اور عصر اپنے وقت میں پڑھے اور مغرب اپنے وقت میں پڑھے اور عشاء اپنے وقت میں پڑھے تو تم بھی اسے گنہگار نہیں ماننے، بلکہ اہمیت جائز کہتے ہو معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا، بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے لہذا حاجیوں کی عرفہ و مزدلفہ والی نمازیں۔ نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں نہ احادیث کے مخالف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔ جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے۔

ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے اگر اس کی پوری تحقیقی دیکھنا ہو تو ہمارا حاضیہ بخاری فیہم الباری میں یہی بحث ملاحظہ کرو، ان شاء اللہ وہاں لطف آ جاوے گا۔

تاظرین کو ان بحثوں سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ مذہب حنفی بفضلہ تعالیٰ نہایت مضبوط دلیل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے۔ وہابی غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کے مذہب کی بنیاد محض غلط فہمی پر قائم ہے رب تعالیٰ ہم کو ای مذہب حنفی پر قائم رکھے۔

ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

پندرہواں باب

سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شریعت اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں، لیکن وہابیوں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لئے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ گھر سے کھیت دیکھنے گئے مسافر بن گئے، ایک آدھ میل بیرو تفریح کرنے شہر سے باہر نکلے۔ مسافر بن بیٹھے اور نماز میں کمی کر دی۔ شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کا ارادہ کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے یعنی بجائے چار کے دو پڑھے۔ یہ تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۵۷ میل اور ریتیلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا، غرضیکہ تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل حرمین طہین میں نجدیوں کی حکومت ہے، نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منیٰ و عرفات میں آکر قصر نماز ادا کرتا ہے حالانکہ منیٰ کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تین میل ہے اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ حنفی مذہب کی رو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا اس لئے حنفی لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقع پر یہ چاہئے کہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے ۵۷ میل دور نکل جاوے پھر واپس ہوتے ہوئے منیٰ و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ خفیوں کی نمازیں بھی اُس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہئے، اس باب کی بھی ہم دو فصل کرتے ہیں، پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن راہ ہے، اس سے کم فاصلہ شرعاً سفر نہیں نہ ایسے شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں، دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث ۱: بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي رَحِمٍ

”جینک نبی ﷺ نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قرہبی رشتہ دار کے نہ کرے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اکیلے سفر کرنا حرام ہے، ذی رحم قرابتہ دار کے ساتھ سفر کر سکتی ہے اسی سفر کی مدت حضور ﷺ نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

حدیث ۲: مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلَهُنَّ لِلْمَسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ

”حضور ﷺ نے موزوں پر سح کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن رات۔“

حدیث ۳: ابوداؤد و نسائی، ابن حبان، حماد، ابوداؤد، علی بن طبرانی، ترمذی نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخَفَيْنِ لِلْمُقِيمِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ

وَلِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلَهُنَّ

”وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر سح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن

تین راتیں ہیں۔

حدیث ۱۶۵۱۰ اثرم نے اپنی سنن میں، ابن خزیمہ دارقطنی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلَهُنَّ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِذَا تَطَهَّرَ فَلَيْسَ خُفْيَهُ إِنْ يَمَسَّحَ عَلَيْهَا وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ وَهُوَ صَحِيحُ الْأَسْنَادِ (المشکوٰۃ)

”وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ حضور ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن تین رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات جب کہ وضو کے موزے پہنے ہوں۔“

خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

حدیث ۱۵۵۱۳ ترمذی۔ نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ نَتَزَعَ خِفَافًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلَهُنَّ (المشکوٰۃ)

”حضور ﷺ ہم حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے موزے تین دن تین رات نہ اتاریں۔ الخ

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موزے پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے غلجہ نہیں، اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے، مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جاویں، تو تین دن مسح کر کے دکھاویں، ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے، وہ اس اجازت سے کیسے فائدہ اٹھائے، لہذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں روزہ موزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی، اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے۔

حدیث ۱۶ امام محمد نے آٹھار میں حضرت علی ابن ربیعہ والیبی سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ إِلَى كَمْ تَقْصُرُ الصَّلَاةُ فَقَالَ اتَّعَرَفْتُ السُّوَيْدَةَ قُلْتُ لَا وَلَكِنِّي قَدْ سَمِعْتُ بِهَا قَالَ هِيَ ثَلَاثُ لَيَالٍ فَوَاصِلُهُ فَإِذَا أَخْرَجْنَا إِلَيْهَا قَصَرْنَا الصَّلَاةَ

”فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویداء دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے، فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (قامد کی رفتار سے) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں تک جا سکیں تو قصر کر سکتے ہیں۔“

حدیث ۱۷ دارقطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصِرُوا الصَّلَاةَ فِي أَذْنَى مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُودٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ

”بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا، یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے۔“

حدیث ۱۸ مؤطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يُقْصِرُ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ يَحْيَى قَالَ مَا لَكَ "وَذَٰلِكَ أَرْبَعَةُ بُرُودٍ

”کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف اور مکہ عسفان اور مکہ اور جدہ کی برابر فاصلہ میں جتنے فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔“

حدیث ۱۹ امام شافعی نے ہر اسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

أَنَّهُ سَبَلَ اتَّقْصِرُ الصَّلَاةَ إِلَى عُرْفَةَ قَالَ لَا وَلَكِنْ إِلَى عُسْفَانَ وَالْإِمَامُ الشَّافِعِيُّ وَقَالَ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ

”حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا عرفات تک (۵ میل) جانے میں نماز قصر کی جاوے گی فرمایا نہیں لیکن قصر کی جاوے گی عسفان یا جدہ یا طائف تک اسے امام شافعی نے نقل فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔“

حدیث ۴۰ امام محمد نے مؤطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَللّٰهُ كَاَنَّ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبَرِيِّ فَلَا يَقْصِرُ الصَّلٰوةَ

”کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک برید سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے۔“

خیال رہے کہ ۴۲ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵۷ میل ہوتا ہے یعنی ۳۶ کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں جس کو شوق ہو وہ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لئے چار برید فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہئیں، صحابہ کرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

مقتل کا تقاضا بھی یہ ہے مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی زمین شہر کی خاک کہلاتی ہے جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں، جیسے قبرستان عید گاہ چراگاہیں، گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس جگہ میر و تفریح کے لئے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا، نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا جاوے تو چاہئے کوئی عورت بغیر محرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ جاسکے، کیونکہ عورت کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے، نیز اسلامی قانون ہے کہ مسافر تین دن رات موزوں پر مسج کر سکتا ہے یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں تو چاہئے کہ سفر کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو جسے عقل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دی گئی ہے۔

نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا تو یقینی ہے اس سے کم مسافت سفر کرنا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی زائل کر سکتا ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّى بِدَى الْحَلِيفَةِ رَكْعَتَيْنِ

”کہ نبی ﷺ نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔“

دیکھو ذی الحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے، جسے آج کل پیر علی کہا جاتا ہے، یہ ہی اہل مدینہ کے لئے حج کا میقات ہے جب حضور ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو صرف ۳ میل فاصلہ پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب اس حدیث میں سیر و تفریح کیلئے صرف ذی الحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہاں حضور ﷺ کے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ سرکا بہ ارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذی الحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آگیا تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے لہذا یہاں قصر فرمایا اس لئے یہاں فرمایا گیا، صلی الظہر ایک بار یہ واقعہ ہوا، گان بھٹلی نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَاَنَّ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا قَصَرَ الصَّلٰوةَ بِدَى الْحَلِيفَةِ

”کہ حضرت عبداللہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ذی الحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلنے ہی قصر پڑھے گا، اور وہاں ہی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ

وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ

”فرمایا کہ نبی ﷺ نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اُسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور ﷺ نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کئے کہ عورت کو بغیر محرم کے اتنی دور جانا حرام فرمادیا گیا، معلوم ہوا کہ سفر کے لئے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا، تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لئے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے، لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ملیں، تین دن والی اور ایک دن والی، اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی، تو ایک دن کی حدیث منسوخ ہے اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے ایک دن والی حدیث پیچھے تو تین دن کی حدیث ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آ جاتا ہے، اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا، لہذا تین دن کی روایت بہر حال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک اس لئے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں، تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی، نہ ہر حال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳ آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے، تو ہٹاؤ موزوں پر مسح کی مدت تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا، تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہیں ہوئی۔

جواب یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے تو سفر ہے اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسح کا قانون حاوی اور جاری ہونا چاہئے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہو تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے، لہذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

سولہواں باب

سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے فرض کے علاوہ تمام نفل و سنت، وتر گھر کی طرح پورے پڑھے، ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے وہی سفر میں ہے نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد و ہابی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں بعض تو اس میں بہت سخت ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا شرعی ثبوت، دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں سنت و وتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے، باقی ساری نماز پوری پڑھے اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

”أَرَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى“ کیا آپ نے اُس مرد کو دیکھا جو بندہ مومن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔“

حدیث نمبر ۲ رب تعالیٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔“

”وَلَا تَطْعُ كُلَّ حَلَاَفٍ مُّهِينٍ هَمَازٍ مَشَاءٌ بِنَمِيمٍ مَّنَاءٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَنِّيمٍ“

”اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل، چچل خور، بھلائی سے روکنے والا حد سے آگے بڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔“

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے، ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا وہابیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے، سنیاء جوئے اور شراب سے نہیں چڑتے۔ چڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنت، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان ان کی بات ہرگز نہ مانے، اس آیت پر عمل کرے۔

حدیث نمبر ۳ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

”الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ“

”مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نمازیں قائم کریں اچھی باتوں کا حکم دیں بُری باتوں سے روکیں۔“

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں گے، سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے، اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے، میلا و شریف ختم و فاتحہ و تلاوت قرآن سے۔ کن چیز کا حکم دیں؟ گندے کوٹوں سے وضو کرنے کا۔ کوئے خبیثے کھانے کا لڑکے پیداب اور منی کے پاک سمجھنے کا، اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث نمبر ۴، ۵ ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ مگر قدرے لفظی اختلاف ہے۔

”قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرِ أَرْبَعًا وَبَعْدَ هَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ رَكْعَتَا النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ“

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں، اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں۔“

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

”وَصَلَّيْتُ الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ“ حضور ﷺ نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعتیں۔“

دیکھو نبی ﷺ نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو، عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں

اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہوتا تو سرکارِ انوار صلی اللہ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ وہابی سنت سے جڑے ہیں۔

حدیث نمبر ۷۰۶ ابوداؤد ترمذی نے حضرت ابراہام بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا رَأَتْهُ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ اٹھارہ سفر کیے ہیں میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو رکعتیں چھوڑ دی ہیں۔“

حدیث نمبر ۸ ابوداؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ وَارَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقِيهِ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناکہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرمادیے پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔“

حدیث نمبر ۱۰۹ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ يَوْمَئِذٍ

إِيمَاءَ صَلَوةِ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ

”فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جہر بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے، تہجد کی نماز سوائے فرض کے۔ وتر بھی سواری پر پڑھتے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سفر میں راستہ طے کرتے ہوئے، نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ لوگ ٹھرے ہوئے مسافر کو سخت مؤکدہ تک سے روکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱ مؤطا امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرِيهِ ابْنَهُ عُبَيْدَ اللَّهِ يَسْتَقِلُّ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ

”فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر اپنے فرزند عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو آپ منع نہ فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۲ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

حدیث نمبر ۱۳، ۱۴ مسلم و ابوداؤد نے حضرت ابوقحزافہ رضی اللہ عنہ سے سفر میں تعریس کی رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

صَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ كَمَا كَانَ يُصَلِّي

”حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۵، ۱۸ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا أَخْبَرَنَا أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الضُّحَى غَيْرَ أَمْ هَانِي ذَكَرْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ فِي بَيْتِهَا فَصَلَّى ثَمَانِ رَكْعَاتٍ

”فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سوا اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھے دیکھا، ام ہانی فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔“

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ نماز چاشت نفل ہے۔

حدیث نمبر ۱۹ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةَ الْحَضَرِ وَصَلَوةَ السَّفَرِ فَكُنَّا نُصَلِّي فِي الْحَضَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَكُنَّا نُصَلِّي فِي السَّفَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا

”فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وطن میں بھی نماز فرض اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۰ بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ

”نبی کریم ﷺ سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔“

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت و نفل کی نہ تو معافی ہو اور نہ قصر چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو رکعت فرض کی گئیں، پھر سفر میں تو وہ ہی دور ہیں، جعفر میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی اور ظاہر ہے کہ معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں نہ کہ سنت و نوافل وغیرہ لہذا قصر صرف فرض میں ہوا نہ کہ نفل سنت میں دوسرے یہ کہ بحالت سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں، غیر قبلہ کی طرف ادائیں ہو سکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہیں، فرض کے لیے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے جس سے دیر لگتی ہے اس لیے وہ نماز آدھی کر دی گئی چونکہ سنت و نفل کے لیے سفر توڑنا نہیں پڑتا ہے۔ سواری پر ادا ہو جاتی ہیں، اس لیے نہ تو ان میں قصر کی ضرورت ہے نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے تو سنتیں کوئی کم نہیں ہوئی، فرض علیحدہ نماز ہے اور سنت و نفل علیحدہ یعنی سنت و نفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پڑے پڑھے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل محاف ہو جاویں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و ہادیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں ہم ان کی دکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ مسلم و بخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عاصم سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ إِبْنَ عُمَرَ فِي فَرِيقِي مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ وَكُتِبَ عَلَيْهِ ثُمَّ جَاءَهُ رَحْلُهُ وَجَلَسَ فَرَأَى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ فَلْتُ بِسَبْحُونٍ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسْتَبَاحًا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَوُكَ كَذَلِكَ

”فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز پوری پڑھتا میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسی ہی دیکھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل و سنت پڑھنا سنت رسول علیہ السلام و سنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے اس لیے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبدالعزیز رضی اللہ عنہ وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؟ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؟ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت دینی میں تعارض ہو، تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نہ نفی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو جسارح معراج نہیں ہوئی۔ دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسارح کے قائل ہے؟ کیوں؟ اس لیے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنی کیے جاویں، جن سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو تمہاری اس حدیث کے معنی یہ ہیں، کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا، ان کے لئے سفر توڑنا یا قاعدہ اتر کر، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہ ہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا راستہ بہت تھا جلد پہنچنا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لیے آپ نے یہ فرمایا لہذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ جمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس فرما کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا، تو نماز فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراض نمبر ۴ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہوگئی، تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں چاہئے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں یا بالکل معاف ہو جاویں۔

جواب الحمد للہ کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جیسے آپ دیا آپ کا قیاس، بہتر تھا کہ مجتہدین آنحضرت کی تقلید کر لی ہوتی تاکہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرے پڑتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں، باقی خالی مگر سنت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمائیے، وہاں سنت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوئیں۔ وہاں بھی کہہ دو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہوں تو چاہئے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے گھنٹے کے بڑھ جاتی ہیں، کہ بعد فرض جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں، چاہئے کہ وہاں بھی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رکعت ہو گئے تو چاہئے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں بجائے دو کہ ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت و نفل میں قصر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلی فصل کی عقلی دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لئے سفر توڑنا نہیں پڑھا، سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے اس لیے اس میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نوٹ ضروری۔ یہ جو کہا گیا کہ نفل سنت سواری پر پڑھی جاسکتی ہیں، سواری کا رخ کدھری ہو، یہ مسافر کہ لیے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے جبکہ وہ جنگل میں ہو شہر میں یا کسی جگہ ٹھہرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں، اگر مسافر کسی ہستی میں دو چاروں کے لیے ٹھہرا ہوا ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط و اوارا کا نکل کے ساتھ ادا کرے گا غیر مقلد و ہایوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چاروں کے لیے ٹھہرا ہوا ہو سنت و نفل نہ پڑھے۔

اعتراض نمبر ۳ حضور ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں، جب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کر دی تو چاہیے کہ حضور ﷺ بھی اپنی سنتوں میں کمی کر دیں، سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب جی ہاں۔ چونکہ حضور ﷺ رحمت عالم ہیں، اس لیے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نماز رحمت ہے، بوجھ نہیں شاید وہ ہایوں کے نفس پر نماز بوجھ ہوگی، اس لیے انہیں ایسے سوالات سوچتے ہیں، جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ ﷺ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول ﷺ کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں مرتا ہے اور ان شاء اللہ سنت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت و دینا ہی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو خاتمہ عقیدہ بچے کو دو سال تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں۔ پھر مرتے وقت وضو۔ کہہ کو رخ ہو نامرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لیے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور ﷺ کی سنت رحمت ہے، بوجھ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالیٰ مالک الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز تقیم کے لیے پوری مسافر کے لیے آؤ گی۔

سفر میں واجب ہے

سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، اگر بھول کر بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہ ہی حکم ہوگا، جو کوئی فجر کے فرض چار پڑھ لے کہ اگر پہلی احتیاط پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر ویدہ دانستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہ بانی کہتے ہیں کہ مسافر کو اختیار ہے خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل و دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات و جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں جن میں سے کچھ پیش کئے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۶۸۱ بخاری۔ مسلم۔ موطا امام محمد۔ موطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قَالَتْ فَرَضَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرَاحَةَ أَرْبَعًا وَتَرْكَتْ صَلَاةَ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيضَةِ الْأُولَى

”فرماتی ہیں کہ اولا نماز دو دور کعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو نمازیں چار رکعت فرض کی گئیں اور نماز سفر پہلی ہی فریضہ پر رہی۔“
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کی دو رکعتیں تھیں بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کر دی گئیں مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی، ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی، لفظ فرض، اور فریضہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔

موطا امام محمد و امام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فَرَضَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرَاحَةَ أَرْبَعًا وَتَرْكَتْ صَلَاةَ السَّفَرِ وَزَيْدٌ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ

اولا سفر و حضر میں نمازیں دو دور کعتیں فرض ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی اور نماز حضر میں زیادتی کر دی گئی۔“
حدیث نمبر ۷۶۵ مسلم شریف۔ نسائی۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرَاحَةَ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةٌ

”فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض کیں۔“
(یعنی جماعت سے ایک رکعت)“

اس میں صراحت ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ۱۳۶۸ مسلم بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرح گئے تو حضور انور ﷺ دو دور کعتیں ہی پڑھتے رہے۔“

حدیث نمبر ۱۶۵۱۴ بخاری۔ مسلم۔ نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنَى رَكْعَتَيْنِ وَأَبَى بَكْرٍ وَعُمَرَوُ مَعَ عُفْمَانَ صَلَّيَا مِنْ

إِمَارَتِهِ ثُمَّ أَتَمَّهَا

”فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے پیچھے دو دور کعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع کر دی۔“

حدیث نمبر ۱۶ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ افْتَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ كَمَا افْتَرَضَ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا
”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سفر میں دو رکعت ہی فرض فرمائیں جیسے وطن میں چار رکعت فرض کیں۔“

حدیث نمبر ۲۰۵۱۸ نسائی ابن ماجہ۔ ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَوةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ وَ صَلَوةُ الضُّحَى رَكْعَتَانِ وَ صَلَوةُ الْفِطْرِ رَكْعَتَانِ وَ صَلَوةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ
تَمَامٌ ”غَيْرُ قَصْرِ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

”فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، چاشت کی نماز دو رکعتیں عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں، ہی دو رکعتیں پوری ہی
تاکم نہیں حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان شریف پر۔“

حدیث نمبر ۲۱ مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دیر احادیث نقل کی، جس کے آخری الفاظ شریفہ یہ ہیں۔

فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَ ”تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهِ فَأَقْبَلُوا صَدَقَتَهُ“

”میں نے حضور ﷺ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے جو صدقہ فرمایا اس صدقہ کو قبول کرو۔“
اس حدیث میں فالقبول صغیر امر ہے۔ امر واجب کے لیے آتا ہے معلوم ہوا کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالیٰ کے صدقہ سے منہ پھیرتا
ہے، رب کا صدقہ قبول کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲ طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ
وَرَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَفَرَّقْتُ بِكُمْ السَّبِيلَ فَرَأَى اللَّهُ لَوْدِدْتُ أَنَّ أُخْطِئَ مَنْ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ مُتَقَبِّلَيْنِ

”میں نے سفر میں حضور ﷺ کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر صدیق عمر فاروق کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے
متفرق کر دیا۔ تم رب کی میں تمنا کرتا ہوں کہ مجھے بجائے چار رکعتوں کے دو قبول رکعتوں کا حصہ ملے۔“

ہم نے بطور نمونہ صرف بائیس حدیثیں پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں، ان پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصر ہی
فرض ہے حضور ﷺ و خلفاء راشدین نے قصر ہی پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا، یا اس پر نارضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے مسافر کو قصر و اقامت دونوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی
نماز کی پہلی دو رکعتیں بالالاتفاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا
اختیار کیوں فرض ہیں، اختیار نہیں ہوگا، فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ لفل ہیں، تو ایک ایک تحریمہ سے فرض و لفل کی تکبیر تحریمہ علیحدہ
ہوتی ہے، لفل کی علیحدہ ایک تحریمہ سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے نہ کہ دو۔

یہ ہر حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں
ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں، اختیار نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد و پایوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات معہ جوابات عرض کئے دیتے ہیں، جو ان شاء اللہ خواہیں بھی یاد
نہ ہوں گے، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَإِذَا ضَرَأْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ أَنْ يَمْشِيَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا

”اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں، بلکہ اس کی اجازت ہے کیونکہ ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر نہ پڑھنے میں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں قصر کے لیے کفار کے خوف کی شرط ہے، اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ اس کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ **لَا جُنَاحَ** حاجی کے صفا مردہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے رب فرماتا ہے۔

فَمَنْ حُجَّ الْبَيْتَ أَوْ غَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا

تو جو بیت اللہ کی حج یا عمرہ کرے، اس پر اس میں گناہ نہیں کہ صفا مردہ کا طواف کرے۔

حالانکہ صفا مردہ کا طواف حج میں واجب ہے عمرہ میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے لا جناح فرضیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں ورنہ فرض کام کرنے میں گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے لہذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ زمانہ نبوی ﷺ میں صحابہ کرام کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں سمجھاے کے لیے یہ ارشاد ہوا لہذا آیت بالکل واضح ہے تمہارے لیے مفید نہیں۔

اعتراض نمبر ۲ شرح تہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قَالَتْ كُلُّ ذَالِكَ فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلَاةَ وَأَتَمَّ

”فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے سب کچھ کیا، قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی پڑھی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت، صرف قصر فرض نہیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ایراجیم ابن یحییٰ ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، لہذا یہ حدیث بالکل قابل عمل نہیں، دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اسی حدیث کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف ہے، جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں کہ اَوَّلَ نَمَازٍ دُورَ رَكَعَتَيْنِ هُوَیْ پھر سفر میں وہ ہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں، لہذا یہ حدیث واجب الدلیل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور ﷺ نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا۔ لہذا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ حضور انور ﷺ نے شروع اسلام میں اَوَّلًا قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی، پھر جب فرمایا یعنی دو سے زیادہ بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور ﷺ نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہوگی اور لفظ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی۔

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراد جب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمائی تو اتمام فرمایا اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

حقیقہ عجیب غیر مقلد وہابی ہمیشہ حنفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، مگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے تو بخاری مسلم کی ہویا نہ ہوگی ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور ﷺ اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ فِي السَّفَرِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُو عُثْمَانُ صَدْرًا

مَنْ خِلَافَتِهِ وَالْعَمَلُ عَلَىٰ هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ

”حضور ﷺ سے صحیح حدیث یہ ہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابو بکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع خلافت میں اور اس پر ہی اکثر علماء صحابہ وغیرہ کا عمل ہے۔“

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رَوَى عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُتِمُّ الصَّلَاةَ فِي السَّفَرِ

”ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔“

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابل اعتبار ہو تو جہنم نے جہنم کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوعہ کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمل شریف کا ذکر فرماتے۔

بڑے لطف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلَىٰ مَا رَوَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ

”عمل اس پر ہے جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی (قصر)۔“

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں، بلکہ آپ ہمیشہ سفر اتمام فرماتی تھیں، اہل علم نے حضور علیہ السلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔

اعتراض نمبر ۳ نسائی و دارقطنی اور یحییٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمْرَةٍ رَمَضَانَ فَطَرَّ وَصُمْتُ وَقَصَرُوا أَتَمَّمْتُ

وَأَفْطَرْتُ وَصُمْتُ قَالَ أَحْسَنْتِ ي. ا. عَائِشَةُ وَمَا غَابَ عَلَيَّ

”فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا آپ نے نماز قصر پڑھی میں نے پوری پڑھی یعنی اتمام کیا، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے قصر کیا، میں نے پوری پڑھی، آپ نے افطار کیا، میں نے روزہ رکھا فرمایا اے عائشہ تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور اتمام بھی۔

جواب یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بتاؤنی ہے، کیونکہ حضور انور ﷺ نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے کل چار عمرے کئے ہیں، جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے، البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احرام تو ذی قعدہ میں تھا۔ اور افعال عمرہ ذی الحجۃ میں ادا ہوئے، خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رمضان کے عمرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور پیچیدہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل فرما سکتے ہیں، وہابیو! پہلے اپنے بات عقل کی ترازو میں تولو، بعد کو بولو۔

اعتراض نمبر ۴ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِي وَابْنِ بَكْرٍ وَعُمَرُ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ وَعُثْمَانُ

صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ ثُمَّ أَنَّ عُثْمَانَ صَلَّى بَعْدَ أَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ صَلَّى أَرْبَعًا وَإِذَا

صَلَّى وَاحِدَةً صَلَّى رَكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں حضور ﷺ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں، ابو بکر صدیق نے ان کے بعد عمر فاروق نے اور عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں، پھر حضرت عثمان نے چار رکعتیں منیٰ میں پڑھیں، حضرت ابن عمر جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔“

اگر سفر میں قصر فرض اور اتمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عثمانی شریف میں اتمام کیوں کرتے؟

جواب اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار دیا ہے، کہ چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو

اتمام نہ کیا پھر جب پوری پڑھنے لگے تو کبھی قصر نہ پڑھی اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا، آپ کا کیا اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی شریف میں اتمام کیا عام سفروں میں نہیں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی سفر میں اتمام کے قائل نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منی شریف میں اتمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا منی میں اتمام فرمانا اس لیے نہ تھا کہ آپ قصر و اتمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دور و ایتیں ہیں امام ابن خلیل نے روایت کی کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منی میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں اہل والا ہو گیا ہوں، اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو کوئی کسی شہر میں گھر والا ہو جاوے وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

اِنَّهُ 'صَلَّى بِمَنْى' اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَانْكَرَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّى تَاهَلْتُ بِمَكَّةَ مِنْذُ قَدِمْتُ وَانِّى سَمِعْتُ اَبَا (مرقاۃ فتح القدیر)

”حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منی شریف میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں گھر والا ہو گیا ہوں۔“

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے، ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا، جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام کبھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لیے بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا، لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ زمانہ عثمانی کے نو مسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ اسلام میں نمازیں دو دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا، تو آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے صرف منی میں اتمام کیا، یعنی چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ عبدالرزاق اور دارقطنی نے ابن جریر سے روایت کی۔

بَلَّغْنِیْ اِنَّهُ اَوْفِیْ اَرْبَعًا بِمَعْنٰی فَقَطَّ مِنْ اَجَلٍ اَنْ اَعْرَابِیَا نَادَاہُ فِیْ مَسْجِدِ خَیْفَ بِمَنْى یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَا زِلْتُ اَصْلَیْہَا رَكْعَتَیْنِ مِنْذُ بَرَأْتُكَ عَامَ الْاَوَّلِ صَلَّیْتُہَا رَكْعَتَیْنِ فَخَشِیْتُ عُفْمَانُ اَنْ یَّظُنَّ جُہْلًا النَّاسُ الصَّلٰوةَ رَكْعَتَیْنِ وَانَّہَا کَانَ اَوْ فَاہَا بِمَنْى

”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی میں ہی چار رکعتیں پڑھیں کیونکہ ایک دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا کہ میں تو برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا، تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا، کہ جہلاء نماز کی دو رکعتیں ہی سمجھ لیں گے اس لیے آپ نے منی میں چار رکعتیں پڑھیں۔“

امام احمد اور عبدالرزاق کی یہ دونوں روایتیں اس طرح جمع کی جاسکتی ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر یا رہنایا تاکہ آپ یہاں آکر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں نکلا سکتے۔

اعتراض نمبر ۵ جیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے نہ قضا کرنا فرض ہے ایسے ہی چاہئے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو کہ چاہے قصر کرے یا چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم نہ کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو روزے کی قضا پر قیاس کرنے لگے، مقلد غنی قیاس کو نامیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو پختہ تو حید ہے رہیں، افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، لیکن فرض نماز سفر میں آدمی معاف ہوگئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیں نہ وطن پہنچ کر، معافی اور چیز ہے، تاخیر کی اجازت کچھ اور، لہذا نماز کے قصر کو روزے کی، تاخیر پر قیاس کرنا مع الفارق ہے، مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر

روزہ فرض ہے۔

مگر یہ دور رکعتیں اسے معاف ہیں، اس لیے ان کی قضاء نہیں لہذا یہ رکعتیں اس کے لیے نفل نہیں، اور نفل نماز فرض کے تحریمہ شے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضاء شروع کر دے، اگر سفر میں آٹھ روزے قضا ہو گئے پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہو گیا تو قیامت میں ان چاروں روزوں کی پکڑ ہوگی، باقی چار روزوں کی پکڑ نہیں کہ ان کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ ہی بیمار اور حاکمہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضاء شروع کر دیں۔

اٹھارہواں باب

نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

خفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے، کہ نماز فجر خوب اور اچیلے میں پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جماعت کھڑی ہو، مگر غیر مقلد و پابوں کے نزدیک نماز فجر بالکل ازل وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہئے، اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

نوٹ ضروری خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں، تاکہ ناظرین غور کریں، کہ مذہب حنفی کتنا سچا اور مدلل ہے۔

پہلی فصل

نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں، اس پر بہت احادیث شاہد ہیں جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۸۶۱ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، یحییٰ، ابن حبان، ابوداؤد طیاسی و طبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَقْبِرُ وَأَبَالَفَجْرِ فَإِنَّهُ أَكْثَرُ لِلْآخِرِ وَقَالَ الْبَرْمَذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ "صَحِيحٌ"

"وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نماز فجر خوب اور جیالا کر کے پڑھو، کہ اس کا ثواب زیادہ ہے ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔"

خیال رہے کہ اس حدیث میں اوجیالے کرنے سے مراد خوب اور جیالا کرنا ہے جب کے روشنی پکھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اوجیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے وہ یہی روشنی ہے جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۹، ۱۰ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً بغيرِ وَفَيْهَا إِلَّا بِجَمْعٍ وَيُصَلِّيُ صَلَاةَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَفَيْهَا

"میں نے حضور ﷺ کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوا، مزدلفہ کے کہ وہاں حضور ﷺ نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ ہمیشہ فجر خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دسویں ذی الحجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت عقاد سے پہلے اگر حضور ﷺ ہمیشہ ہی اول وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی، کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہیں نہیں۔

خیال رہے کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب و عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی بلکہ روزانہ کے وقت معبود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۱۶ ابوداؤد، طیاسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن رواہوی، طبرانی نے عجم میں حضرت رافع ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَلَالٍ يَا بَلَالُ نَوِّرْ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى يُنْصَعُ الْقَوْمُ مَوَاجِعَ نَبْلِهِمْ مِنَ الْإِسْفَارِ

"فرماتے ہیں کہ حکم دیا حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے بلال نماز صبح میں اوجیالے کر لیا کرو، یہاں تک کہ لوگ اوجیالے کی وجہ

سے اپنے پیچھے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا جبکہ تیز انداز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب خوب روشنی پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵ دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَوَّزَ بِالْفَجْرِ نَوَّرَ اللَّهُ فِي قَبْرِهِ وَقَلْبِهِ وَقِيلَ فَبِقِ صَلَواتِهِ
 ”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے کہ اس کی نماز میں روشنی کرے۔“

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ طبرانی نے اوسط میں اور بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ أُمْتِي عَلَى الْفِطْرَةِ مَا أَسْفَرُ بِصَلَاةِ الْفَجْرِ
 ”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے میری امت دین فطرت پر رہے گی جب تک کہ نماز فجر اوجیا لے میں پڑھے۔“

حدیث نمبر ۱۸، ۱۹، ۲۰ طحاوی۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے تھوڑے فرق سے حضرت یسار ابن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلِيٍّ أَبِي بَرْزَةَ يُسْتَلُّ لَهُ أَبِي عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يَنْصَرِدُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالرَّجُلُ يَعْرِفُ رَجَةً جَلِيسِهِ وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا بِالسِّتَيْنِ إِلَى الْمَائَةِ
 ”میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو بزرہ صحابی کے پاس گیا، میرے والد ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز متعلق پوچھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا حالانکہ حضور انور ﷺ سانچے سے سوا آئوں تک پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَصَلِّي مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ
 ”فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے آپ خوب اچیلے میں نماز پڑھتے تھے۔“
حدیث نمبر ۲۲ یحییٰ نے سنن کبریٰ میں ابوعثمان مہدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ الْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرِّجَالُ دُورَ الْعُقُولِ أَنَّ الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَاوَتْ الشَّمْسُ، تَطْلُعُ قَالَ فَتَكَلَّمْتُ شَيْءَ لَمْ أَفْهَمُهُ، فَقُلْتُ أَيْ شَيْءٍ قَالَ قَالُوا لَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر پڑھی، تو آپ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین سورج نکلنے ہی والا ہے، آپ نے کچھ فرمایا جو میں نہ سمجھ سکا میں نے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت عمر نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔“

حدیث نمبر ۲۳ یحییٰ نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ بِنَا أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ آلَ عِمْرَانَ فَقَالُوا كَاذِبَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ
 ”فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو بکر صدیق نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔“

حدیث نمبر ۲۴، ۲۵ طحاوی اور لا خسر و صحت نے اپنی سند میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ كَاجْتِمَاعِهِمْ عَلَى التَّنْوِيرِ فِي الْفَجْرِ وَالتَّعْجِيلِ فِي الْمَغْرِبِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ لَا يَصِحُّ أَنْ يَجْتَمِعُوا عَلَى خِلَافِ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُولُ

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق خوب اوجیلے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ يَا قَتْبَرُ اسْفِرْ اسْفِرْ

”فرماتے ہیں میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے اے قتمر اوجیلا کرو اور جیلا کرو۔“

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب اوجیلے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ **اسْفِرْ** دوبار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ اتنی حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ، بہر حال پتہ لگا کہ اوجیلے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ سنی صحابہ کرام کا اتفاقی عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیلے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اوجیلا اور روشنی، لہذا نماز فجر اوجیلے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہوگا اور اندھیرے میں پڑھنا، نام کے مخالف ہے۔

دوسرے یہ کہ اوجیلے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں اگر جلدی بھی انھیں تو اس وقت استیفاء بعض کو غسل وضو کرنا، سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں اول وقت فجر کی جماعت کر لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یا گھبراہٹ سے رو جاتے ہیں اوجیلے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی نگہبیراوی میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو دراز قرات سے اس لیے منع فرما دیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی، جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہذا اسفار بہتر ہے۔

تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اوجیلے میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شہید کیا گیا تو صحابہ نے فجر میں بہت اوجیلا کرنے کا اہتمام کیا، دیکھو طحاوی شریف صحیح البہاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے، مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر کے دن کی پہلی نماز، مغرب کا روبر بار بند ہونے کا وقت ہے، فجر کا روبر بار کھلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے، ہیبت وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیلے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیلے میں پڑھنا بہتر ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب

تاخیر فجر پر اب تک وہابیوں غیر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہوئے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہو تو ان شاء اللہ تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخَّرُهَا الصَّلَاةُ إِذَا آتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا تُكْفَوُا

”کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز جب اس کا وقت آ جاوے، جنازہ جب حاضر ہو، یتیم کی کا نکاح جب اس کے لیے کفول جاوے۔“

نیز ای ترمذی میں سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُقُوتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِضْوَانُ اللَّهِ وَالْوُقُوتُ الْآخِرُ غَفْوُ اللَّهِ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا و خوشنودی ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی معافی ہے۔“

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کا اول وقت پڑھنی چاہیئے، خفی لوگ فجر میں پڑھ کر رب تعالیٰ کی رضا مندی سے محروم ہیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ہمارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی تلہ میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم ہو جو تمہارا جواب ہے، وہ یہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے نہ کہ مطلق وقت کا اول یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہوا تو اسے تب دینے لگاؤ۔ نماز فجر میں روشنی ہی اول وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لیے تہائی رات اول وقت ہے۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور ﷺ ہمیشہ نماز فجر طلوع یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہذا خفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

جواب اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ فلس کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور ﷺ نماز فجر روشنی میں ہی پڑھتے تھے۔ مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا، کیونکہ مسجد جنوبی شریف ﷺ بہت گہری بنی ہوئی تھی، چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا ہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے مگر دور ہے، اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔

دوسرے یہ کہ اگر فلس سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور ﷺ کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی حضور ﷺ نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو اوجیلے میں پڑھنے کا حکم دیا، اور جب حدیث قوی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قوی کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو سرکار ﷺ نے خود نبویاں نکاح میں رکھیں مگر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ قول عمل پر راجح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیلے میں فجر پڑھتے تھے حالانکہ انہوں نے حضور ﷺ کا یہ عمل شریف دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ حدیث قوی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے، دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کے خلاف ہے، اوجیلے میں ہونا قیاس کے مطابق لہذا اوجیلے والی حدیث کو ترجیح ہوگی، کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ **الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ الْفَارُ** ’ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا، پہلی حدیث خلاف قیاس ہے، دوسری مطابق قیاس لہذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا بھی کرنا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ فلس سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشنی کی حدیث کو ہے۔

ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو، جیسے ہم نے اوجیلے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں، بہت احادیث پیش کر دیں، جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لیے ہیں اور اوجیلے کی تمام احادیث بیان احتیاب کے لیے، لہذا دونوں حدیثیں موافق ہیں، مخالف نہیں، یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور اوجیلے میں فجر پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم و بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُؤَاتِهِنَّ مَا يَعْرِفْنَ مِنَ الْغُلَسِ

”فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز صبح کے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپیٹی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔“

معلوم ہوا کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب ساتھ یا سوا آیتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو، تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جا

کئے، خفی اکتا او جیلا کر کے فجر پڑھتے ہیں، کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پچھانے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب اس کے جوابات اعتراض ۲ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو ترجیح ہے، وغیرہ، یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت نماز میں حاضری کا حکم تھا، ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہو گئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراض نمبر ۴ ترمذی شریف نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

فَإِنَّ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةً لَوْ قُبِيهَا الْأَجَرُ مَرَّتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ

”فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصاً نماز فجر اول وقت پڑھنا حضور ﷺ کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا، انفس کو خفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے۔ اس لیے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ

”ابو عیسیٰ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔“

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لَا لَهُ، لَمْ يَنْبُتْ مَلَأَةً إِسْحَاقُ مَعَ عَائِشَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

”کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہ ہوئی۔“

لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں، انفس ہے کہ وہ باہمی ہم سے تو بالکل صحیح اور نکالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ایسی ضعیف اور ناقابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تاثر نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں۔ جب حضرت جبریل نماز کے اوقات عرض کرنے آئے، تو انہوں نے دو دن حضور ﷺ کو نمازیں پڑھا کیں، پہلے دن تمام نمازیں اول وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس ٹھرایا، ایک دن نمازیں اول وقت میں پڑھا کیں دوسرے دن آخر وقت، بقریس کی رات میں حضور ﷺ نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے لگی نمازیں قضا کر کے پڑھیں، عام طور پر سفر میں حضور ﷺ نماز ظہر آخر وقت اور عصر اول وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت عشاء اول وقت پڑھتے تھے۔ ایک حضور ﷺ نماز فجر کے لیے بالکل آخر وقت تشریف لائے، اور بہت جلد فجر پڑھائی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھا۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بارہا نمازیں آخر وقت میں پڑھیں اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو بار بھی نہ پڑھی لہذا یہ روایت ناقابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے پھر تم عشاء آخر وقت یعنی تہائی رات گئے پڑھنا مستحب کیوں کہتے ہو اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں۔

اعتراض نمبر ۵ تم نے جو حدیث پیش کی تھی کہ فجر کو اوجینالے میں پڑھو، اس میں اوجینالے سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے جس سے وقت فجر آ جانا، یعنی ہو جاوے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر خشک کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی مراد نہیں جو خفیوں نے سمجھی یعنی خوب اوجینالہ بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا۔

جواب ہرگز نہیں کیونکہ اکتا او جیلا کرنا تو فرض ہے، خشک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں، اور یہاں فرمایا گیا کہ اس اوجینالے کا ثواب زیادہ ہے یعنی یہ اوجینالہ مستحب ہے نہ کہ فرض، لہذا اس اوجینالے سے مراد وہی روشنی صحیح ہے جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے اور جو ہم نے معنی کیے وہ ہی درست ہیں حدیث سمجھنے کے لیے تھکھڑی ضروری ہے۔

انیسواں باب

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دو گنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیرس پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر چلائی دوپہر میں پڑھ لیتے ہیں اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح حنفیوں کو بہکاتے ہیں کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیلات کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات، حنفیوں کو چاہیے کہ اپنے دلائل اور دہائیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

پہلی فصل

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلنے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے اور دوپہر کا جوش کم ہو جاوے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۵ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

حدیث نمبر ۱۶۰ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم بخاری نسائی یحییٰ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ وَاشْتَكَبِ النَّارَ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اكْثَلْ بَعْضِي بَعْضًا فَإِذَا نَ لَهَا بِنَفْسَيْنِ نَفْسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٍ فِي الصَّيْفِ

”فرمایا نبی ﷺ نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، لہذا ظہر ٹھنڈی کرو آگ نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اس دوسانوں کی اجازت دی ایک سانس سردی میں ایک سانس گرمی میں۔“

حدیث نمبر ۱۱ نسائی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبُرْدُ عَجَّلَ

”فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور ﷺ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱ بخاری۔ ابوداؤد۔ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طحاوی، ابوعوانہ یحییٰ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَدِّنُ أَنْ يُؤَدِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَدِّنَ فَقَالَ أَبْرِدْ حَتَّى رَأَيْنَا فِيهِ التَّلَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدْتُمْ بِالصَّلَاةِ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

”فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی تو حضور ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کرو، پھر انہوں نے اذان کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ٹھنڈی کیا کرو، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلد وہابیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگو۔ نماز، توہ، لڑکی کا نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، ہم وہ اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ ابو داؤد ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک دراز حدیث روایت کی جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل نے مجھے دو نماز پڑھائی ایک دن ہر نماز اول وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وَصَلَّى بِيَ الْعَصْرِ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ

”حضرت جبریل نے مجھے پہلے دن عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں ایک جگہ یہ بھی ہے

فَلَمَّا كَانَ الْعَدُ صَلَّى بِيَ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ، مِثْلَهُ

”جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نماز ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔“

فرمائیے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز ظہر پڑھائی، حالانکہ وقت عصر، ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے اگر ایک مثل سایہ پر وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وَصَلَّى بِيَ الْعَصْرِ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ، مِثْلِيهِ ”اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے حالانکہ آخری وقت سورج کا غروب ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں اول دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیئے تو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہمارا۔ چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھادی گئی اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں ان میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے گرمی میں نماز ظہر ٹھنڈی کر کے اور ٹیلے کا سایہ پڑ جانے پر افرامائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس میں متعارض ہوں گی لہذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قائل عمل نہیں کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور ﷺ کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہذا تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ اس لیے یہ حدیث قائل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے رازک نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے اس قاعدہ پر صد ہا مسائل نکالے گئے ہیں، سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آگیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا نکلنا مشکوک ہے، تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا اور وقت عصر داخل نہ ہوگا دو مثل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے لہذا یہی حکم قائل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اعتراض نمبر ۲ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا، ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے اسی لیے سجدے کی جگہ پڑ یا ٹھنڈی بگری رکھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اول وقت ہی پڑھنی چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک ہی کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہذا وہی قائل عمل ہیں یہ حدیث نا قابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوئی تھی وقت ٹھنڈا ہو چکا تھا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے، جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے۔

اعتراض نمبر ۳ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز عصر اونٹ ذبح کر کے بوتلیں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مشل سے پہلے پڑھی جاتی تھی کیونکہ دو مشل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا کہ یہ کام کیئے جاویں۔ (عام دہلی)

جواب یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ نکالنا غلط۔ دو مشل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس مشل میں ایک میل چل لیتے ہیں تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں، عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی اونٹ کا ذبح کر لیا اور بھون کر کھا لیتا غروب آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پھرتیلے ہوتے ہیں جیسا کہ تجربہ ہے۔

اعتراض نمبر ۴ مسلم بخاری میں حضرت اہل ابن سعد سے روایت ہے۔

قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَذَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ ”ہم صحابہ نہیں قیلولہ کرتے تھے، نہ ناشتہ کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بہت جلد پڑھنی چاہئے کہ دوپہر کا آرازا بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کا جاوے، پھر تم کیسے کہتے ہو کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ نماز بعد ناشتہ اور قیلولہ یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہئے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے تم بھی اتنی جلدی جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی تیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام پیچھے کر دیتے تھے، نہ کرنا ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے جیسا کہ تم سمجھے۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث میں سردیوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی اس لئے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے دوپہر کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ

”حضور ﷺ آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔“

لہذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی تابع ہے لہذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں خشک کر کے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جاوے گی ظہر کی طرح اب احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

بیسواں باب

آذان و تکبیر کے الفاظ

شریعت میں آذان و اقامت کے (تکبیر) الفاظ اور احکام تقریباً یکساں ہیں جو الفاظ آذان کے ہیں وہ ہی تکبیر کے صرف جی علی الفلاح کے بعد قدامت الصلوٰۃ دو بار زیادہ ترجیح نہ آذان میں ہے نہ اقامت میں آذان کے کل پندرہ کلمے ہیں، اور اقامت کے سترہ کلمے جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد و ہابیوں کی آذان بھی اس آذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس اقامت کے سوا ہے، وہ آذان کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کی بجائے چار چار بار کہتے ہیں، اولاً دو بار آہستہ پھر بلند آواز سے اسے ترجیح کہتے ہیں یعنی پہلے **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** آہستہ کہتے ہیں پھر **حی علی الصلوٰۃ** کرا لیے ہی **اشہدان محمد رسول الله** کو اس حساب سے ان کے نزدیک آذان کے کلمات پندرہ کے بجائے انیس ہیں اور اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات، بجائے سترہ کے تیرہ ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی آذان و اقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو گالیاں دیتے ہیں، پہلی فصل میں اس مروجہ اسلامی آذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرمادے۔

پہلی فصل

موجودہ آذان و اقامت کا ثبوت

حق یہ ہے کہ آذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں، نہ آذان میں ترجیح ہے، نہ اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر چار بار آخر میں کلمہ **لا اله الا الله** ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو لاکل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۶۱ **الوداد و نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، بیہقی۔ دارقطنی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی**

أَنَّهُ قَالَ كَانَ الْأَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ أَنَّهُ يَقُولُ قَدَامَتِ الصَّلَاةُ الْخ

”فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں آذان کے کلمات دو دو ہاتھے اور تکبیر ایک ایک بار اس کے سواء کے تکبیر میں **قد قامت الصلوٰۃ** بھی کہتے تھے۔“

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد فرماتے ہیں۔

هَذَا السَّانِدُ صَحِيحٌ سَعِيدُ الْمُقْبِرِيِّ وَثَّقَهُ ابْنُ حَبَّانٍ وَغَيْرُهُ (بہاری)
”یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید المقبریٰ کی ابن حبان نے توثیق کی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آذان میں ترجیح نہیں ورنہ آذان کے کلمات دو دو نہ ہوتے شہادتیں چار چار ہوتیں، اقامت کے ایک بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاوے گا۔

حدیث نمبر ۷ **طبرانی نے معجم اوسط میں ابوہریرہ مؤذن رسول اللہ ﷺ کے پوتہ حضرت ابراہیم بن اسماعیل ابن عبدالمالک ابن ابی حمزہ سے روایت کی۔**

قَالَ سَمِعْتُ جَدِّي عَبْدَ الْمَلِكِ ابْنَ أَبِي مَحْذُورَةَ يَقُولُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ أَبَا مَحْذُورَةَ يَقُولُ أَلْقَى عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْأَذَانَ فَأَخْرَفَهُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ إِلَى آخِرِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ تَرْجِعُا.

”فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبدالملک ابن ابی حمزہ کو سنا وہ فرماتے ہیں تھے کہ انہوں نے اپنے والد ابوہریرہ فرماتے سنا کہ حضور انور ﷺ نے مجھے آذان کا ایک ایک لفظ بتایا **الله اكبر الله اكبر** آخر تک اس میں ترجیح کا ذکر نہ فرمایا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آذان میں ترجیح کا حکم حضور ﷺ نے دیباہدہ ترجیح سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۹ ابن ابی شیبہ - ترمذی نے حضرت ابن ابی یسلی تابعی سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ مُتَوَكِّنٌ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَشْفَعُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ ،

فرماتے ہیں، کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور ﷺ کے متوکل اذان اور تکبیر دو دو بار کہتے تھے۔

اس حدیث سے مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ اذان ترجیع نہیں، دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰ نسائی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ الْأَذَانَ مَثْنِي مَثْنِي وَالْإِقَامَةَ مَثْنِي مَثْنِي وَمَرَّ بِرَجُلٍ يَقِيمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اجْعَلْهَا مَثْنِي

مَثْنِي لَا أَمَّ لَكَ

”آپ فرماتے تھے کہ اذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی دو دو بار اور آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ایک شخص پر گزرے جو اقامت ایک ایک بار کہہ رہا

تھا۔ تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کر تیری ماں نہ رہے۔“

حدیث نمبر ۱۱ ابو داؤد شریف نے حضرت مخاضہ ابن جبل سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبداللہ ابن زید انصاری کی خواب

کا واقعہ مذکور ہے جو انہوں نے اذان کے حلقہ دیکھی تھی انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا

، جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے **اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** اُلح کہا پھر کچھ ظہر کر اذان کی طرح تکبیر بھی اُلح

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَقْنَهَا بَلَا لَا قَاذَنَ بِهَا

راوی کہتے ہیں، کہ حضور نے عبداللہ سے فرمایا کہ یہ اذان حضرت بلال پر تلقین کرو، پس حضرت بلال نے اذان انہی کلمات سے دی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے اذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع تھی جو حضرت بلال نے حضور

کی موجودگی میں عبداللہ ابن زید کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی اذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں **قد قامت الصلوة**

بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲، ۱۳ ابن ابی شیبہ اور نسائی نے عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی۔

قَالَ حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ

اللَّهِ ﷺ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَحْضَرَانِ فَقَامَ عَلَى حَائِطٍ فَاذَنَ مَثْنِي مَثْنِي

وَأَقَامَ مَثْنِي مَثْنِي

”فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ کے بہت صحابہ نے خبر دی کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میں نے

خواب دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو ہنر پڑے ہیں۔ پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان بھی دو دو بار دی، تکبیر بھی دو دو بار کہی۔“

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خواب میں فرشتے کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع، نہ اقامت ایک ایک بار

معلوم ہوا کہ خفی اذان و تکبیر وہ ہے، جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۴، ۱۵ دارقطنی، عبدالرزاق، طحاوی شریف نے حضرت اسود ابن یزید سے روایت کی۔

أَنَّ بَلَا لَمْ يَكُنْ يُثْنِي الْأَذَانَ وَيُثْنِي الْإِقَامَةَ وَكَانَ يَبْدَأُ بِالتَّكْبِيرِ وَيُخْتِمُ بِالتَّكْبِيرِ

”بے شک حضرت بلال اذان بھی دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر ہی سے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۶ طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشامیین میں حضرت جنادہ ابن ابی امیہ سے روایت کی۔

عَنْ بَلَالٍ أَنَّهُ كَانَ يَجْعَلُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ سَوَاءً مَثْنِي مَثْنِي

”وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں، کہ وہ اذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار۔“

حدیث نمبر ۱۸ وار قطنی نے حضرت ابو جحیفہ سے روایت کی۔

أَنْ بَلَا كَانَ يُتَوَدُّ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَثْنِي مَثْنِي وَيُقِيمُ مَثْنِي مَثْنِي

حضرت بلال حضور انور ﷺ کے سامنے اذان دودو بار کہتے تھے۔ اور اقامت دودو بار۔

حدیث نمبر ۱۹ طحاوی نے حضرت حماد بن ابراہیم سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ ثَوْبَانُ يُتَوَدُّ مَثْنِي مَثْنِي

”حضرت ثوبان اذان دودو بار کہتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی نے حضرت عبید موسیٰ سلمہ بن اکوع سے روایت کی۔

أَنَّ سَلَمَةَ ابْنَ الْأَكُوْعِ كَانَ يُثْنِي الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ

”واقامت دودو بار کہتے تھے۔“

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں معلوم ہوں گی۔

۱۔ عبداللہ ابن زید ابن عبد اللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے اس میں نہ تو ترجیع کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہ ہی اذان و تکبیر مذکور ہے۔ جو عام طور پر رائج ہے۔

۲۔ قریش نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیع بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہ ہی ہماری اذان ہے۔

۳۔ حضور ﷺ کے مشہور مکتوب حضرت بلال، حضرت ثوبان وغیرہم ہمیشہ وہ ہی اذان و اقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے یعنی حنفی اذان و اقامت۔

۴۔ جلیل القدر صحابہ و تابعین جیسے حضرت علی، عبداللہ ابن عمر، سلمہ بن اکوع، عبد ابن زید ابراہیم نخعی، حضرت عبید، ابو جحیفہ وغیرہم رضی اللہ عنہم یہی اذان کہتے اور کہلاتے تھے جو مروج ہے، ترجیع یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

۵۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دودو بار کہلاتے تھے، اگر ترجیع یا اقامت ایک بار سنت ہوتی، تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول سنت کے تبع، بدعت سے متنفر تھے، انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور ان پر کیوں ملامت کی۔

مقتل کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیع نہ ہو کیونکہ اذان میں اصل چیز **صلوٰۃ** اور **فلاح** ہے کہ اذان نماز ہی کے ارکان و دعوت کے لئے ہے باقی کلمات تکبیر و شہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں جب صلوٰۃ اور فلاح میں ٹکراؤ اور ترجیع نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیع نہ ہونی چاہیے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ آذان کا مقصد ہے نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہیے مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہیے دیکھو اذان کے اوّل میں تکبیر چار دفعہ کہی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا گیا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **كُلُّ أَذَانٍ**

صَلوٰۃ ”ہر دواذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی آذان و اقامت کے درمیان ہاں فرق صرف **قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ** کا ہے کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں تو چاہئے کہ اقامت کے الفاظ بھی اذان کی طرح دودو بار ہوں۔ جو تھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں کہ اوّل میں بھی میں آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں کہ اوّل میں بھی میں آخر میں جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے **صلوٰۃ** **فلاح** جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گئے ہیں دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی چار دفعہ ہے اور پہلی بار دودفعہ شہادت توحید پہلی بار دودو دفعہ ہے تو آخر ہر ایک دفعہ۔ تو چاہئے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہذا حنفی اذان و اقامت جو آج عام مسلمانوں میں رائج ہے بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا جہالت اور حماقت ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

خفی اذان واقامت پر غیر مقلد وہابی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں اگر آئندہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے جوابات میں عرض کر دیئے جائیں گے۔

اعتراض نمبر ۱ مسلم شریف نے حضرت ابو محمد ورہ رضی اللہ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی کہ حضور ﷺ نے انہیں بخش نہیں اذان کی تلقین فرمائی اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

”ثُمَّ تَعُوذُ فَتَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ : أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“
 ”دونوں شہادتوں کے بعد پھر یوں اور کہو أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ الخ

أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت ابو محمد ورہ کو اذان کی شہادتیں میں ترجیح سکھائی، اذان میں ترجیح سنت ہے۔
جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو محمد ورہ رضی اللہ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیح کا ذکر فرماتے ہیں، اور ان ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیح کا ذکر بالکل نہیں، بلحاوی شریف نے انہیں ابی محمد ورہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اول اذان میں بجائے چار کے دو بار تکبیر کا ذکر ہے۔ لہذا ابو محمد ورہ کی روایت متعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو محمد ورہ کی یہ ترجیح والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، جن میں ترجیح کا ذکر نہیں، لہذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔ نہ کہ یہ حدیث واحد۔
 تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کے مشہور منوذن حضرت بلال اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیح نہ فرمائی۔ لہذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو محمد ورہ کو عام صحابہ نے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیح پر نہ تھا۔ بلکہ ترجیح کے خلاف تھا۔ لہذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔
 پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابو محمد ورہ قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو مٹا یہ شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو محمد ورہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور ﷺ کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے اور حضور ﷺ نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور ﷺ نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا، اس وقت تھا۔ تعلیم کے لئے اور شرم دور کرنے کے لئے، لہذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ آہستہ اذان کہدے۔ تو دوبارہ بلند آواز سے کہلوانی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو محمد ورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔
 ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابو محمد ورہ نے یہ دونوں شہادتیں بغیر مذ کے کہہ دی تھیں، اس لئے دوبارہ کے ساتھ کہلوا گئیں۔ بہر حال یہ ترجیح ایک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنت اسلام۔

اعتراض نمبر ۲ ابو داؤد نسائی اور دارمی نے حضرت ابو محمدؓ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْإِذَاْنَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْأَقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً

”بے شک نبی ﷺ نے انہیں اذان ۱۹ کلمے اور تکبیر ۷ کلمے سکھائے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انہیں ہیں، یہ ترجیع سے ہی بنتے ہیں، اگر اذان میں ترجیع نہ ہو، تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہذا ترجیع اذان میں چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ جبکہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان میں ترجیع ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دو ہوں۔ اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے، کیا آدمی حدیث پر ایمان لاتے ہو آدمی کے انکاری ہو۔

ترجیع اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے، کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو محمدؓ کو ترجیع ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَكَرُوا النَّافُوسَ فَتَكْرَرُوا الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى قَائِمَ بِلَالٍ أَنْ يُشْفَعَ الْإِذَاْنَ وَيُؤَيِّرَ الْأَقَامَةَ

”فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلان نماز کے لئے آگ اور ناقوس کی تجویز کی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعلان عبادت کرتے ہیں تو حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار کہیں اور اقامت ایک ایک بار۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں۔ مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اذان تکبیر چار بار ہو۔ **فَلَمْ قَامَتِ الصَّلَاةُ** دو بار ہو، پھر تکبیر دو بار ہو لہذا جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا۔ اگر

کہو کہ دوسری حدیثوں میں **قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ** کو دو بار کہنے کا حکم ہے حنفی کچھگے کہ دوسری احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے قدامی کلمات دو بار کہے جاویں وہ احادیث قائل ذکر نہیں بلکہ فرمایا گیا کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے

فرمایا کہ اس میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیے تو فوراً ہی حضرت بلال کو اذان یعنی اعلان نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لئے کیا جاوے کہ آ جاوے کہ آ جاوے جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کافی تھا۔ اس لئے بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا، جس سے

مروجہ اذان شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اذان یعنی اعلان نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لئے کیا جاوے کہ آ جاوے جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کافی تھا۔ اس لئے ایک بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد

عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مروجہ اذان و اقامت قائم کی گئی۔ وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے۔ تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مروجہ اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ و اقامت دو دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے۔ لہذا وہی روایت قائل عمل ہے۔ دوسری روایات جو اس کے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا ناقابل عمل۔ خیال رہے کہ یہ خواب صرف حضرت عبداللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ نے یہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث متواتر کے حکم میں ہوگی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا کسی پر اتفاق ہے، کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم نے اذان میں ترجیع اپنے آخر دم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات دو دو ہی رہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال جیسے مشہور مکتوف حضرت ابن ام مکتوم اپنی ساری عمر نہ تو میں ترجیع کریں نہ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں، حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم دیا ہو۔ لہذا ترجیع وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث کے موافق، لہذا انہیں کو ترجیح ہوگی جب

احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **الْوُضُوءُ بِمَا مَسَّنَهُ النَّارُ** آگ کی ہلکی چیز استعمال سے وضوء واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی، وضوء نہ فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، یہ کبھی قانون ہے۔

اکیسواں باب

منتقل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے، فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں، ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضروری۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نا بالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، نہ فرض نہ تراویح نہ نفل، کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے، اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس پر اس کی قضاء ضرور نہیں لیکن بالغ کی شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضاء لازمی ہے، اس لئے بالغ کوئی نماز بچے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک یہ سب جائز ہے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

منتقل کے پیچھے مفترض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں، جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔
حدیث نمبر ۱۴۱۴ ترمذی، احمد، ابوداؤد (شافعی، مشکوٰۃ نے باب الاذان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِلَامَامٌ ضَامِنٌ" وَ الْمُنُوذْنِ مُتَوَتِّمِينَ " أَلَّهُمْ أَرْشِدِ الْإِمَامَةَ وَ اغْفِرْ لِلْمُنُوذِينَ " فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے امام ضامن ہے اور مونوذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے، اور مونوذنوں کو بخش دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے، کہ اعلیٰ شے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شے اعلیٰ کو فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے، کہ نفل سے اعلیٰ ہے، نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض کو لہذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی قضا نہیں پڑھی جاسکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵ امام احمد نے حضرت سلیم سملی سے روایت کی۔

أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مَعَاذَ ابْنِ جَبَلٍ يَأْتِينَا بَعْدَ مَا نَنَامُ وَ نَكُونُ فِي أَعْمَالِنَا بِالنَّهَارِ فَيَنَادِي بِالصَّلَاةِ فَنَخْرُجُ إِلَيْهِ فَيُطَوِّلُ عَلَيْنَا فَقَالَ لَهُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا مَعَاذُ لَا تَكُنْ فَتَانًا إِمَامًا تُصَلِّيَ مَعِيَ وَإِمَامًا تُخَفِّفُ عَلَيَّ قَوْلَ مَكٍ

حضرت سلیم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول ﷺ حضرت معاذ ابن جبل ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آتے ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ تمہارا باعث نہ بنو یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کر دیا اپنی قوم کو بلکی نماز پڑھایا کرو۔

خیال دہے کہ حضرت معاذ ابن جبل نماز عشاء حضور انور ﷺ کے پیچھے پڑھ کر اپنی قوم میں پہنچ کر انہیں پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے، جس کی شکایت بارگاہ نبوی ﷺ میں ہوئی۔ جس کا واقع یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ۶ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ إِذَا دَخَلْتَ فِي صَلَاةِ الْقَوْمِ وَأَنْتَ لَا تَتَوَيَّ صَلَاتَهُمْ لَا تُجْزِكَ وَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ صَلَاتَهُ وَنَوِيَّ الَّذِي خَلْفَهُ غَيْرَهَا أَجْزَا ابْتِغَاءَ الْإِمَامِ وَ لَمْ تُجْزِهِمْ رَوَاهُ الْإِمَامُ مُحَمَّدٌ " فِي الْأَثَارِ

فرماتے ہیں، کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہو اور تم ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی نہیں اور اگر امام ایک نماز کی نیت کرے اور پیچھے والا مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی نماز تو اچھا ہو جائیگی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علماء ملت کا بھی یہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرا فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

مقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام پیشوا ہے مقتدی اس کا تابعدار امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر مقرر، اس لئے امام کے سہو سے مقتدی پر سجدہ سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ سجدہ واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی قرأت امام کے لئے کافی نہیں۔ حنفیوں نزدیک تو مطلقاً ہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سوا میں۔ اگر امام بے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی بے وضو نماز پڑھ لے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ مقتدی نے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہونہ خود اس مقتدی پر۔ اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گا۔ لیکن اگر امام ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز پڑھ لے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ و افضل ادنیٰ کے تابع نہ ہو جاوے اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہو سکتی غرضکہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز اور امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھ رہا ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر مقلد و ہابیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کئے دیتے ہیں، جو وہ کیا کرتے ہیں، اور وہ بھی جواب تک ان کو سوچے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز مجبکہ نہ فرض ہوئیں۔ اس کے بعد دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن ہر نماز اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ ان وقتوں کے درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے لئے نفل کیونکہ نماز مجبکہ نہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور ﷺ مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی ﷺ بھی ہے اور سنت جبریل علیہ السلام بھی۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بناؤ جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آگئے بغیر حکم الہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام بغیر حکم الہی کبھی نہیں آتے رب فرماتا ہے۔

وَمَا نَنْتَزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ”ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے“

لہذا ماننا پڑے گا۔ کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریل کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے۔

دوسرے یہ کہ ان دو دنوں میں نہ حضور ﷺ پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قانون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہذا حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمد للہ کہ تمہارا اعتراض جڑ سے اکھڑ گیا۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ مَعَاذُ ابْنِ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ، فَيُصَلِّي بِهِمْ

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ دیکھو حضرت معاذ عشاء کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ

فرض ادا کرتے ہوں حضرت معاذؓ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور ﷺ کے پیچھے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہذا آپ کے لئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذؓ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ انہیں حضور ﷺ نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا۔ بارہا صحابہ کرام سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں، کہ جب حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت معاذؓ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی، تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا مقتدیوں کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہوئی کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔

اعتراض نمبر ۳: بیہقی اور بخاری نے انہی حضرت جابر سے حضرت معاذ کا یہ ہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”قَالَ كَانَ مَعَاذٌ يَصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيَصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ نَافِلَةٌ“

”فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور ﷺ کے ساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی۔“

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔

جواب: آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت معاذ کا یہ واقعہ نفل کر کے اپنے اندازے اور قیاس سے فرماتے ہیں، کہ حضور ﷺ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذؓ نے اپنی نیت و ارادے کا پتہ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر پوچھے، یقین سے نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے اس کی اجازت دی۔ لہذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر ۴: بخاری شریف نے حضرت عمر وابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی۔ جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ میں تجازی قافلوں سے نبی کریم ﷺ کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والد مدینہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کئے ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اذان کوئی دے دیا کرے مگر نماز وہ پڑھائے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا، کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنادیا۔ اس وقت میری عمر چھ سال تھی، میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

”فَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ قَلَصْتُ عَنِّي فَقَالَتْ امْرَأَةٌ ”مِنَ الْحَيِّ لَا تَغْطُونَ عَنَّا اِسْتَقَارِبَكُمْ فَاسْتَرَوْا فَقَطَعُوا لِي قِمِيصًا“ (مشکوٰۃ باب امامت)

”مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی، کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوڑے کیوں نہیں ڈھکتے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خرید کر قمیض سی دی۔“

دیکھو عمر وابن سلمہ صحابہ ہیں، اور تمام صحابہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں، عمر وابن سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جو ان بذمہ ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں۔

جواب: اس کے وہی جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گزر گئے کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا نہ کہ حضور ﷺ کے فرماتے سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی مان لو کہ ننگے لہام کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ کیونکہ عمر وابن سلمہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا۔ کہ سجدہ میں چادر ہٹ جاتی اور چوڑے ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے، کسی نے نماز نہ ٹوٹائی۔ کیوں مسائل شریعہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر محض عداوت سے غرر کرتے اور ان جناب میں گستاخیاں گالی گلوچ بکتے ہیں۔

بائیسواں باب

خون اور قمے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں۔ جو چیز پیشاب یا خاندکی راہ سے نکلے۔ غفلت کی نیند، غشی، جنون، نماز میں ٹھٹھکا کر ہنسا، بہتا ہوا خون، منہ بھرتے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد و ہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے، نہ منہ بھر کرے، لہذا کوئی خفی کسی غیر مقلد کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں، کیا خبر ہے کہ قمے کے یا تکسیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کے مصلے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

قمے اور بہتا خون بھی وضو توڑتا ہے

حنفیوں کے نزدیک منہ بھرتے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہ کر پہنچ جانا وضو توڑ دیتا ہے، ظاہر بدن وہ ہے، جس کا دھونا، غسل میں فرض ہے، دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ دارقطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَوْضوءٌ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے۔“

حدیث نمبر ۲ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَهُ قَيْ " أَوْ رُعْفٌ " أَوْ قَلَسٌ " أَوْ مَذْيٌ

فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ

”فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جس کسی کو قے یا تکسیر یا نندی آ جاوے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔“

حدیث نمبر ۳ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی جہش

حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استخاضہ کا خون آتا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے رگ کا خون ہے

لِهَذَا اجْتَنِبِي الصَّلَاةَ أَيَّامَ مَحِيضِكَ ثُمَّ اغْتَسِلِي وَتَوَضَّعِي لِكُلِّ صَلَاةٍ وَإِنْ فَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيرِ

”حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو پھر نماز پڑھو، اگر چہ خون چٹائی پر پھلتا رہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استخاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے، ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے رن یا قطرے کی بیماری ہو وہ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ رن اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

حدیث نمبر ۴ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ أَوْ رُعِفَ فِي صَلَاةٍ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَنْ عَلَى

صَلَاةٍ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

”آپ نبی ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں قے یا تکسیر آ جاوے وہ نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے

اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔“

حدیث نمبر ۶، ترمذی و ابو داؤد نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

قَالَ اِعْرَابِي يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ مِمَّا يَكُونُ فِي الْغَلَاةِ فَتَكُونُ مِنْهُ رَوِيْحَةٌ وَيَكُونُ فِي الْمَاءِ قَلَّةٌ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَاءَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ مُلْخَصًا

”ایک بدوی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اسکی ریح نکل جاتی ہے اور پانی میں خشکی ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے۔ (ملخصاً)“

کذا فی جمع القوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد

حدیث نمبر ۷ ترمذی نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّأَ فَلَقِيْتُ قُوبَانَ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقٍ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ صَدَقَ أَنَا عَبَبْتُ لَهُ وَضُوءُهُ وَحَدِيثُ حُسَيْنٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ

ایک بار نبی ﷺ کو قے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابو الدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ نے فرمایا ابو الدرداء نے سچ کہا پانی میں نے ہی ڈالتا تھیں میں نے ہی وضو کرایا تھا۔“

حدیث نمبر ۸ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

رَفَعَهُ، قَالَ إِذَا رَغَفَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَوةٍ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَغْسِلْ عَنْهُ الدَّمَ ثُمَّ لِيُعِدْ وَضُوءَهُ

”آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں کسیر آ جاوے تو علیحدہ ہو جاوے اور خون کو دھو دے پھر وضو لٹائے۔“

حدیث نمبر ۹ دارقطنی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَاءَ أَحَدُكُمْ أَوْ رَغَفَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ أَوْ أَحَدَتْ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے یا کسیر آ جاوے یا اور کوئی حدت کرے تو علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔“

حدیث نمبر ۱۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَنْ رَغَفَ فِي صَلَاةٍ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ فَإِنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ بَيْنِي عَلَى صَلَوةٍ وَإِنْ تَكَلَّمْ اسْتَأْنَفَ

”فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں کسیر آ جاوے تو وہ علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نہ کیا ہو تو باقی نماز پوری کرے اور اگر کلام کر لیا ہو تو نئے سرے سے پڑھے۔“

حدیث نمبر ۱۱ امام مالک نے حضرت یزید ابن قسطلیس سے روایت کی۔

إِنَّهُ رَأَى سَعِيدَ ابْنِ الْمَسِيْبِ رَغَفَ وَهُوَ يُصَلِّي فَاتَى حُجْرَةَ رُمٍ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَى الْوَضُوءَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَيَّنَ عَلَى مَا قَدْ صَلَّى

”انہوں نے حضرت سعید ابن مسیب کو دیکھا کہ انہیں نماز میں کسیر آ گئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ رسول ﷺ کے گھر آئے تو انہیں پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا، پھر واپس ہوئے اور بقیہ نماز پوری کی۔“

حدیث نمبر ۱۲ ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحَدَتْ أَحَدُكُمْ فِي صَلَوةٍ فَلْيَا خُذْ بِأَنْفِهِ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ

”فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑے پھر چلا جاوے۔“

اس حدیث میں حضور ﷺ نے نمازی کو تہذیب پر بتائی کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپانے کے لیے ناک پر ہاتھ رکھ لے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی کسیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کی جگہ جا کر وضو کر لے، مگر کسیر سے وضو نہ لوتا ہوتا تو یہ تہذیب بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور نمونہ بارہ حدیثیں پیش کر دیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح انہار کی شریف کا مطالعہ فرماؤ۔

عقل کا نقصا بھی وہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھرے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا چاہئے، اسی لیے پیشاب م، پاخانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے، بہتا خون، منہ بھرے ناپاک ہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔ **اَوْذَمَّا مَسْفُوحًا** اسی لیے بہتے خون والا جالور ریح سے حلال ہوتا ہے تاکہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے تو جیسے پیشاب پاخانہ اور ریح نکلنے پر وضو جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ناپاک چیز نکلے، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور ریح نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا چاہئے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلا، نیز استحاضہ اور بواسیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوع بھی وارد ہے، جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لامحالہ دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شہادت اور دھمیتا ہیں، مگر تکمیل بحث کے لیے ہم ان کے جوابات بھی دیکھ دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ احمد و ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ إِلَّا مِنْ صَوْبِ أَوْ رِيحٍ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے، خون سے اس کے علاوہ ہے لہذا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا چاہئے الا حصر کے لیے ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پاخانہ، بلکہ عورت کی شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور الا کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جاوے تو تمہارا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا بھٹی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر وہ حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِذَا فَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَاشْغَلَ عَلَيْهِ أَخْرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يُخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى

يَسْمَعَ صَوْتًا يَجِدُ رِيحًا

”جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس لیے اسے شہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلی یا نہیں تو مسجد سے نکلے یہاں تک کہ آواز سنے، یا نہ پائے۔“

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جسے ریح نکلنے کا شہ ہو حدیث کا ذہاء کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ حاکم نے حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّكَ كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِيَ رَجُلٌ مِنْهُ فَتَرَفَهُ، الدَّمُ فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضَى فِي صَلَواتِهِ

”کہ آپ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کر لی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو یمن نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لی، اگر خون نکلتا وضو توڑنا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز یا منے سرے سے پڑھتے یا وہی پوری فرماتے معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے تو چاہیے کہ آپ خون، پیشاب پاخانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز ہو، حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہئے لہذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان اصحابی نے حضور ﷺ کی اجازت سے یہ ہم کیا معلوم ہوتا ہے دوسری واقعیت انہیں نہ تھی، اس لیے ایسا کر گزرے۔

تیسرے یہ کہ حدیث تمام ان مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے لہذا ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهُجُرْ ”گندگی سے دور رہو۔“ اور فرماتا ہے۔ **وَيَا بَكَ فَطَهِّرْ** ”اپنے کپڑے پاک رکھو۔“ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی، لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں فقیہ ہیں یا غیر فقیہ اگر فقیہ ہیں تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو وہ واجب تارک ہے اور اگر غیر فقیہ ہیں تو ان سے یہ ہوا، بہر حال حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ اگر خون وضو توڑتا ہے تو چاہیے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضو توڑے جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، یہ یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے، جب تھوڑا خون یعنی نہ بہنے والا وضو نہیں توڑتا، تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، ایسے ہی تھے، اگر ناقص وضو ہے تو خواہ منہ بھر کر یا تھوڑی، وضو توڑ دیتی ہے، یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب الحمد للہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں ایسے ہی آپ کا قیاس جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے پیشاب مطلقاً گندہ ہے تھوڑا ہو یا زیادہ، خون بہنے والا گندہ ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا ”نہ بہنے والا گندہ نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہو پاک ہوتی ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو آنکھوں میں پاخانہ اور مشاندہ میں پیشاب بھرا ہے، مگر پاک ہے اس لیے آپ کی نماز درست ہوتی ہے اگر یہ ناپاک ہوتے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے ہی گندہ اعضاء جو اندر سے خون ہو گیا جب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے جب ہی کچھ لیا، تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو پیشاب کی جگہ نہ ہے، وہ مشاندہ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آکر سکتا ہے، لہذا انہیں ہے اگرچہ ایک بوند ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اس کا معدن ہے اگر کہیں سوئی چھب گیا اور خون چمک گیا مگر بہا نہیں تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکا ہے ناپاک نہیں ہاں جب بچے تو سمجھو کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہو گیا اور ناپاک، اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے مگر خون بہ کر توڑے گا، غرض کہ خون کا نکلنا ارد ہے چمکنا کچھ اور لہذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

اعتراض نمبر ۴ حنفی شرح بخاری نے اسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ”بے شک نبی ﷺ نے قے کی اور وضو نہ کیا۔“ اگر قے وضو توڑتی، تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب ماشاء اللہ کیا نفس اعتراض ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی پیش کیا گیا، مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پاخانہ بھی وضو نہیں توڑتا۔ جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی، وضو لوٹ جانے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں، وہاں اگر حضور ﷺ فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے، اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون وقفے کے ناقص وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقص نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی، صرف علماء کا مذہب بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں قے و خون کے وضو توڑنے کی کوئی حدیث نہیں، کیونکہ وہ مسئلہ پر حدیث پیش ہیں۔

اعتراض نمبر ۵ قے و خون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا کسیر آ جاوے تو وضو کرے، وہاں وضو سے مراد خون وقفے سے کپڑا احوالینا ہے، نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔

الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ ”آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو ہے۔“ وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھاکر ہاتھ دھونا کلی کرنا سنت ہے، یہ ناقص وضو نہیں، ایسے ہی یہاں ہے لہذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آپ تک کسی کو نہ سوجھا ہوگا، ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تشریف ہے، اذلا تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عربی معنی خود حضور ﷺ نے بیان فرمادیے، کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے کلی کی اور فرمایا،

هَذَا وَخُذُوا "فِيمَا مَسَّنَا النَّارُ" آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو یہ ہے۔ "یہاں آپ یہ معنی چھوڑ کر غیر معروف معنی کیوں مراد لے

رہے ہو، نیز اس حدیث میں یہ ہے کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آ جاوے تو وضو کرے اور نماز کی بنا کرے یعنی باقی نماز پوری کرے، اگر کپڑا دھونا

مراد ہوتا تو نماز کی بنا جائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑھنی، جس کا کپڑا نماز میں بخش ہو جاوے اور وہ دھوئے، وہ بنا نہیں کر سکتا دوبارہ پڑھے گا، لہذا

آپ کی یہ توجیہ محض باطل ہے۔

تیسواں باب

ناپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ اگر کنوئیں، حڑے یا حڑے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی رکھ جاوے تو ان کا پانی نجس ہو جاوے، کہ نہ پیا جاسکتا ہے، نہ اس سے وجود وغیرہ جائز ایک قطرہ پیشاب کنوئیں کو ندامت دیتا ہے، سمندر، تالاب یا بہتا پانی اُن کے احکام جدا نہ ہیں۔ مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دوشکلے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے ناپاک نہ ہوا، جب تک کہ اس کا رن یا بویا حڑے نہ بدلے، لہذا ان کے نزدیک کنوئیں میں خوب ہومو تو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیو۔ وضو کرو، پھر طرہ یہ ہے کہ اس مسئلہ پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو الیاء دیتے ہیں، کہ انہوں نے ندی رجانے پر کنوئیں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا، مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پیئے دیا، حنیفوں کو چاہیے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں نہ ان کے کنوئیں کا پانی بے تحقیقی چھیں۔ ان کے کنوئیں اکثر ندے ہوتے ہیں جن سے یہ لو پکڑے دھوئے، نہاتے اور وضو کرتے ہیں، نہ ان کے بدن پاک، نہ پکڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لو بہت مذاق اڑاتے اور آواز کستے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنوئیں خواہ کتنی ہی ہرا ہو اور اس میں کتنی ہی پانی ہو اور انہیں ایک قطرہ شراب یا پیشاب یا چوبلی وغیرہ رکر مر جاوے تو ناپاک ہے بغیر کیے اس کا پانی استعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں، جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۴۴ مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُأْتِيَ فِي الْمَاءِ الرَّائِدِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ بِهِ

”منع فرمایا نبی ﷺ نے اس سے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب کیا جاوے، پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۱۴۵ مسلم و طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُسْبٌ فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوُلًا

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ کوئی شخص ٹھہرے پانی میں نہ غسل کرے ابوسائب نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ پھر جنبی کیا کرے، فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔“

یہ حدیث احمد۔ ابن حبان، عبد الرزاق وغیرہم ہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے بالفاظ مختلف روایت فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حڑے، کنوئیں اور تمام ٹھہرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے نہ جنابت کا غسل ادا کیا کر لیا یا تو پانی عدا ہو کر قابل استعمال نہ رہے اردو منگے پانی ندی کرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو حضور ﷺ یہ ممانعت نہ فرماتے۔

حدیث نمبر ۱۴۶ ترمذی حاکم (متدرک) ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْأَنَاءِ غُسِلَ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَوْ لُفَّتْ بِالْعُرَابِ وَإِذَا وَلَغَ الْهَرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً أَلْفَظًا لِابْنِ عَسَاكِرٍ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب برتن میں کتا چات چاوے تو سات بار دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے، مابچھا جاوے اور اربلی برتن سے پی لے تو ایک بار دھویا جاوے، برتن خواہ چھوٹا ہو، جیسے ہانڈی، لونگا یا بھرا جس میں دو چار منگے پانی آ جاوے اردو منگے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو وہ برتن کیوں ناپاک ہو جاتا ہے جس میں یہ پانی ہے، کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لایا ہوا ہے جب برتن نجس ہو یا خواہ دوشکلے ہو یا یک و بیش۔“

ان احادیث سے پتہ لا کر اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور ایک بار مٹی سے بھی مابچھا جاوے اور اربلی برتن سے پی لے تو ایک بار دھویا جاوے، برتن خواہ چھوٹا ہو، جیسے ہانڈی، لونگا یا بھرا جس میں دو چار منگے پانی آ جاوے اردو منگے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو وہ برتن کیوں ناپاک ہو جاتا ہے جس میں یہ پانی ہے، کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لایا ہوا ہے جب برتن نجس ہو یا خواہ دوشکلے ہو یا یک و بیش۔

حدیث نمبر ۱۷۱۵۵ دارقطنی، طحاوی نے ابو الطفیل سے اور بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ غُلَامًا وَقَعَ فِي بَيْرٍ زَمَزَمَ فَنَزَحَ حَتَّى

”زمانہ صحابہ میں چاہ زمزم میں ایک لڑکا رہا، تو کنویں کا پانی نکالا۔“

حدیث نمبر ۱۷۱۶ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطاء سے روایت کی، عطاء تابعی ہیں۔

أَنَّ حَبِشًا وَقَعَ فِي زَمَزَمَ فَمَاتَ بِهٖ ابْنُ الزَّبِيرِ فَنَزَحَ مَاءً هَا فَجَعَلَ الْمَاءُ لَا يَنْقُطُ فَنَظَرَ فَأَذًا

عَيْنِ ”تَجَرَّوْا مِنْ قَبْلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ ابْنُ الزَّبِيرِ حَسْبُكُمْ

”کہ ایک حبشی چاہ زمزم میں گر کر مر گیا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حکم دیا، پانی نکالا، پانی ختم نہ ہوتا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب سن اسود کی طرف سے آ رہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کافی ہے۔“

حدیث نمبر ۱۸ بخاری نے حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ حَبِشًا وَقَعَ فِي زَمَزَمَ فَمَاتَ فَأَنْزَلَ رَجُلًا إِلَيْهِ فَأَخْرَجَهُ، ثُمَّ قَالَ انْزِعُوا مَا فِيهَا مِنْ مَاءٍ

”وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو آپ نے ایک آدمی کو اتارا جس نے اسے نکالا، پھر ابن عباس نے فرمایا کہ جو پانی کنویں میں ہے اسے نکال دو۔“

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اگر کنویں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنواں نجس ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کنویں کے پاک کر دینا طریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر کنویں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پردہ نہ کی جاوے، جو پانی جی الحال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے، جو بعد میں آتا رہے اس کا مضا لگتے نہیں۔ چوتھے یہ کہ جس ڈول درسی سے ناپاک کنویں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنویں کیساتھ وہ بھی پاک ہو جاوے، اگر غیر مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمائیں، تو امام صاحب کو الیاء وینا، حنفیوں کا مذاق اڑانا آواز سے کتنا چھوڑ دیں۔

حدیث نمبر ۱۹ طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی

عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي الطَّيْرِ وَالسَّنَوْرِ وَنَحْوِ هُمَا يَقَعُ فِي الْبَيْرِ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا أَرْبَعُونَ دَلْوًا

”امام شعبی چڑیا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنویں میں مر جاوے تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔“

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ فِي رُجَاخَةٍ وَقَعَتْ فِي بَيْرٍ فَمَاتَتْ قَالَ يُنْزَحُ قَدْ رَأَيْتُ بَعِينَ دَلْوًا أَوْ خَمْسِينَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهَا

”آپ فرماتے ہیں کہ جب کنویں میں مرغی گر کر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت میسرہ اور زاذان سے روایت کی۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا سَقَطَتِ الْفَارَةُ أَوْ الدَّابَّةُ فِي الْبَيْرِ فَأَخْرِجْهُمَا حَتَّى يَغْلِبَكَ الْمَاءُ

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوہا یا کوئی اور جانور کنویں میں مر جائے تو اس کا پانی نکال دیا جائے تو میں ڈول نکالے جاویں۔“

نمبر ۲۲ طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی تابعی سے روایت کی۔

عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْبَيْرِ تَقَعُ فِيهَا الْفَارَةُ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا دَلَاءٌ

”ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کنویں میں چوہا مر جاوے تو اس سے کچھ ڈول نکال جاویں۔“

حدیث نمبر ۲۳ شیخ علاؤ الدین محدث نے بحوالہ طحاوی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ (واللہ اعلم)

عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ فِي الْفَارَةِ إِذَا مَاتَتْ فِي الْبَيْرِ وَأُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهَا يُنْزَحُ مِنْهَا عِشْرُونَ دَلْوًا

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوہا کنویں میں مر جاوے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس ڈول نکالے جاویں۔“

حدیث نمبر ۲۴ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلمہ سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيًّا سَيْلَ عَمَّنْ بَالَ فِي بَيْرٍ قَالَ يُنْزَحُ (انتصار الحق ص ۲۵۷)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا یا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں میں پیشاب کر دے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکالا جائے۔“

یہ چند میں روایتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، جن سے معلوم ہوا کہ مندی چیز رجانے سے کنواں نجس ہو جاتا، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، ارزا یا دھشتی دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صبح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جاوے، کیونکہ جب نجاست ل جانے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں، تو پانی جو پتلی چیز ہے جس میں نجاست بہت زیادہ سرایت کر جاتی ہے، بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جانا چاہیے نیز جب دوسکے دودھ، تیل، پتلا، مٹی، شہد، لسی نجاست پڑنے سے نجس ہو جاتے ہیں تو پانی ان چیزوں سے زیادہ پتلا ہے، وہ بھی ضرور ناپاک ہو جانا چاہیے ورنہ فرق بیان کرو کہ دوسکے دودھ کیوں ناپاک ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نہیں ہوتا اس لیے سرکار محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سوکر جاؤ بغیر ہاتھ دھوے پانی میں نہ ڈال دو (مسلم بخاری) پانی خواہ دھوئے ہو یا کم و بیش، دیکھو بے وضو آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں تانے، شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک جو تا صرف چلے پھرنے اور مٹی سے رڑ جانے سے پاک ہو جاتا ہے، نجس زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے، نجس کپڑا اور جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل پاک دودھ و تیل کے ساتھ مل کر بچا جانے سے پاک ہو جاتا ہے پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک غیر مقلد وہابی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے عمل میں آیا تو ان شاء اللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَبِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّوَضَّاءُ مِنْ بَيْرُبْضَاعَةٍ وَهِيَ بَيْرٌ "يُلْقَى فِيهَا الْحَيْضُ وَلَحُومُ الْكِلَابِ وَلَا تَيْنُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يَنْجُسُهُ شَيْءٌ"

”فرماتے ہیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم بضاہ کنوئیں سے وضو کر سکتے ہیں، بضاہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، کنوئیں کے دشت اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔“

بضاہ مدینہ پاک میں ایک کنواں تھا، جس میں ہر قسم کی ندی حتیٰ کہ مرے کتے بھی پھینک دیے جاتے تھے، مراں کے باوجود سرکار ﷺ نے کنوئیں کی ندی رنے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے، مر امام ابوحنیفہ ایک قطرہ پیشاب رجانے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں، حنفیوں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے کیا ابوحنیفہ حضور ﷺ سے زیادہ پاک و سترے تھے۔

جواب اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں، تو چاہیے کہ مرے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے کتوں کے دشت ڈال کر یا کرو، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتے، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم کہتے ہو کہ اگر نجاست سے کنوئیں کے پانی کا رن یا یو یا مزہ بدل جاوے تو نجس ہو جاوے، وہ کونسا کنواں ہے جو مرے کتوں، حیض کپڑوں اور بدبودار چیزوں کے رنے کے باوجود ان کا رن بو مزہ نہ بدلے، دن رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مرغی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آ جاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیے کہ وہابیوں کے کنواں میں مرادار، کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبو دار پانی کو پی رہے ہو، تم نے بو مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام طہرے پانی میں پیشاب کرنے کو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مرادار کتنے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلاف قیاس ہو، وہ واجب التکرار ہے اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجب العمل ہے لہذا ان احادیث پر عمل کرو جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضاہ کنواں ہمارے ملک کے کنوئیں کی طرح نہ تھا، بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا جیسا کہ مکہ معظمہ کے کنوئیں بہر زبیدہ پر بنے ہوئے

ہیں اور مدینہ منورہ کے کوئٹہ شہر زرقا واقع ہیں، بظاہر کوئٹہ معلوم ہوتے ہیں مرد حقیقت وہ آب رواں کی نہریں ہیں چونکہ پانی جاری تھا اس لیے جو ندی ری پٹی، پاک و صاف پانی آیا نہ اس میں بھی نہ کوئی ندی جاری نہ ہو اور جاری دریا کا حکم یہ ہی ہے۔
چنانچہ طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

أَنْ يَبْرُ بَصَاةً كَانَتْ طَرِيقًا لِلْمَاءِ إِلَى الْبَسَاطِينِ فَكَانَ الْمَاءُ لَا يَسْتَقِرُّ فِيهَا
”بصاۃ کنواں پانی کا راستہ تھا جو بانگوں میں جاتا تھا، اس میں پانی ٹھرتا نہ تھا۔“

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہوئیں اور مسئلہ بالکل حل ہو یا، لہذا کنواں ندی رنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا يُتَوْبُهُ مِنَ السَّبَاعِ وَالذُّوَابِ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلْتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ النُّجَسَ
”فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی ﷺ کو حالانکہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو جھلوں میں ہوتا ہے جس پر درندے اور جانور وارد ہوتے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب پانی دو مکے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔

اس سے معلوم وہاں کہ دو مکے پانی نجاست رنے سے نجس نہیں ہوتا، امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق سے روایت کی کہ دو مکے پانی نجاست ہوتے ہیں، جب پانچ مکے پانی نجاست ہوتا تو کوئٹہ میں تو سینکڑوں مکے پانی ہوتا ہے وہ کیسے نجس ہو سکتا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مکے پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست رنے جبث میں مقدار نجاست کی قید نہیں تو چاہئے کہ اردو مکے پانی میں چار مکے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا یو، مزہ، رن سب پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہ پانی پیئے رہیں، رن و یونہ بد لے کی قید تم نے کہاں سے لائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ **لَمْ يَحْمِلِ النُّجَسَ** کے یہ معنی کیسے ہوئے کہ نجس نہیں ہوتا اس کے معنی ہیں نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہو جاتا ہے جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال باطل ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ معنی کیئے جائیں کہ دو مکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے غرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو مکے پانی ہو یا کم و بیش اور سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے چاہ زمزم میں ایک جمی رنے پر اس کا پانی نکلوایا، یہ کیوں وہاں تو ہزاروں مکے پانی تھا۔ لہذا یہ حدیث لائق عمل نہیں۔

چوتھے یہ کہ فقہین قلعہ کا حشر ہے، قلعہ مکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قد و قامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلعہ کے معنی انسانی قد و قامت ہے اور اس سے ہر ان کا اندازہ ہوتا ناقص نہیں بلکہ لمبا کی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے پہنچے کیلئے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے ندی کو بہا لے چاویا، فوراً دوسرا پانی آوے، اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوا، اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوئی، یہ وجہ بہت بہتر ہے، کیونکہ اگر قلعہ کے معنی ہوں مٹکا تو پتہ نہ چلا۔ کہ کتنا بڑا مٹکا کہاں کا مٹکا اور پانچ مٹکے مقدار مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدار مذکور نہیں، نیز یہ خبر نہیں کو مٹکیمہ کتنا بڑا اور کہاں کا، غرض کہ حدیث مجمل ہوئی، مجمل پر عمل ناممکن ہے۔

پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مرا ہے کہ دو مکے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سو ہاتھ سطح ہوئی۔ تو چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہو یا، لہذا معمولی ندی رنے سے ناپاک نہ ہوا اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ حنفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک کوئٹہ سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لاتا ہے، پاک پانی چھوڑ آتا ہے حیرت ہے، کہ جب کوئٹہ میں چڑیا مرنی جس سے سارا کنارہ کنواں ناپاک ہو یا اور حنفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو کیا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہو یا تھا تو تیس ڈول نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہوا۔

جواب یہ کرامت وہابیوں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے جب کوئٹہ کا پانی یو مزہ رن بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنواں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہابی صاحبان اسے پاک کریں، بتاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہوا ہے یا کچھ ڈول ار کچھ ڈول پانی ناپاک ہوا ہے تو وہابیوں کا ڈول واقعی کراماتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف ناپاک پانی نکال لایا، اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لایا اور اکل کنواں ناپاک ہوا تھا تو

کنوئیں کا کل پانی نکالا بھی نہیں، پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ کنوئیں اور کنواں پاک ہو یا یہ کیسے ہو اس کا جواب دہانی دیں گے وہ ہی ہماری طرف سے سمجھ لیں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں ناپاک ہو جاتا ہے مرنا پاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہے ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیلئے چالیں ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے، دیکھو مٹی ناک ہے لیکن جب کپڑے میں ل کر خشک ہو جاوے تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے کیسے یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیسے ہو یا، صرف آسانی کیلئے ایسے ہی آسانی کے لیے صرف چالیں ڈول نکال دینے سے سارا کنواں پاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۴ ارچڑیا چوہا مرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہوئی اور جب اسے پاک کرنے کے لیے ڈول ڈالا یا تو وہ ڈول رسی بھی نجس ہوئی تو چاہئے تھا کہ اسے پاک کرنے کو دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈول رسی بھی پاک کی جاتی۔

جواب اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۳ کے جواب میں دریا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے، کنوئیں کی دیواریں اور ڈول و رسی دھونے میں سخت دشواری تھی، اس لیے اس کی معافی دی گئی تم بھی اپنے اندے کنوئیں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈول و رسی آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور لضع کے مقابل قیاس و درانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہہاں مزمم پاک کیا، مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول و رسی۔

چوبیسواں باب

نماز جمعہ و عیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ و نماز عید و بقرہ گاؤں میں نہیں ہوتی، ان تینوں نمازوں کیلئے شہر یا شہر کی ملحقہ جگہ میں ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ و عیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آ کر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائیں گے مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جمعہ و عیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں، اس لیے اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کی ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

نوٹ ضروری خیال رہے کہ شہر و بستی ہے جہاں کو بچے و بازار ہوں ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں اور وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

پہلی فصل

نماز جمعہ و عیدین کیلئے دوسری شرائط جماعت، خطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا قضاء شہر بھی شرف ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی، گاؤں میں نہیں ہو سکتیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

نمبر ۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ

”اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔“

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہو جانے پر دو حکم دیے جمعہ کے لیے حاضر ہونا دوسرے تجارتی کاروبار چھوڑ دینا جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا، جہاں تجارتی کاروبار ہوں اور ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بازاروں منڈیوں میں ہی ہوتے ہیں اور بازار و منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

نمبر ۲، ۳ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابو عید نے غریب میں مروی ہے کتاب الجمعہ میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا جُمُعَةٌ وَلَا تَشْرِيقٌ إِلَّا فِي مِصْرَ جَامِعٍ ”آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور بکیر تشریق نہیں ہو سکتے مگر بڑے شہر میں۔“

نمبر ۴ ابن ابی شیبہ نے ان ہی امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا جُمُعَتٌ وَلَا تَشْرِيقٌ وَلَا صَلَاةُ فِطْرٍ وَلَا أَصْحَىٰ إِلَّا فِي مِصْرَ جَامِعٍ أَوْ مَدِينَةٍ عَظِيمَةٍ

”آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے، نہ بکیر تشریق نہ عید بقرہ عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔“

نمبر ۵ یحییٰ نے عرفہ میں انہی حضرت علی سے روایت کی۔

قَالَ لَا تَشْرِيقٌ وَلَا جُمُعَةٌ إِلَّا فِي مِصْرَ جَامِعٍ ”آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ بکیر تشریق مگر بڑے شہر میں۔“

نمبر ۶ فتح الباری شرح بخاری جلد ۲، حد ۳۱۶ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَيْسَ عَلَىٰ أَهْلِ الْقُرَىٰ جُمُعَةٌ إِنَّمَا الْجُمُعَةُ عَلَىٰ أَهْلِ الْأَمْصَارِ مِثْلَ الْمَدَائِنِ

”آپ نے فرمایا گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں جمعہ ان جیسے شہروالوں پر فرض ہے۔“

نمبر ۷ مسلم، بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ وَالْعَرَقِ

”لوگ نماز جمعہ کے لیے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انہیں غبار لگ جاتا تھا اور پسینا آ جاتا تھا۔“

نمبر ۱۰ ترمذی نے حضرت ثوبیہ سے انہوں نے قبا والوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں روایت کیا۔

قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْهَدَ الْجُمُعَةَ مِنْ قُبَا
 ”فرمایا ہم قبا والوں کو ﷺ نے حکم دیا کہ نماز جمعہ کیلئے قبا سے چل کر مدینہ آئیں۔“

نمبر ۱۱ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ نبی ﷺ سے روای۔

قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى أَهْلِهِ

”فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے۔“

نمبر ۱۲ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

أَنَّ أَهْلَ قُبَا كَانُوا يَجْمَعُونَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ
 ”قبا والے لوگ جمعہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ جماد کرتے تھے۔“

نمبر ۱۳، ۱۴ مؤطا امام مالک **بَابُ لَا جُمُعَةَ فِي الْعَوَالِي** اور مؤطا امام محمد **بَابُ صَلَوةِ الْعِيْدَيْنِ وَأَمْرِ الْخُطْبَةِ**
 میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبیدہ موسیٰ ابن اذرہ ہے۔

قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَالَ إِنَّهُ قَدْ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِي يَوْمِكُمْ هَذَا عِيْدَانِ
يَنْتَظِرُ الْجُمُعَةَ فَيَنْتَظِرُهَا وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ

”فرمایا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز عیدین میں حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر لو نے اور فرمایا کہ آج کے دن میں دو عیدین جمع ہوئی ہیں، تو گاؤں والوں میں سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔“

ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی ﷺ اور زمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ و عیدین پڑھنے کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ لیتے تھے اگر گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہوتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے، مگر وہ بارش اور پید کی رحمتیں اٹھا کر جمعہ و عیدین کے لیے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ بخاری کے لفظ **يَسْتَأْذِنُونَ** اور مؤطا کے لفظ **أَنْ يُوجَعَ** سے معلوم ہوا کہ

گاؤں والوں پر جمع فرض نہیں، ورنہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تہجدی بغیر جمعہ پڑھ لوٹ جانا کیا مطلب؟
عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہونہ کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاجج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذی الحجہ عرفہ کے دن جمعہ تھا، جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور ﷺ نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھانہ مکہ کے حاجیوں کو اس کا حکم دیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کیئے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات نے گاؤں میں جھے قائم کیئے ہوں چنانچہ فتح القدر باب الجمعہ میں ہے۔

وَلِهَذَا لَمْ يُنْقَلْ عَنِ الصَّحَابَةِ حِينَ فَتَحُوا الْبِلَادَ دَوَّاشَعْلُو بِنَصْبِ الْمَنَابِرِ وَالْجَمْعِ إِلَّا فِي الْأَمْصَارِ
 ”صحابہ کرام سے کہیں منقول نہیں کہ جب انہوں نے علاقے فتح کیئے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعہ قائم کیئے ہوں۔“

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جایا کرتا تو یہ حضرت ہر جگہ ہی جمعہ قائم کرتے جیسے جمعہ کیلئے خطبہ جماعت وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کے لیے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں، ظہر سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرض کہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی طرح نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

اعتراض نمبر ۱ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے، وہاں شہر کی قید نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیسے لگا سکتے ہو قرآن مطلق حدیث واحد سے مفید نہیں ہو سکتا۔

جواب اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے، کہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کے لیے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی، نہ خطبہ کی، نہ جماعت کی، نہ جگہ کی تو چاہئے کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھا لیا کرو، نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو جنگل اور گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت جمعہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور مجمل کی تفصیل حدیث واحدہ سے بھی ہو سکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ احادیث واحدہ نہیں عرفات میں حضور ﷺ کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے دیکھا، جنگی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی جس فعل شریف کو اسے صحابہ دیکھیں، وہ خبر واحد کیونکہ ہوگی۔

چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے حکم جمعہ کے ساتھ فرمایا **وَذَرُوا النَّبِيعَ** جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف ﷺ کے بعد سب سے پہلا جمعہ عبدالقیس میں ہوا جو بحرن کے ایک قریہ جو ابی میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً بستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْيَةِ عَظِيمٍ

”کفار یوں کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔“

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ و طائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مکہ معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔

وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اور فرماتا ہے۔

وَأَسْأَلُ الْقُرَيْةَ الْيَهُیٰ كُنَّا فِيْهَا ”آپ پوچھیں اس شہر سے جس میں ہم تھے۔“

حتیٰ اِذَا اَتٰی اَهْلَ قَرْيَةٍ نِّسْتَعْطَمٰ اَهْلَهَا ”یہ دونوں (موسیٰ و خضر علیہ السلام) ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں کو کھانا لگا۔“ اس آیت میں اٹلا کیہ کو قریہ فرمایا گیا، حالانکہ یہ شہر ہے، بہر حال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جو ابی گاؤں نہ تھا، بلکہ شہر تھا، چنانچہ صحاح میں ہے۔

اَنَّ جَوَالِیَ حِصْنٍ بِالْبَحْرَيْنِ ”جو ابی بحریں میں ایک قلعہ ہے۔“

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے، (فتح القدیر) بمسوط میں ہے۔

اِنَّهَا مَدِیْنَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ ”وہ بحریں میں ایک شہر ہے۔“

بہر حال جب لوگوں نے کہا کہ جو ابی قریہ ہے انکی مراد قریہ سے شہر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ بمعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جمعہ قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا، لہذا شہر والی روایتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی۔ تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام کے اپنے اجتہاد سے نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔

(از فتح القدیر وغیرہ)

اعتراض نمبر ۳ یحییٰ شریف میں بروایت عبدالرحمن ابن کعب عن کعب ابن مالک ہے فرماتے ہیں سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زارہ نے مقام حرہ بنی بیاض پر پڑھایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سعد بن زارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی بستی تھی معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جواب یہ واقعہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ ابھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلنا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادتیں کرتے ہیں ہم بھی عرب کے دن جمع ہو کر عبادت کیا کریں۔ چنانچہ حضرت سعد ابن زارہ نے ۷ ہجری بیاضہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عرب کے دن جمع ہونا نماز و عطا کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اجتہاد کی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق یحییٰ میں اسی مقام پر اور فتح القدیر میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مردہ جمع ہی کی نماز تھی۔ تو ۷ ہجری بیاضی مستقل گاؤں نہ تھا بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں

سے تھا یعنی فائے شہر اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ وعیدین جائز ہیں۔

اعتراض نمبر ۴

بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب رزق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سو آبی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو، محمد ابن شہاب نے رزق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں ایلہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب

اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن سہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں مسئلہ معلوم نہ تھا وہ سمجھے کہ ظہر کی طرح جمعہ ہر جگہ ہو جاتا ہوگا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری میں اس جگہ اس شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم نے ان سے عبد اللہ ابن عمر نے ان سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا ان اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جواز جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراض نمبر ۵

تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی کے اقوال ہیں نہ کہ نبی ﷺ کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیونکر دیا جاسکتا ہے۔

جواب

صحابہ کرام کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے، اور یہ حدیثیں اگر قیاسات کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نماز کے لیے شہر کی صراحت قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا ہے، بلکہ حضور ﷺ سے سن کر فرمایا اسی لیے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعاً نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوعہ کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۶

جمعہ کی نماز نماز ظہر کے قائم مقام ہے اسی لیے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے جب ظہر گاؤں دشہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہفت جگہ ہو جانا چاہیے۔

جواب

یہ اعتراض تم پر بھی پڑ سکتا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے جماعت سے جنگل میں، گھر میں، مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہیے۔ اللہ کے بندو جب جمعہ اور ظہر میں بہت سے فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت مؤکدہ چھ چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں ۲ ظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے لیے اذان عامل کی جگہ ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کے لیے شہر شرط ہو تو کیا مضا لکھ ہے تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا مگر نبی ﷺ نے نہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ پڑھا اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ دارالاسلام نہ تھا اور قبا شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لیے دونوں چیزیں شرط ہیں۔

اعتراض نمبر ۷

حنفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ میں جمعہ پڑھا جائے، منیٰ تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل ہے اگر جمعہ کے لیے شہر شرط تھا تو منیٰ میں جمعہ جائز کیوں ہو گیا۔

جواب

حج کے زمانہ میں منیٰ شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں لگی کوچے بازار تو پہلے ہی بنے ہوئے ہیں، حج کے موسم میں وہ سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں حاکم بھی موجود ہوتا ہے، اس لیے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی و کانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض میدان ہے چاہئے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ آمدن حج کے مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لیے حجاج پر عید معاف ہے۔ رخی، قربانی، حجامت، طواف زیارت یہ سب دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں ان کی ادائیگی شام ہو جاتی ہے خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عدا واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

نوٹ ضروری

جہاں مسلمانوں کاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے کا تاکید کی گئی دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہوگا نماز ظہر دیا جائے گی۔

پچیسواں باب

نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الہی درود شریف اور دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الہی یا دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں دیکھو تا پانچ (جناہ) کی حالت میں آیۃ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا آپ کا مزاج کیسا ہے، ہم نے کہا **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ** اگر ہم تا پانچ کی حالت میں ہوں جب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے لیکن اگر تلاوت قرآن کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیے ہم اس باب کی بھی دو ضلعیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل، دوسری فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

پہلی فصل

اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ۱ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ "منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس پر جنازہ نہ پڑھیں۔"

آیت کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوٰۃ فرمایا مگر ساتھ میں **عَلٰی** ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا "اے مسلمانو تم نبی پر درود و سلام پڑھو۔"

یہاں صلوٰۃ علیہ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود عا مراد ہے کیونکہ اس کے بعد **عَلٰی** ارشاد ہے جب صلوٰۃ کے بعد **عَلٰی** ہو تو وہ بخشی دعا و رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورۃ فاتحہ و تلاوت قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے حمد الہی درود شریف چاہیے چونکہ جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اسی لیے اس میں رکوع سجدہ نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱ موطا امام مالک میں بروایت ثافع بن ابن عمر ہے۔

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ "سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔"

حدیث نمبر ۲ اسی موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَمَّنْ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ كَيْفَ يُصَلِّي عَلَى الْجَنَازَةِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا لَعُمْرِكَ أُخْبِرُكَ أَنِّي عَلَيْهَا مِنْ عِنْدِ أَهْلِهَا قِيَادًا وَصَحْتُ كَثِيرًا وَحَمَدْتُ اللَّهَ وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ أَقُولُ اللَّهُمَّ عَبْدُكَ وَإِبْنُ عَبْدِكَ وَإِبْنُ أُمِّتِكَ كَانَ يَشْهَدُ (صح)

"روایت ہے اس سے جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں جانتا ہوں میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت رکھی جاتی ہے تو تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس کے نبی ﷺ پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں اَللّٰہِ تِیْرَیْہِ بِنْدَہِ تِیْرَہِ فلا نے بندے فلائی بندگی کا لڑکا تو حید و رسالت کی گواہی دیتا تھا،"

غور کرو، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی نماز جنازہ میں حمد، درود، دعا کا ذکر تو ہے مگر تلاوت قرآن کا بالکل ذکر نہیں، معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ ابوداؤد ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاحْلِلُوا لَهُ الدُّعَاءَ

"فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خاص دعا کرو۔"

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو خلوص دل سے اس کے لیے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات وہابی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التقیات و دعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جنازہ کی نماز میں جہود دعا کے کچھ نہ ہو رہی، جہود و رو یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے اداب میں سے ہے بہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی انہی کے خلاف ہے اور احناف کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۵۴ معنی شرح بخاری جلد دوم ص ۵۴۱ باب قرائۃ الفاتحہ علی الجنازہ میں حسب ذیل احادیث ہیں۔

وَمِمَّنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ وَيُنْكَرُ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ وَابْنُ عُمَرَ وَابُو هُرَيْرَةَ وَمِنْ التَّابِعِينَ عَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَسَعِيدُ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَابْنُ سِيرِينَ وَسَعِيدُ ابْنِ جَبْرِ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَكَمُ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ بِهِ قَالَ مُجَاهِدٌ وَحَمَّادٌ وَالْعَوْرِيُّ وَقَالَ مَالِكٌ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ لَيْسَتْ مَعْمُولًا بِهَا فِي بَلَدِ نَافِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ

”اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے، ان میں حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابو ہریرہ ہیں اور تابعین میں سے حضرت عطاء طاووس، سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید ابن جبیر، امام فہمی اور حکم ہیں، ابن منذر کہتے ہیں کہ یہ ہی قول مجاہد اور حاد ثوری کا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں۔“

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو کیونکہ عام نمازوں میں جیسے تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی انہیں رکوع، سجدہ، التقیات میں بیٹھنا بھی رکن ہے، اور ان نمازوں میں قبر یا میت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع، سجدہ و التقیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے اور دعا میں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، وہابی حضرات کو چاہئے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلقین کرتا ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے، اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز جنازہ کو حمد، درود دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مروءہ بخاری نے نماز نہیں سمجھتے، یہ بہر حال نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دی جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَقَالَ لَتَعْلَمُوْا أَنَّهَا مَسْئَةٌ

”روایت ہے طلحہ ابن عبد اللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک نماز پر نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لیے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ مسئلہ ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا عمل ہے۔

جواب اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب کے لیے پڑھی ہو جیسا کہ فقہاء کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ تفہیق کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پڑھنا نہیں لگتا کہ عین حمد و ثناء پڑھی یا عینیت

مطاوٰت، غیبت، دعاء و تلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا جب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیے کیا تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے پھر چلا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے ہی کہ نبی ﷺ سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو۔ ساتویں یہ کہ بجز سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم فصل اوّل میں عرض کر چکے ہیں، چنانچہ صحیح القدری میں ہے۔

وَلَمْ تَثْبُتِ الْقِرَاءَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ”نبی ﷺ سے جنازہ میں قرأت ثابت نہیں۔“

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں روایت حضرت عبد اللہ ابن عباس ہے۔

”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ“ ”کہ نبی ﷺ نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔“

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں اس حدیث کے ماتحت ہے۔

”قَالَ أَبُو عِيْسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ ”لَيْسَ إِسْنَادُهُ“ بِذَاكَ الْقَوِيُّ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ عُثْمَانَ هُوَ أَبُو حَبِيبَةَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ“

”ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناد اقویٰ نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہیں۔“

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبد اللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی سے ابوداؤد کا نام لے گئے (مرقاۃ)۔ تیسرے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لیے سورہ فاتحہ پڑھی ہو، یہاں اس کا بیان ہے چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعة اللمعات میں ہے۔

واحتساب وادركه همر جنازه بعد ان نازيا ببيش ائبل بقصد تهرک خوانده باشد چنانکہ الا ان متعارف است

”یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔“

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب ثابت کرنے کے لیے نہایت کھری صحیح کسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود جو ب ثابت کرنے کے لیے ایسی مجمل اور منکر و ضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض نمبر ۳ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔

حدیث شریف میں ہے۔ **لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ** ”(بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی)“ نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہوتی چاہیے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا حقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے، حقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لیے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں، جیسے وضو قبلہ کو رخ، اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی آگے نہ رکھا جاتا۔

آخر کتاب میں ہم چند اہم مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت احناف کے دل باغ باغ ہو جائیں، مگشن تقلید کے ایسے پھول سنگھڑتے ہیں، جن سے ان کے دل و ماغ ایمان مہک جائیں، کیونکہ وہ اپنی غیر مقلدین کی شک گفتگو سننے سننے دل گھبرا گیا۔

پہلا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر مقلد وہابی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سخت دشمن ہیں، ان کے مسائل پر پھبتیاں کستے اور مذاق اڑاتے ہیں، ان میں سے بعض نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت مگ، اور تاریخ وفات کو کم جہاں پاک، لکھی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض احناف نے کہا اور گند کے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۳ گند بھی مردار خور ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بزرگوں کے تبرائی، نصیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیس، چوبیس کے عدد چوبیس، وہابی چوبیس کی طرح دین کترتے ہیں، گند کی طرح نصیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل نے چاہا کہ اس عالی جناب کے کچھ حالات اور مناقب مسلمانوں کو سنائوں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا دیوجو منزلت ہے، شاید رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مدح خوانی کو میرے لیے کفارہ نیات بنادے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرماوے مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام و نسب حضرت امام ابوحنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے۔ حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقررین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کا دار الخلافہ تھا، حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جو چاہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کیلئے لے گئے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ثابت کے لیے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی، حضرت امام حضور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ ۷۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ھ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیر زان قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس بن مالک جو یسرے میں تھے، عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ جو کوفہ میں تھے، سمیل ابن سعد ساعدی جو مدینہ منورہ میں تھے۔ ابو طفیل عامر ابن ساعدی جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ قول راجح ہے۔ امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد و رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص محبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی، حضرات امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا، پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کر نیکی درخواست کی آپ نے انکار کر دیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب و غل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل و مناقب ہماری حدود سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور ﷺ کا زندہ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں، امت مصطفیٰ کے چراغ و نبی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں ہمارا رسول رسول اعظم ﷺ ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام اعظم عظمت و عزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ بے غلغلہ تعالیٰ و کرمہ، ہم تبرک کے لیے چند مناقب عرض کرتے ہیں، سختی میں اور باغ باغ ہوں۔

۱۔ حضور سید عالم ﷺ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشگوئی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس ابن ثابت ابن عبادہ سے روایت کی۔

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاولَهُ رِجَالٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ وَالْمُسْلِمِ وَالْبَيْهَقِيِّ نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ مَعْلَقًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَاولَهُ رِجُلٌ مِنْ فَارِسَ

”اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر وہین ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔“

بتاؤ فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا کون ہوا؟

۴ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے، خیرات الحسان فی ترجمہ اہل حدیثہ الصعمان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

تُرْفِعُ رِئَسَتُ الدُّنْيَا سَنَةَ خَمْسِينَ وَمِائَةً ”سنہ ۵۰۰ھ میں دنیا کی زینت اٹھائی جاوے گی۔“

سنہ ۵۰۰ھ میں حضرت امام اعظم کی وفات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم دنیاے شریعت کی زینت، شریعت کی رونق علم و عمل کی زیبا نش تھے، امام کووری نے فرمایا کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

۵ حضرت امام اعظم دنیاے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول ﷺ پر احسانِ عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں جو ایجاد نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

۶ حضرت امام اعظم تمام فقہاء و محدثین کے بلا واسطہ کے بلا واسطہ یا بلا واسطہ استاد ہیں، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد چنانچہ امام شافعی حضرت امام محمد کے سوتیلے بیٹے اور شاگرد ہیں، ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا، نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاد و شیخ حنفی ہیں۔ گویا آسمانی علم کے سورج امام اعظم حین باقی علماء تارے۔

۷ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں، جن میں سے اکثر مجتہد ہیں، جیسے امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام ابن مبارک جو دنیاے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے نو سو نو دینی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں، جنہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

۸ تمام نبیوں کے سردار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب، فرشتوں کے سردار چار فرشتے، صحابہ میں افضل و اعلیٰ چار یار، علمائے مجتہدین میں افضل چار امام پھر ان چار نبیوں میں حضور افضل، چار کتابوں میں قرآن افضل، چار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل، چار یار میں ابو بکر صدیق، افضل چار اماموں میں امام اعظم افضل، اسی لیے امام شافعی نے فرمایا کہ فقہاء ابوحنیفہ کی اولاد ہیں، وہ ان سے کے والد۔

۹ امام اعظم جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہسوار چنانچہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی، گھر سے کھانا لائے، باہر طلباء کو کھلا دیا، گھر والے سمجھ کے باہر جا کر کھایا، باہر والے سمجھ کے گھر میں کھا کر تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں آنکسٹہ قرآن کریم ختم کرتے تھے، ایک قرآن دن میں، ایک رات میں ایک سارے مہینے میں تراویح میں مقتدیوں کیساتھ، بچپن جج کیئے۔

۱۰ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لیے اکسیر اعظم ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے، تو میں بغداد شریف امام اعظم کے مزار شریف پر حاضر ہوتا ہوں، و درکت نقل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں، بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہ کی قبر انور پر حاضر ہوتے تو حنفی نماز پڑھتے تھے، کہ قوت نازل نہ پڑھتے تھے کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام و ادب کرتا ہوں۔ شافی۔

ضالہ کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار کے ادب میں سنت ترک فرما دیتے تھے، مطلب یہ کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں، دوسرے آئمہ نقلی پر بلکہ اپنے حق ہونے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ شاید دوسرے امام کا قول حق ہو، عقائد میں یقین ہے اور آخر کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن غالب ہے تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے ہیں اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۱۱ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سو بار بار تعالیٰ کا خواب میں دیکھا، آخری بار جو عاراب سے پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ راجعہ میں تفصیل وار درج ہے۔

۱۲ انت محمد یہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ، غوث و قطب، ابدال، اودا و حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں، جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ابن اوہم، فقہی بلخی، معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی فضیل ابن عیاض خراسانی، داؤد زاینی، ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو حامد لقا فخر رومی بلخی، خلف ابن ابی، عبد اللہ ابن مبارک دلی، فقیہ، محدث، وکیع ابن جراح شیخ الاسلام ابو بکر ابن وراق ترمذی جیسے سرداران اولیاء حنفی ہی ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، غرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء حنفی ہی ہیں، فخر پاک و ہند حضرت داتا گنج بخش جویری رحمۃ اللہ علیہ جن کا آستانہ مرجع خلافت ہے، حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی و مشائخ سب حنفی ہیں۔

۱۱ حضرت امام اعظم کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے، وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، حرمین طہین میں اکثر حنفی بلکہ دنیا کے اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہیں، دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں، جیسے بلخ بخارا، کابل قندھار اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنبلی، مائکے میں نہیں آتے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کے نہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مثنیٰ بھر جماعت ایسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم مقبول بارگاہ الہی ہیں اور مذہب حنفی عند اللہ محبوب ہے۔

۱۲ امام اعظم کے مخالفین نے بھی امام اعظم کے فضائل و مناقب ہیں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان لکھی اور سیوطی ابن جوزی نے کتاب الانصار الامام احمد المصارف و جلدوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تحفۃ الصوفیہ فی المناقب ابی حنیفۃ لکھی، علامہ یوسف ابن عبدالہادی حنبلی نے تنویر الصوفیہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ تحریر فرمائی، جس میں ابن عبداللہ کا قول نقل فرمایا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ جیسا عالم، بھپیہ مثنیٰ بہترین نہ دیکھا۔

غرض کہ لقب مرحومہ حضرت امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے فضل و کمال کے گواہ ہیں، اگر مثنیٰ بھر وہابی ان کی شان میں بکواس کریں، تو کیا اعتبار، اگر چہ کا در سورج کو نہ کہتے تو سورج سیاہ نہیں ہوا جاتا، جیسے آج روافض حضرت صحابہ پر طعن و تفتیح کرتے ہیں ایسے ہی وہابی غیر مقلد حضرت امام پر۔ رضی اللہ عنہ۔

۱۳ تمام آثار مجتہدین میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ حضور ﷺ سے نہایت قریب ہے کہ آپ کی ولادت پاک سنہ ۸۰ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات روایت کی۔ جنہوں نے آپ تابعیت کا انکار کیا محض تصحب سے کیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ سیدنا عبداللہ ابن ابی اوفی جیسے صحابی امام اعظم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ ملیں، آج بزرگوں سے ملنے دنیا کبھی آتی ہے، صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا، بہر حال آپ تابعی ہیں اور آپ کو صحیح حدیثیں حضور سے ملیں، خیر القرون میں ہوئے۔

خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۸۰ ہجری میں وفات سنہ ۱۵۹ھ میں عرش شریف ۸۹ سال، مزار شریف بغداد، مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف سنہ ۱۵۰ھ میں وفات سنہ ۲۴۰ھ عرش شریف ۲۵ سال، آپ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، امام احمد ابن حنبل کی ولادت شریف سنہ ۱۶۴ھ میں وفات سنہ ۲۴۱ھ میں عمر شریف ۷۷ سال۔

۱۴ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض و برکات حاصل کئے جو دوسرے آثار کو حاصل نہ ہوئے، کیونکہ امام اعظم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔

لَوْلَا اَبْنَانِ لَهْلَكَ النِّعْمَانُ ”اگر وہ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔“

۱۵ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مظہر اتم ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اؤل ہیں اور امام اعظم حضور ﷺ کی امت کے جہد اول صدیق اکبر جامع قرآن ہیں امام اعظم جامع مسائل فقہ اور قواعد و ضوابط ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور ﷺ کے بعد پہلے عدل و انصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام اعظم نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی، ابو بکر صدیق نے امت مصطفویٰ کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچالیا، شیرازہ بکھرے نہ دیا۔ امام اعظم نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر الحاد و زندہ کی آندھیوں سے بچالیا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت کفار و مرتدین کے فتنوں سے محفوظ ہے۔

۱۶ جیسے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اؤل ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔

غوث اعظم در میان اولیاء چوں جناب مصطفیٰ و انبیاء

ایسے ہی امام اعظم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لئے طریقت کے امام اؤل لقب غوث اعظم ہوا اور شریعت کے امام اؤل لقب امام اعظم بغداد اور شریف جمع بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرمائیں۔

دوسرا مسئلہ

تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے جہاں الحق حصہ اول میں مسئلہ تقلید تفصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جواب آج تک وہابی غیر مقلدین سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرماویں، اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لیے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے، آمین۔

خیال اہیہ کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اکمل الخلیۃ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں، جنہیں حضور سید عالم ﷺ کی صحبت میسر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار یا رکھا وہ حضرت آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی و امام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور ﷺ نے بشارت دی۔

أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بَابِهِمْ إِقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ

”میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔“
بدعتیہ کی فتن و فجور سے محفوظ و مامون رکھا، خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ النَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا

”رب تعالیٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔“
دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَكُورَةُ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ

”اے صحابہ کرام رب نے کفر و فسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈال دی۔“
اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا کہ ارشاد فرمایا۔

وَكُلَّوْا وَعْدَ اللَّهِ الْحُسْنَىٰ ”رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا۔“

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہاں کے ایمان کا معیار بتایا کہ جس کا ایمان ان کی طرح ہو وہ مؤمن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بدعین ہے، کہ فرمایا۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ”اگر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لاویں، تو ہدایت پر ہوں گے۔“

اگر صحابہ کرام کے فضائل و مراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر مطالعہ کرو۔ بہر حال حضور ﷺ کی صحبت شریف کی ایک برکت سے صحابہ کے دل روشن سینے نورانی تھے، وہ حضرات فرشتہ پر قدسی صفات کے حامل تھے، نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت سے فرقے نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے و فساد لہذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی، وہ تمام جہاں کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ و منطق کا الحاق پیدا ہوا، تب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل اسباب فرمائے دین محمدی ﷺ کے جزئیات کو آئینہ کی طرح صاف فرمادیا امت نے محسوس کیا کہ اب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں غرض کہ بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے، عوام، علماء، مجتہدین، عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازمی ضروری سمجھا، یہ تقلید و اجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اگرچہ واجب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم بھی کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا، پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر لگائے پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سپارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام و احکام بتانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرض کہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں بنتی گئیں، یہی حال آئمہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، اعراب سپارے، بتانا، علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے ہم اس جگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن، حدیث عمل امت، عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں، سینے اور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

۱۔ **فَاسْأَلُوا أَهْلَ الدِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** ”پھر اگر تم نہ جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔“

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی اٹکل نہ لگائے تاواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے نہ پوچھے، غیر مجتہد عالم مجتہد علماء سے دریافت کریں، اس ہی کا نام تقلید ہے۔

۲۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ**

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امر والے علماء کی۔“

قرآن کریم پر عمل کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے، یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولوالامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین، کیوں کہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت بہر حال میں واجب نہیں، صرف انہیں احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام و سلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

۳۔ **وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ**

وَرَضَوْا عَنْهُمْ ”اول سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار اور وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوا، یہ اللہ سے راضی۔“

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے، مہاجرین، انصار اور نیا قیامت ان کی اتباع و تقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری، اور نہ ان کے مقلدان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

۴۔ **وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ** ”اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع لایا۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت و ہدایت مردودوں کا راستہ ہے۔

۵۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ** ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔“

معلوم ہوا کہ صرف ہمارا تقویٰ و پرہیزگاری بخشش کے لیے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ اچھوں کی شرکت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں ڈکیتی کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء محدثین مفسرین مقلد گزرے، غیر مقلدوں میں اگر کوئی ولی گزر رہا ہو تو دکھاؤ، جس شارح میں بھل چھول پتے دیتیں وہ چو لھے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے ایسے ہی فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں وہ دوزخ کے قابل ہے، کیونکہ اس کا تعلق حضور ﷺ سے ٹوٹ چکا ہے۔

۶۔ **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** ”ہم کو ہدایت دے سیدھے، راستے کی انکار راستہ

جن پر تو نے انعام کیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستے کی پہچان یہ ہے کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں، حضور غوث پاک، خواجہ امجیری خواجہ بہاء الدین نقشبند امام ترمذی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے اور وہابیت غیر مقلدیت فیض ہمارا راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

۷۔ **وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ**

”جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جدھر وہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھردینگے اور اسے دوزخ میں پہنچا دینگے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان حضور کی مخالفت کرنے والے کفار کی ہے وہ ہی سزا ان تک کہ گویے دینوں کی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھاہشت کی مسجد الگ بنائیں، تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے، غیر مقلدان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

۸۔ **وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا**

”اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دنیا و آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستے یا جس مسئلہ کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ واقعہ میں برا عام دیکھ لو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں اور مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو برا جانتے ہیں، لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلد ہی اچھی جماعت۔

احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَدَّ شُدُّ فِي النَّارِ

”بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمان کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جاویگا۔“

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہئے، جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے، عام مسلمین مقلد ہیں، غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲ مسلم۔ ترمذی۔ احمد نے حضرت حارث اشعری سے روایت کی۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَيْدَ شَبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

”جو شخص باشت برابر جماعت سے نکل گیا، اس نے اسلام کا پتہ اپنی گردن سے اتار دیا۔“

حدیث نمبر ۳ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْزِلُ زِلَالًا كَمَا تَأْزِلُ الْحَيَّةُ إِلَى حُجْرِهَا

(مشکوٰۃ باب الاعتصام)

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ ایمان مدینہ منورہ کی طرف ایسا سمت آوے گا، جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔“

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے اور رہیگا۔ وہاں ان شاء اللہ کبھی شرک نہ ہوگا۔ الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں، نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے، غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیے گئے وہاں ٹھہر کر مقلد بن کر جان چھڑائی، پھر ہندوستان آکر غیر مقلد بن گئے، نذیر حسین غیر مقلدوں کے سرگردہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر نجدی بھی اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں، اپنے کو ضلی کہتے ہیں اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طہین اس سے پاک و صاف رہے۔

حدیث نمبر ۴ امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ ذَنْبُ الْإِنْسَانِ كَذَنْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّادَّةَ

وَالْفَاصِمَةَ وَالنَّاحِيَةَ إِيَّاكُمْ وَالشَّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ شیطان انسان کا بھیریا ہے، جیسے بھیریا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی یا کنارہ والی یا ٹھنڈے جانواری کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھائیوں سے بچو جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔“

لَا يَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ وَيَدَّ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ فَإِنَّ مَنْ شَدَّ شُدُّ فِي النَّارِ (مشکوٰۃ)

”میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی، جماعت پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہر کر جاوے گا۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آگیا، عام جماعت مسلمین مقلد ہے، لہذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔

عمل مسلمین ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان غیر مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہاء، اولیاء اللہ ان میں کوئی غیر مقلد وہابی نہیں، چنانچہ امام تہستانی اور تاج الدین سبکی نے صراحتاً امام نووی نے اشارہ فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی ابو داؤد و نسائی، دارقطنی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔ طحاوی و امام زہلی، یعنی شارح، بخاری، طہی، علی قاری، عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ ہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر الملیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں۔ تفسیر مدارک، تفسیر صاوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور اولیاء اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں اور عام اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں، ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضا یہی ہے کہ تقلید یا شد ضروری فریضہ ہے اور غیر مقلدیت تجدیت نہ ہر قائل ہے، ایمان کے لیے سخت خطرناک ہے چہرہ وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن وحدیث مسائل نکالنے کے لیے آسان نہیں، اس نے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس ہی لیے رب تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لیے اسے بڑے رسول ﷺ کو بھیجا اگر اسے سمجھنے کے لیے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے لیے حضور ﷺ نے پیچھے جاتے فرماتا ہے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ”وہ رسول مسلمانوں کو قرآن وحکمت سکھاتے ہیں۔“

جیسے قرآن سکھانے کے لیے حضور پیچھے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کیلئے آئمہ مجتہدین پیدا فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن وحدیث میں ایسی ٹھوکر کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر مقلد وہابیوں کو بارہا اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہی بتاؤ کہ حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے، حدیث کسے کہتے ہیں، اور سنت کسے تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو، ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے؟ مگر یہ فرق کے حدیث سے ثابت کیا جاوے، آج تک نہ بتا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے، ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی وہابی صاحب تکلف کر کے جواب دیں، حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجبر کی چار حدیثیں بے سمجھے رٹ لیں اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر ہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے تو ہمارا حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الباری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہ تعالیٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے، بطور مثال ایک عام مشہور مختصر سی حدیث پیش کرتا ہوں۔

أَحَدٌ جَبَلٌ يُجْبَأُ وَنَجْبُهُ ”اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔“

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت و طریقت کے مستطاب کیئے۔

۱۔ حضور ﷺ کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں کہ بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور ﷺ کے چاہنے والے ہیں، حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زلیخا، حسن محمدی آج کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں۔ حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

۲۔ جس انسان کو حضور ﷺ سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گزرا ہے۔

۳۔ جب حضور ﷺ پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں اُحد ہم سے محبت کرتا ہے تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

۴۔ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عشق و محبت اور دلی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں، اُحد نے منہ سے کچھ نہ کہا، مگر اس کے دل کا حال حضور ﷺ پر روشن تھا۔ اگر حضور ﷺ انسانوں کے دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے جو بھی حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مجھے خبر نہیں مومن تھایا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیئے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آٹا روضو کی چمک نہ ہوگی۔

۵۔ تمام عبادتوں کا بدلہ جنت ہے مگر محبت مصطفیٰ کا نتیجہ محبت ہے کہ فرمایا اُحد ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لہذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث سنو اور اس سے ایمانی و عرفانی مسائل کا استنباط ملاحظہ کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث حضور راز گش پر سوار جا رہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں وہ نہ گوش و نہ پاؤں سے کھڑا ہو گیا، حضور اتر پڑے اور فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر فخر گھبرا گیا، ان میں سے ایک تو انونوں کا چرواہا تھا جو انٹوں کے پیشاب کے پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا اس لیے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چریں فرما کر دونوں پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تریں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

نواخذہ اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ حضور ﷺ کی چشم مبارک کے لیے کوئی چیز آڑ نہیں، آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر نگاہ پاک مصطفیٰ ﷺ قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے۔

۲۔ جس جانور پر حضور سوار ہو جادیں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ فخر نے حضور ﷺ کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھڑک گیا اور نہ ہمارے شجر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں، نہیں بھڑکتے، لہذا اگر حضور ﷺ کسی ولی پر نظر کر فرمادیں تو اس کی نگاہ سے بھی

نہیں حجاب اٹھا جائیں گے۔

۴ حضور ﷺ کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں، کہ فرمایا کہ ایک چغل خور تھا، دوسرا عیاشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور ﷺ کے سامنے نہ کئے تھے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

۵ حضور ﷺ عذاب الہی سے بچانا عذاب دور کرنا بھی جانتے ہیں، گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لیے ترش محسوس قبروں پر گاڑ کر فرمایا کہ اس سے عذاب ہلکا ہوگا۔

۶ تربزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے تربزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

۷ اگرچہ فحک چیزیں بھی تسبیح پر حقیقی ہیں، **”إِلَّا يَسْتَبِيحُ بِحَمْدِهِ“** ”مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا۔“ ذکر کی تاثیر کے لیے زبان بھی تاثیر والی چاہیے، لہذا وہابی وغیرہ منگوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جسکے دل میں محبت مصطفیٰ ﷺ کی تری و سبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

۸ مومن کی قبر پر تربزہ وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور ﷺ نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جب تک کہ یہ تر رہیگی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

۹ حلال جانور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی ہتھیلیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی ہتھیلیں عذاب قبر کا باعث ہوئیں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کر لو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

فَمَا ذَلَّلَهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّتْهُ الْأَرْضُ فَأَكَلَ مِنْ سَأَتِهِ

”جنات کو حضرت سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیمک نے لٹھی کھائی۔ لٹھی گرنیکی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آ رہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے، کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فائدہ اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

۱ انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گلنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا مگر کوئی فرق نہ آیا۔
۲ انبیاء کرام کے اجسام شریف کو کبڑا نہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیمک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی لٹھی کھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہذا یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف کو بھیڑ بچے نے نہ کھایا، یہ فرض نہ غلط کہہ رہے ہیں۔

۳ پیغمبر کا کفن بھی گلنے میلا ہونے سے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ گھلا نہ میلا ہوا، ورنہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

۴ انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی و دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں، دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرا دی۔

۵ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگانا سنت الہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے تکمیل مسجد کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن دفن رکھا، لہذا صحابہ کرام کا تکمیل خلافت کے لیے حضور کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

۶ ہاٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیے عتاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ دیکھو حضور سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیے عذاب ہے کہ اسے تو بے کا وقت نہیں ملتا، لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیت کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے اپنے حاشیہ قرآن میں بیان کیئے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے اپنی دو خاص نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے شکر یہ میں رب کی تسبیح و حمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق فوج در فوج اسلام قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزار ہا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار میں جس میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل ایسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر والے اور چار غلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

۲۔ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے، ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا لہذا ابوسفیان، ہند، عکرمہ، امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سچے بچے، مخلص مومن ہیں، جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

۳۔ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہوا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریحی آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الہیہ کیا اگر یہ لوگ آئندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ بجائے تسبیح و تحمید کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائیں گے، اب جو تار بخئی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے، وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

۴۔ **وہابیو** بولوا آج تک قرآن وحدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کسی وہابی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئی یہ نعت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے، تم نے صرف غلط سلطہ ترجے کرنا ہی سکھے ہیں۔

۵۔ **حنفی بیانیو** اگر تمہیں اس جیسے صد ہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارا حاشیہ القرآن اردو اور حاشیہ بخاری انشراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو جان سے ہاتھ دھو بیگا، ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن وحدیث سمندر ہیں، جیسے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، جنہیں موتی سمندر سے نہیں ملیں گے بلکہ جوہری کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن وحدیث سے نہ ملیں گے، بلکہ امام ابوحنیفہ وشافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی بیٹھا کا مقلد ہوتا ہے، کھانا پکانا، کپڑا سینا پہننا، غرض کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے تکلیف اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا دھر چل دیا تو دین تباہ ہو جائیگا غیر مقلد وہابیوں کے چاہیے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر جوہر ناگوں میں کرتہ اور کندھے پر پانچ جامہ پہنا کریں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے یہ ہیں، غیر مقلد یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے، قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں، غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے ہو ہر کام انوکھا کرو، ہر بات نزائی کو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث دیکھی جاویں تو چکر آجاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیثیں دیکھی جاویں، تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کہ ہر جا میں کوئی وہابی صاحب دور کعت نماز ایسی پڑھ کر کھو دیا، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پڑیں دس قسم کی روایتیں موجود ہیں حضور ﷺ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، ساتھ پڑھتے تھے، تو گیارہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھائیں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک وہابی صاحب نے آئین بالجبر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آئین بالا خفاء کی پانچ پڑھ دیں بھارے منہ کھتے رہ گئے یہ کام مجھ تک کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون واجب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاح شمس رسول ہو، اور از دار بنیغیر یہ مزاح شمس ازاداری ہر ایرے سے غیرے کا کام نہیں۔

وہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے، لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبد الوہاب ہے جو نجد کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو وہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جائے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی بھٹی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیش گوئی خود حضور ﷺ نے کی تھی کہ

نجد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هَذَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَيَخْرُجُ مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ 'نجد میں زلزلے اور فتنے میں ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔'

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میںلاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحّد کہتے ہیں، مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان اقدس میں تہرے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر وہابی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفہ وہابیہ وغیرہ ہیں، محرّاب وہابی کے نام سے چڑتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بد نما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ سے امید قبول ہے۔

خیال رہے کہ دنیا کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے، جیسے دو تھپہین یا دو ضدیں کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات، گفتگو یا کلام فرماتا ہے۔

فَبَايَ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ”قرآن کے بعد کوئی بات پر ایمان لائیں گے۔“

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ ”اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔“

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

”بعض لوگ وہ ہیں، جو کھیل کی باتیں دناول، قصے خریدتے ہیں، تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔“

اس تیسری آیت میں ناول قصے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے، جس میں حضور سید عالم ﷺ کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کئے جاویں، اس عامل بالحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کوئی حدیث پر عامل ہو، لغویہ یا اصطلاحی پر ہوا اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہئے کہ ہر ناول کو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر جی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بیچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک و کافراں کا قاتل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے، تم حقیقی، شافعی، مالکی، حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ نہ ممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثوں منسوخ ہیں، بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیے مہاب یا فرض تھے، ہمارے لیے حرام ہے، جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمایا، حضرت حسین سید الشہداء خاتم آل عمار رضی اللہ عنہ کے لیے جہدہ دراز فرمایا، حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نو بیویاں نکاح میں رکھنا، بغیر مہر نکاح ہونا زواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ

حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کلمہ یوں پڑھتے تھے، **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ**

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔“

یہ حضرات اسی حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرض کہ حدیث میں حضور ﷺ کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے کمال ہیں، ہمارے لیے کفر۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے وہ افعال کریمہ جو انسان یا اجتہادی خطاء سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا، جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے، وہ غلب کہتا ہے جب ہی نام جھوٹ ہے، تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے، اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِّنَ الْحَقِّ ”لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔“

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے، حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطاء انسان کا بھی سرزد ہوں، بلکہ امت کے لیے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے، لہذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق

دورست ہے، کہ ہم بفضلہ تعالیٰ حضور ﷺ کی ہر سنت پر عامل ہیں، مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔
 اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور ﷺ کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لیے کون
 فعل شریف اقتداء کے لیے ہے، کون نہیں کس فرمان کا کیا فشاء ہے، کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحتاً ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارۃً کون دلالتاً کون
 اقتضاء یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے، جیسے قرآن عمل کرانا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرانا
 امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا، بغیر امام و مجتہد حضور
 ﷺ کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے، اسی لیے علماء فرماتے ہیں۔

الْقُرْآنُ وَالْحَدِيثُ يُضِلُّانِ إِلَّا بِالْمُجْتَهِدِ ”بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہیں۔“
 رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ”اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے بہت کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔“

چکڑا لوی اس ہی لیے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی
 لئے راہ سے ہٹکے ہوئے ہیں کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت کا ان شاء اللہ بیڑا پار ہے، کہ
 ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث، نان ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بنیاد پر درست ہے، اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا جو کسی امام کا مقلد ہوگا، قیامت
 میں رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اِنْسَانٍ بِاِمَامِهِمْ ”اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے۔“

خیال رکھو کہ قرآن و سنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی، لیکن ہم تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام اعظم
 ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔
 ان شاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے، اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتاویں کہ
 فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے، اور نماز میں کتنے فرض ہیں، کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحب، کتنے مکروہ
 حنبلی، کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام، ان شاء اللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث سے نہیں بتا سکتے، حالانکہ دن رات ان مسائل سے
 واسطہ ہوتا ہے تو وہ متوضد کیوں کرتے ہو تقلید اختیار کرو، جس میں دینی و دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان سنہ ۱۴۲۶ھ اپریل سنہ ۱۹۵۷ء بروز جمعہ کو شروع ہو کر ۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۶ھ بروز جمعہ یعنی دو ماہ و دو دن میں
 انتہام کو پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اسے قبول فرمائے، میرے لیے کفارہ سیات اور صدقہ جاریہ بنائے، مسلمانوں کے لئے
 اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گناہگار کے لیے حسن خاتمہ اور معافی سیات کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں
 نے یہ بحث کی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَنَوَّرْ عَرْشِهِ مَسْجِدَنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ اٰمِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ